9

سب سے اہم موضوع یعنی شرک پر جامع آگاہی

ظلمِ عظیم

پر جامع رہنمائی

راہِ فلاح میں حائل سب سے بڑی گھاٹی

اولین فرصت میں دور کرنے کی اشد ضرورت

ابو عبداللہ

(سب سے اہم موضوع یعنی شرک پر جامع آگاہی)

تحریر نمبر:9

ظلمِ عظیم پر جامع رہنمائی

(راہِ فلاح میں حائل سب سے بڑی گھاٹی)

(اولین فرصت میں فوری آگاہی کی اشد ضرورت)

ابوعبداللہ

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب: صراط مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ

تالیف: ابوعبداللہ

کمپوزنگ: مختار احمد

اشاعت:

قیمت: ---------------------

احادیث کی نمبرنگ: انٹرنیشنل نمبرنگ کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

نوٹ

(۱)۔دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے،کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاء اللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔صالحین کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر ایمان کی شرط ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن شوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں،تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی،لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلئے پیشگی معذرت۔

ہماری کاوش اور قارئین کا حق.....!

قارئینِ گرامی! ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ محض اللہ کی رضا اور آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے:

(۱)۔فرقہ واریت سے بچتے ہوئے ،(۲)۔سچائی اور دیانتداری سے،(۳)۔قرآن و سنت کے پختہ دلائل کی بنیاد پر،(۴)سلف کے فہم سے استفادہ کرتے ہوئے،(۵)۔احتیاط اورذمہ داری سے،(۶)۔اعتدال کا دامن تھامتے ہوئے، (۷)۔ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے: 'حق اور سچ کو من وعن واضح کیا جائے'۔

اسکے باوجود بھی!

قرآن وسنت کے علاوہ جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے، وہ ہمارے فہم کے مطابق قرآن و سنت کی من وعن تشریح ہے،دلائل کی بنیاد پر ہر ایک کواس سے اختلافِ رائے رکھنےاور جس تشریح کو وہ اپنے لئے درست اور معتبر سمجھتا ہے اسے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ہم انسانیت کی قدر کرتے ہیں،کہیں بھی کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ہمیں مطلع کریں ،اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاء اللہ فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے،اپنے ساتھ ہر نوع کے شرک سے پاک تعلق نصیب کرے،اپنی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی حقیقی اطاعت ومحبت اور جنت میں آپ ﷺ کا پڑوس نصیب فرمائے۔(آمین)

انتساب!

انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے پیارے رسول اعظم ﷺ کے نام جنہوں نے دین کے سب سے اہم اور انسانیت پر سب سے گراں موضوع یعنی ''شرک'' سے امت کو بچانے کیلئے ہر مشکل کو جھیل کر امت کو بچایا۔

اور

ان سچے، مخلص، امانت دار، سلیم الفطرت لوگوں کے نام جن میں سچائی کو پانے کی شدید تڑپ اور پیاس ہے اور جو مراد کو واقعتاً پانا چاہتے ہیں.... لیکن فرقہ واریت نے حقیقی فلاح کی راہیں ان پر مسدود کر دی ہیں۔

فہرست

☆ انتہائی قابل غور........................ 8
☆ ہدایت پانے کی بنیادی شرائط........................ 9
☆ ابتدائیہ........................ 10
☆ تحریر کا مقصد........................ 11
☆ اعتدال اس تحریر کا امتیازی وصف........................ 14
☆ اسلام کی بنیادیں........................ 16
☆ ذرا رُکیے!........................ 17
☆ اہم ترین بات (Most Important)........................ 19
☆ بزرگان دین سے استفادہ........................ 20
☆ باب ۱: شرک کی سنگینی........................ 23
- شرک کی حقیقت اور اقسام
- شرک ہے کیا؟
☆ باب ۲: اُمت مسلمہ سے شرک ختم ہو چکا؟........................ 35
☆ باب ۳: شرک کی بنیادی معلومات........................ 48
الفاظ کا ظاہری اشتراک شرک نہیں
من دون اللہ کی وضاحت
نبی کریم ﷺ کی سخت احتیاط
☆ باب ۴: سابقہ اقوام کا شرک........................ 59
مرض سے نجات کا حل مرض کی تشخیص
(۱) اہل عرب مشرکین کا شرک

(۲) اہل کتاب کا شرک
(۳) منافقین کا شرک
شفاعت کا غلط تصور
نسل انسانی کا آغاز اور شرک
سابقہ اقوام کا شرک اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تبصرہ
ہندوؤں کا شرک
سابقہ اقوام اور امت کے متعلق نبی کریم ﷺ کی خوفناک پیشین گوئی
☆ باب۵: شرک فی الحقوق: ﴿پکارنا﴾...... 115
☆ باب۶: استعانت (پکارنے) پر اشکالات...... 136
☆ باب۷: شرک فی الحقوق (قبروں کے احکام)...... 166
☆ باب۸: شرک فی الحقوق (برزخی حیات کا تحقیقی جائزہ)...... 183
محکم اور متشابہہ
(1)۔ شہداء کی برزخی حیات
(2)۔ انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات
(3)۔ اجسام کا سلامت ہونا
(4)۔ سماع موتی: فوت شدگان کا سمع وکلام اور عالم دنیا میں واپس آنا
(5)۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ
(6)۔ حاضر وناظر
☆ باب۹: شرک فی الحقوق (عقل سے ماوراامور)...... 222
☆ باب۱۰: شرک فی الحقوق: ﴿نذر ومنت﴾...... 244
☆ باب۱۱: شرک فی الاطاعت...... 252
☆ باب۱۲: تقلید اور علمائے اسلام کی رائے...... 262
☆ باب۱۳: شرک فی الاطاعت: ﴿شبہات﴾...... 275
☆ باب۱۴: متفرق معلومات...... 302

دم اور تعویذات کا حکم

عبادت کو حق کی دلیل بنانا

خواہش نفس کو معبود بنانا

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے مثال

واجب الوجود اور مستقل بالذات وغیرہ کے حوالے سے اہم حقیقت

اندھا دھند پیروی کا نتیجہ

فتنوں کے مقام کی نشاندہی

اہل تشیع حضرات کے متعلق ضروری وضاحت

قبر سے جسم کا سلامت نکلنا

نہ جنت کی ضرورت نہ دوزخ کا ڈر

شرک کی آلودگیوں سے بچنے والا خوش نصیب

☆ باب ۱۵: شرک کے ارتکاب کی وجوہات اور اسکی حقیقت......................330

☆ باب ۱۶: خلاصہ گفتگو......................337

☆ جلدی کریں......................348

☆ علماء حضرات سے اہم سوال! 349

☆ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات......................350

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند علماء حضرات سے استفادہ کی لسٹ......................354

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ......................355

☆ ہماری اہم تحاریر......................356

☆ ہماری دعوت......................357

انتہائی قابلِ غور!

تعصب و تنگ نظری اور فرقہ واریت کی انتہائی خطرناک بیماری کی موجودگی میں حق بات کو جاننا اور ماننا انتہائی مشکل بلکہ پہاڑ سر کرنے سے بھی دشوار ہوتا ہے۔اس خطرناک مرض کی بنا پر مکار ابلیس کو بے شمار چالوں کے ذریعے انسان کو قابو کرنے کا موقع مل جاتا ہے جو انسان کے قبولیتِ حق کی راہ میں حائل ہو کر اسکی منزل کھوٹی کر دیتی ہیں۔ان حالات میں انسان سچائی کو جاننے اور ماننے کیلئے آمادہ ہی نہیں ہو پاتا بلکہ اپنے ذہن و مسلک کے خلاف حق بات سے آگاہی سے شدید ناگواری محسوس کرتا ہے اور سچائی کی طرف رہنمائی کرنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے۔

لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں یہ تحریر ''قرآن مجید کی حاکمیت'' آپ کیلئے مفید ہو سکے، سچائی پر مبنی اس تحریر کے حقائق آپکی سمجھ میں آجائیں اور انہیں تسلیم کرنے کی توفیق آپ کو نصیب ہو جائے۔تو اس تحریر کے مطالعہ سے قبل ہماری مختصر تحریر ''**ھدایت**'' کا مطالعہ ضرور کر لیں تا کہ حق بات جاننے اور تسلیم کرنے کی راہ میں حائل مکار ابلیس کی چالیں آپ پر واضح ہو جائیں۔

ڈگری کی رکاوٹ

مذکورہ تحریر ''ہدایت'' میں راہِ ہدایت میں حائل بے شمار رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یعنی دین پر بات کرنے کیلئے کسی مدرسہ سے سند یافتہ ہونا ضروری ہے،اس پر چند ضروری باتیں سمجھ لیں:

تحصیل علم کیلئے باقاعدہ کورسز کی افادیت سے تو انکار نہیں۔تحصیل علم میں جتنا زیادہ وقت دیا جائے،اسی قدر علم میں اضافہ ہوگا۔لیکن مقصد، علم ہے نہ کہ ڈگری۔دین کا علم سیکھنے کیلئے ڈگری شرط نہیں۔ڈگری کے بغیر بھی مختلف ذرائع (قرآن وسنت،استاد،تقاریر وتحاریر،شروح) سے علم سیکھا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہمارے اسلاف (ائمہ ومحدثینؒ) نے سیکھا۔اگر فرقہ واریت کی جگہ اسلام ترجیح ہو تو مدارس کی ڈگریاں مفید ثابت ہوں۔مخلص اہل علم علماء حضرات تو انسانوں کیلئے بہت بڑا سرمایہ ہیں۔لیکن مدارس سے اپنے فرقے کے علاوہ باقیوں کی نفی کی ڈگری سے، کس خیر کی امید کی جا سکتی ہے؟ کس کی ڈگری مانیں گے اور کس کی نہیں؟ ہر کوئی اپنے فرقہ کی ڈگری کو عین حق، جبکہ باقی سب کی ڈگریوں کی نفی، بلکہ اپنے سوا باقیوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔حالانکہ سب صرف ونحو کی پیچیدگیوں سمیت قرآن، حدیث، فقہ، منطق...... سیکھ کر فارغ ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں! حقیقی علم صرف اسے ہی نصیب ہوگا، جو مخلص ہوگا۔جس کا مقصد نہ فرقے، نہ دولت، نہ عزت نہ شہرت ہوگی، بلکہ اللہ کی رضا اور اسلام مقصود ہوگا۔

ہدایت پانے کی بنیادی شرائط

ہدایت من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کن شرائط وضوابط اور اصولوں کی بنیاد پر کسی کے لئے ہدایت کی گرہ کھولنے یا نہ کھولنے کا فیصلہ کرتا ہے؟ اس ضمن میں دو بنیادی شرائط ہیں اور دو ثانوی:

بنیادی شرائط: (۱)۔ اخلاص وسچائی، اور (۲)۔ طلب وجستجو

ثانوی شرائط: (۱)۔ تمسک بالقرآن، اور (۲)۔ عقل ودانش کا استعمال

مذکورہ دو بنیادی شرائط پوری ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ خود ہی اگلی شرائط کی طرف انسان کو مائل کر دیتا ہے۔ جب تک یہ چار شرائط پوری نہ ہوجائیں، حقیقی ہدایت نصیب ہونے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

(۱)۔ اخلاص وسچائی: شیطان نے ساری انسانیت کو اغوا کر لینے، اچک لینے اور ذریت آدم کی جڑ کاٹ دینے کا دعویٰ کیا ہے، سوائے مخلص لوگوں کے، دیکھئے: (سورہ ص: 82-83)۔

اخلاص کا مطلب ہے کہ مقصد: (i)۔ اللہ کی رضا کا حصول یا (ii)۔ اخروی فلاح یعنی دوزخ کی آگ سے بچنا اور جنت کے حصول کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اور اخلاص نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد:

(i)۔ مقام ومرتبہ اور عزت وشہرت ہو، (ii)۔ دولت ودیگر دنیوی مفادات ہو، اور (iii)۔ اسلام کی فکر کی بجائے اپنے گروہ، مسالک اور فرقوں کی آبیاری اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے دیگر شخصیات کی پیروی کی فکر ہونا۔ اخلاص کی غیر موجودگی میں ''علم وکاوش'' فائدے کی بجائے، قرآن و سنت کی غلط تاویل وتحریف کے ذریعے مزید ہلاکت وگمراہی کا باعث بنتا ہے۔

(۲)۔ طلب وجستجو: ہدایت صرف اسے ملے گی جو سچائی کیلئے فکر مند ہوگا۔ جس میں سچائی جاننے کی شدید پیاس اور تڑپ ہوگی۔ نہ کہ اسے جو مسلک پرستی اور اکابر پرستی کی زنجیروں میں جکڑا آنکھوں پر پٹی بندھی ہو۔

جیسے ہی یہ دو بنیادی شرائط پوری ہوجائیں گی، اس کے نتیجے اللہ تعالیٰ انسان کو اگلی شرائط پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کردے گا۔ یعنی پروردگار انسان کو ہدایت کے اصل منبع یعنی قرآن حکیم کی طرف لے آئے گا جس کے بغیر اندھیروں سے نکل کر روشنی کو پانا ممکن نہیں۔ پھر پروردگار چوتھی شرط یعنی: جمود، تعصب، جہالت، بغیر سوچے سمجھے اندھادھند پیروی اور جامد تقلید..... کی بجائے عقل ودانش کے نورِ بصیرت کی طرف لے آئے گا۔ یوں ان چار شرائط کی تکمیل پر خوش نصیب انسان گمراہی کی زَد سے بچ کر اللہ کے ہدایت والے قانون سے بہرہ مند ہوکر سعادت کی راہ پر گامزن ہوجائے گا۔ اگر خدانخواستہ فرقہ واریت کی بنا پر معاملہ اسکے برعکس ہوا، تو پھر ابلیس اپنے تمام ہتھیاروں (چھ بنیادی اور دیگر بہت سے ثانوی جالوں) کے ذریعے یوں اچک لے گا کہ ہمیں کان وکان خبر تک نہ ہو پائے گی۔ ان حقائق کو دلائل کی بنا پر تفصیل سے جاننے کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''ہدایت''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

ابتدائیہ

تمام تر حمد وثنا اس رب العالمین کے لئے جس نے انسان سمیت ساری کائنات کو تخلیق کر کے اسکی بقا کے لوازم مہیا فرمائے۔ جس نے انسان کی رہنمائی کے لئے ہزاروں انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث فرمائے اور آخر میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کو قرآن مجید جیسی عظیم نعمت دے کر بھیجا جو تمام نسل انسانی کے لئے ہدائت کا سر چشمہ ہے۔ بے شمار درود وسلام ہوں ہمارے پیارے رسول جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر جنہوں نے سب سے زیادہ تکالیف اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو کما حقہ کاوش ومحنت سے لوگوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ جو خاتم النبین ، رحمۃ اللعالمین، حریص الامت ہیں۔ جو حبیب کبریاء اور مخلوقات کے سردار ہیں، جنکا ذکر خیر خود پروردگار نے بلند کر دیا ہے۔

رحمتیں ہوں اللہ کے ان برگزیدہ مخلص بندوں پر جنہوں نے حق کے لئے قربانیاں دیں، اللہ کو اپنا خالق اور معبود مانا اور رسول ﷺ کو اپنا رہبر وراہنما مانتے ہوئے دنیا کے تمام لوگوں پر ترجیح دی، دین کو مسالک اور گروہوں پر فوقیت دی۔ اور اللہ ورسول ﷺ کو عملاً سب پر ترجیح دینے میں کسی بھی رکاوٹ کی پروانہ کی، جذبات کی بجائے علم کو بنیاد بنایا۔

تحریر کا مقصد

اخروی فلاح جوکہ انسان کا منطقی (Ultimate) ہدف یا ٹارگٹ (Goal) ہے۔کامیابی سے اس ہدف کو پا کر مراد تک پہنچنے کی راہ میں درج ذیل تین بنیادی گھاٹیاں کھڑی ہیں:

(1)۔ **آخرت** کے مقابلے میں **دنیا پرستی** (دنیوی اغراض وشہوات کا رسیا بننا)

(2)۔ **رسالت** کے مقابلے میں **آبا پرستی /شخصیت پرستی** (یعنی مسالک، فرقے ......،علماء واکابرین......... کی اندھا دھند غیر مشروط تقلید)

(3)۔ **توحید** کے مقابلے میں **شرک**

ان تین عظیم حقائق (آخرت، رسالت اور توحید) کوٹھیک ٹھیک سمجھ کر زندگی میں لانے والے خوش نصیب تو انشاءاللہ مراد کو پہنچ جائیں گے جبکہ ان تین مظبوط بنیادوں کی تفہیم اورانہیں زندگی میں لانے سے غفلت ولا پرواہی برتنے والے بدنصیب مراد سے محروم ہوجائیں گے۔تیسری گھاٹی ’’توحید کے مقابلے میں شرک‘‘ جوکہ انسان کی زندگی کا سب سے اہم موضوع ہے،اس ضمن میں ’’ **توحید**‘‘ پرضروری رہنمائی ہماری تحریر نمبر۔ ۲’’توحید کا جامع تصور‘‘ میں بیان کی گئی ہے۔جبکہ توحید کے متضاد یعنی ’’ **شرک** ‘‘ پر اس تحریر میں ضروری رہنمائی پیش کی جائے گی۔

اس تحریر میں اپنی نفی کرتے ہوئے فرقوں سے بالاتر ہوکر اخلاص کے ساتھ سچائی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ حقیقت ہے کہ وہ دین جو پروردگار نے اپنے پیارے رسول ﷺ پر نازل فرمایا تھا جوکتاب وسنت کی شکل میں محفوظ ہے اس میں اورلوگوں کی اکثریت جن عقائد وافعال پر عمل پیرا ہے اس میں بہت فرق پیدا ہو چکا ہے اوراس فرق کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اکثریت کتاب وسنت سے واقف ہی نہیں،صرف اپنے اپنے من پسند مکاتب فکر کے علماء تک محدود ہے۔

اگرآپ اپنی خواہش نفس کی نفی کرتے ہوئے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ ورسول ﷺ کے ہاں دین کیا

ہے، انکی کیا ترجیحات ہیں تو اس تحریر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم سے غلطی نہیں ہوسکتی، ہاں یہ ضرور کہتے ہیں کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر فرقہ وارانہ تعصب سے بالا تر ہو کر ایمانداری سے سچ بات واضح کرنے کوشش کی ہے۔تاہم ہماری کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت رکھتی ہوتو ہماری رہنمائی فرمائیں، اگر واقعی ایسا ہوا تو ہم انشاءاللہ عزوجل فوراًرجوع کریں گےاور ایسے لوگ ہمارے محسن ہوں گے۔

صراط مستقیم

جیسا کہ ہماری تحریر ''توحید کا جامع تصور'' میں تفصیل سے بیان کردیا گیا کہ: جہاں تک صراط مستقیم کی اصطلاح کا تعلق ہے تو قرآن مجید نے قطعیت کے ساتھ واضح کردیا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد:

(۱)۔ عموم کے اعتبار سے: تمسک بالقرآن یعنی قرآن مجید کو مظبوطی سے بنیاد بنانا

(۲)۔ تخصیص کے ساتھ: منافقت اور شرک سے اجتناب اور توحید باری تعالیٰ کو اپنانا

منافقت وشرک سے نفرت وبیزاری اور توحید ربانی سے محبت ووارفتگی ہی اصل صراط مستقیم ہے۔ظالم شیطان کی اصل کامیابی نسل انسانی کو شرک میں مبتلا کرنے میں ہے،جسکے لئے وہ ہزاروں حربے استعمال کرتا ہے۔خالق کائنات کو سب سے زیادہ نفرت شرک سے ہے،اسی لئے اس نے اسے ظلمِ عظیم قرار دیتے ہوئے شرک کا ارتکاب کرنے والوں پر بروز قیامت بخشش کے دروازے بند کر دیے ہیں۔وہ شاہراہ جو اس صراط مستقیم کی آبیاری کرتی ہے اور اس پر گامزن ہونے کیلئے بطور نمونہ یا اسوہ رہنمائی فراہم کرتی ہے وہ 'رسالت' ہے۔'رسالت' کو کما حقہ سمجھے اور اسے تسلیم کئے بغیر صراط مستقیم پر گامزن ہونا ممکن نہیں۔گویا 'رسالت' کے ذریعے سے ہی صراطِ مستقیم کی تکیل ہوتی ہے۔اس ضمن میں ضروری معلومات ہماری تحریر: ''رسالت کا حقیقی تصور'' میں پیش کردی گئی ہیں۔

بات اخروی فکر کی ہے!

ہم ہدایت پر آنا چاہتے ہیں کہ نہیں، بات آخرت کی فکر کی ہے۔جس کو واقعتاً اپنی قبر وآخرت کی فکر ہو

گی۔وہ اپنے اپنے پسندیدہ پیدائشی مسالک ،علماء و بزرگ اکابرین کے تحفظ میں کبھی بھی حق کے دلائل سے چشم پوشی یا غفلت واعراض نہیں کرے گا بلکہ سچائی کو پانے اور ماننے کیلئے بے تاب ہوگا۔یاد رکھیں: وہ لوگ جن کے تحفظ کی خاطر آپ حق سے اعراض کریں گے، بروز قیامت ان میں سے کوئی بھی آپ کے کام نہیں آئے گا۔

رب ذوالجلال سے التجا ہے کہ ہماری اس کاوش کومسلمانوں کے تمام گروہ: بریلوی، دیوبندی،اہلحدیث اوراہل تشیع.............بھائیوں کیلئے مستفید بنائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

اعتدال تحریر کا امتیازی وصف

دین میں بگاڑ اور باہمی اختلافات کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں جبکہ کچھ تفریط کی راہ اپنا لیتے ہیں۔ اعتدال ہی وہ پیمانہ ہے جسے ملحوظ رکھنے سے حق بات کی توفیق نصیب ہو تی ہے۔ اپنے اپنے پسندیدہ گروہ افراط وتفریط پر مجبور کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارا اسلام کے علاوہ کوئی اور گروہ نہیں اسلئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حق بات واضح کی جائے۔ اگر کہیں ہمیں غلطی پر پائیں تو رہنمائی کریں حق بات تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں گے۔

اعتدال ضروری مگر!

اعتدال ضروری ہے لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصلحت کا شکار ہو کر حق بھی بیان نہ کیا جائے اور جن خرابیوں پر مائل کروا کر شیطان نے لوگوں کا نقصان کیا ہے ان سے چشم پوشی کر لی جائے۔ سچا مسلمان ہونے کے ناطے خدا اور رسول ﷺ سے وفاداری کا بنیادی تقاضا ہے کہ: 'سچ اور جھوٹ'، 'حق اور باطل' کو واضح کرنے میں کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لایا جائے یہی اس فانی دنیا کا بڑا امتحان ہے۔ اپنے پسندیدہ گروہ سے محبت مجبور کرتی ہے کہ صرف اپنے مسلک کے موافق چیزیں بیان کی جائیں اور ناموافق چیزوں سے چشم پوشی کی جائے، یہ کتنا بڑا گناہ ہے، ملاحظہ کریں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 160-159)

''جو لوگ ہماری نازل کردہ دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجود اسکے کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی اور تمام لعنت بھیجنے والوں کی لعنت ہے۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور (اللہ کی

ہدایت کو) واضح بیان کر دیں تو ایسے لوگوں کی توبہ میں قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں‘‘

یہ آیات بالخصوص نبی کریم ﷺ کی آمد کی پیشین گوئی چھپانے پر یہود و نصاریٰ کی بابت نازل ہوئیں۔فرقہ واریت سے نجات کے بعد ہی پورے دین پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب ہوسکتی ہے۔

اس تحریر میں! قرآن وسنت سے جو احکامات ملے ہیں، بغیر کچھ چھپائے ضرورت کے تحت بلاتفریق بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ اور اسکا رسول ﷺ سب سے بڑھ کر ہیں، اگر آپکے نزدیک اللہ ورسول ﷺ سے محبت آپکے فرقے یا اکابرین کی محبت پر غالب ہے تو پھر انشاء اللہ بات ضرور سمجھ آجائے گی۔انشاءاللہ قرآن وسنت کی بنیاد پر لکھی جانے والی یہ تحریر ہر مخلص اور سلیم الفطرت شخص کے لیے رہنمائی کا موجب ثابت ہوگی۔

اسلام کی بنیادیں

ہم شیطان کے فریب سے نجات پا سکتے ہیں اگر ہم اسلام کی بنیادوں کو پہچان لیں۔فرقہ واریت کی وجہ سے مسلمان کی اصل پہچان اور بنیادیں تبدیل ہو چکی ہیں۔ہماری اصل بنیادیں:

۱۔اللہ،۲۔اسکا پیارا رسول ﷺ،۳۔قرآن مجید،۴۔سنت رسول ﷺ (جو صرف قرآن اور صحیح احادیث سے ماخوذ ہو)،۵۔اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

یہ پانچ بنیادیں 'اسلام' کی ترجمانی کرتی ہیں جو حقیقی مسلمان کی پہچان ہونی چاہیے۔یہ پانچ چیزیں پہلے باقی سب کچھ بعد میں ہونا چاہیئے۔اسلام سے محبت پہلے باقی سب فرقوں سے بعد میں، ہمیں مسلمان پہلے اور بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، شیعہ بعد میں ہونا چاہیئے۔اللہ نے ہمارا نام: بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث اور شیعہ کی بجائے اپنے کلام میں مسلمان ہی رکھا ہے۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا﴾

''(پیروی کرو) اپنے باپ ابراہیم کے طریقے کی جس نے اس (قرآن کے نازل ہونے) سے پہلے تمہارا نام مسلم (مسلمان) رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔'' (سورۃ الحج، آیت:78)

لیکن فرقہ واریت کی وجہ سے ہم اسکے الٹ ہو چکے ہیں۔ہم پہلے بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث اور شیعہ ہیں بعد میں مسلمان ہیں۔فرقے اور مسالک پہلے ہیں، اسلام بعد میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت کے وہ دلائل جو ہمارے خود ساختہ نظریات، پسندیدہ مسالک و اکابرین کے خلاف ہوتے ہیں انہیں ماننا تو دور کی بات ہے، انہیں دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔بلکہ اگر کوئی پیش بھی کردے تو ہم کہتے ہیں یہ تو دوسرے فرقے کی آیت یا حدیث ہے اور اگر ماننی ہی پڑے تو اسکی غلط تاویل و تحریف کرتے ہیں۔ظالم شیطان انسان کے منہ سے یہ اتنی بڑی بات نکلوا دیتا ہے، جسکے بعد اللہ و رسول ﷺ پر ایمان اور انکے ساتھ تعلق یقیناً کٹ جاتا ہے۔اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔آمین

ذرا رُکیے!

☆((کتاب پڑھنے سے پہلے ابلیس کے ایک پر کشش فریب کی حقیقت سمجھتے جائیں!))☆

حق اور باطل اس انداز میں یکجا ہو چکا ہے کہ ایک عام سادہ لوح مسلمان کے لیے حق کو پہچاننا انتہائی دشوار ہو چکا ہے۔جس مکتب فکر کی کتابیں اٹھائیں وہی حق معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ایک کے پاس جو اس نے بیان کیا اسے حق اور جو دوسرے مکتب فکر کے لوگوں نے بیان کیا اسے غلط ثابت کرنے کے پورے دلائل موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو جس مکتب فکر میں پیدا ہوتا ہے اس کے نزدیک صرف اور صرف وہی حق ہے۔ ہر مکتب فکر کے لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انھیں اس میں پیدا کیا گیا۔مثال کے طور پر اہلِ تشیع کہے گا رب کا کروڑ ہا شکر ہے کہ میں اہلِ تشیع ہوں، بریلوی، دیوبندی یا اہلحدیث نہیں ہوں۔خدا کا شکر ہے جس نے مجھے حق مسلک میں پیدا کیا۔اسی طرح باقی لوگوں کے حالات ہیں۔اس حالت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

﴿كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾: ﴿ ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ﴾ [المومنون:۵۳]

حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں عام آدمی کے لیے حق کو پہچاننا انتہائی دشوار ہے۔عام لوگ خواہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں وہ دین کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں۔اصل خرابی دین کی بجائے اپنے فرقے کو بچانے کے لیے قرآن وسنت کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ ابلیس کے اس پر کشش فریب کہ صرف اپنے مکتب فکر کو صحیح اور باقی سب کو غلط سمجھنا ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال : فرض کریں آپ کے علاقے میں چار مکاتبِ فکر C, B, A اور D ہیں۔مکتبہ فکر 'A' کے لوگوں سے بات کریں گے تو فوراً اِن کے ذہن میں یہ دلائل آئیں گے:

(i) ہماری بنیاد تو خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں۔(ii) ہمارے مکتب فکر میں کیسے کیسے اہلِ تقویٰ، جیّد علماء اور مُفسر قرآن ہیں۔(iii) کیسے کیسے صاحب کشف بزرگانِ دین اِسی رستہ پر گامزن رہے۔(iv) لوگوں کی کثرت، مساجد اور مدارس وغیرہ۔(v) ہر فرقہ کے پاس دوسرے فرقوں کی گستاخانہ عبارات کا موجود ہونا۔

اِسی طرح مکتبہ فکر 'B' کے پاس بھی یہ ساری چیزیں موجود ہوں گی ان کے اپنے مفسر قرآن، اہلِ علم، اہلِ تقویٰ حضرات ہوں گے۔اِسی طرح 'C' اور 'D' کے۔جہاں تک معاملہ خرقِ عادت امور وغیرہ کا ہے وہ

بھی کم وبیش سب میں موجود ہیں۔ پاکستان کی دو بڑی جماعتیں تبلیغی جماعت جو ڈیڑھ سو سے زائد ممالک اور دعوتِ اسلامی جو پچاس سے زائد ممالک تک پھیل چکی ہے، ان دونوں جماعتوں میں کشف وکرامات جیسے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اِسی طرح جہادی تنظیموں میں بھی غیر معمولی واقعات موجود ہیں۔

محترم بھائیو! اگرحق کی دلیل یہی چیزیں ہیں تو پھر صرف آپ کا مکتب فکر کیوں حق پر اور باقی سب غلط کیوں؟ کیا صرف اس وجہ سے کہ آپ کی پرورش اس مکتب فکر میں ہوئی یا آپ نے خود قرآن وسنت کی بنیاد پر تحقیق کی۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے سچائی کا معیار یہ سمجھ لیا ہے کہ جس گھرانے میں مَیں پیدا ہوا ہوں اس کا جو دین مذہب ہے وہی درست ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی مرزائی کو کافر سمجھتا ہے اگر خدانخواستہ وہ خود کسی مرزائی کے گھر پیدا ہو گیا ہوتا تو پھر مرزائی مذہب کو درست سمجھتا۔ اسی طرح شیعہ، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث وغیرہ اور یہی اندھی تقلید ہے۔ یہ بنیادی وجہ ہے جو جس مکتب فکر میں پیدا ہوا اسی کو عین دین سمجھتے ہوئے، اُسی کا دفاع کرتے ہوئے باقی سب کے ساتھ نفرت رکھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں! کتنا بڑا عالم یا مفسر قرآن کیوں نہ ہو اگر وہ کسی فرقہ کے مدرسہ سے فارغ التحصیل ہے تو عموماً اسکے پیش نظر اپنے فرقہ کی بالادستی ہوگی نہ کہ دین کی اور وہ قرآن وسنت کو ہمیشہ اپنے فرقہ کے تناظر میں دیکھے گا۔ مثال کے طور پر اہلِ تشیع جن کے علماء اہلسنت کے علماء کی نسبت قریباً دوگنا وقت تحصیل علم میں صرف کرتے ہیں، اگر مدارس میں حصول تعلیم کو معیار بنایا جائے تو پھر حق مذہب تو اہلِ تشیع ہونا چاہیے۔

زندگی میں ایک دفعہ حق کا واضح ہونا!

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو موت سے پہلے ایک موقع ضرور دیتا ہے جس میں اس پر حق واضح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ﴾ (سورہ توبہ: 115)

"اور نہیں ہے اللہ ایسا کہ گمراہ کرے لوگوں کو بعد اسکے کہ ہدایت دے چکا ہو انھیں، یہاں تک کہ واضح نہ کر دے اان پر وہ چیزیں جن سے انھیں بچنا چاہیئے"

اس نادر موقع کی قدر کرتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بات کو ترجیح دینے یا اپنے پیدائشی پسندیدہ نظریات کو تحفظ دینے کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ جس نے جانتے بوجھتے تعلیمات الٰہی سے چشم پوشی کی اس نے اپنے ساتھ بہت زیادتی کی کیونکہ ہو سکتا ہے اسکے بعد قانون الٰہی اس پر نافذ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر ہدایت بند کر دے۔

اہم ترین بات

سب سے اہم بات جو میں اپنے مسلمان بھائیوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن وسنت سے بات واضح ہو جانے کے بعد اسے تسلیم نہ کرنا یا غلط تاویل کرنا اپنا مکتب فکر یا اکابرین کو بچانے کے لیے اتنا بڑا گناہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تکبر کا بڑا درجہ ہے۔ یہ ایسا تکبر ہے جس کے ارتکاب کی انسان کو خبر بھی نہیں ہو پاتی لیکن وہ اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ ایسا کرنے والا دو ظلم کرتا ہے۔ ایک اپنی جان پر اور دوسرا اُن لوگوں پر جن کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن وسنت کی واضح تعلیمات سے پہلو تہی کرتا ہے۔ بروز قیامت جب وہ اکابرین رب کی بارگاہ میں سوال کیے جائیں گے تو وہ لوگ اُن لوگوں کے دشمن ومخالف ہو جائیں گے اور برأت کا اظہار کریں گے۔ اِس ظلم میں ملوث ہوتے ہی اللہ انسان کی ہدایت سلب فرما لیتے ہیں اور دِل کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہمیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔ ہم نے خود کئی لوگوں کو اِس حالت میں دیکھا اللہ ہمارے بھائیوں پر رحم فرمائے اور انھیں معاف فرمائے ہو سکتا ہے ناسمجھی کی بنا پر ان سے ایسا ہوا ہو۔ ہاں اگر بات سمجھنے میں غلطی ہو گئی یا دشواری پیش آئی تو انشاء اللہ عز وجل، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ بطور عبرت اللہ ورسول اللہ ﷺ کی بات ملاحظہ فرمائیں:

’’سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔‘‘ ایک آدمی نے عرض کیا، آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بے شک اللہ صاحب جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے، <u>**الکبر بطر الحق و غمط الناس ،**</u> <u>تکبر سے مراد، حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔</u>‘‘

(صحیح مُسلم ’’کتابُ الایمان‘‘ حدیث نمبر 265)

یہ بات واضح ہو گئی کہ اصل تکبر حق بات یعنی اللہ ورسول اللہ ﷺ کی بات کو ٹھکرانا یا تسلیم نہ کرنا یا اس کے مقابلے میں کسی اور کی بات کو لے آنا ہے۔ جو لوگ اللہ کی کتاب کے ساتھ ایسا معاملہ کریں یعنی واضح اور روشن دلائل کو تسلیم نہ کریں اُنہیں اللہ خود گمراہ کر دیتا ہے۔

بزرگان دین سے استفادہ

اللہ کے وہ برگزیدہ بندے جنہوں نے دین کے لیے کام کیا ان سے ہمیں عقیدت ومحبت ہے۔ان کی وہ باتیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہیں ان سے رہنمائی لی جائے اور جو مطابقت نہیں رکھتیں ان سے اجتناب کیا جائے لیکن ایسی باتوں کی بناپر اولیاء اللہ سے عداوت نہ رکھی جائے۔اللہ نے صرف اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا۔اس کے برعکس آسمانی کتابیں تورات،انجیل تک محفوظ نہیں تو باقی کتابیں بھی تبدیل ہوسکتی ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے ہدایت کی ضمانت صرف قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے پر دی ہے۔

نوٹ: اس تحریر میں بزرگان دین کی صرف وہ آراء پیش کی گئیں ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔اس کے علاوہ کئی ایسی چیزیں بھی لوگوں نے بزرگانِ دین کے ساتھ منسوب کر رکھی ہیں جو شریعت سے عدم مطابقت رکھتی ہیں۔بات کو سمجھنے کے لیے چند واقعات پیش کردیتے ہیں۔پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب تین مشہور واقعات جو اکثر خطباء حضرات بیان کرتے ہیں غور وفکر کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔آپ اللہ کے بہت برگزیدہ بندے تھے لیکن بہت سی غلط چیزیں لوگوں نے آپ کی طرف منسوب کردی ہیں اور لوگ ان چیزوں پر قرآن وحدیث سے بڑھ کر ایمان رکھتے ہیں۔حقیقت حال ملاحظہ فرمائیں:

نمبر ۱: عید کا چاند نظر آنے پر لوگوں کی کیفیت پر آپؒ نے اپنے ردعمل کا اظہار یوں فرمایا:

> ''لوگ کہہ رہے ہیں کل عید ہے عید ہے اور سب خوش ہیں لیکن میں (اُس دِن خوش ہوں گا) جس دِن اِس دُنیا سے اپنا ایمان محفوظ لے کر گیا (یعنی جب خاتمہ بالخیر ہوگا)۔میرے لیے تو وہی دِن عید کا دِن ہوگا'' (فیضانِ سنت،عید الفطر کا بیان)

☆ یہ واقعہ شریعت کے مطابق ہے۔

نمبر ۲: ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا:

”مجھے ایک کاغذ دیا گیا جو اتنا بڑا تھا کہ جہاں تک نگاہ پہنچے اُس میں میرے اصحاب اور مریدین کے نام تھے جو قیامت تک ہونے والے تھے اور مجھ سے کہا گیا کہ سب کو تمہارے صدقے بخش دیا گیا“ (المرجع السابق، ص 193)

یہ دونوں واقعات ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ واقعہ نمبر۱ میں فرما رہے ہیں کہ اگر میں دنیا سے ایمان لے گیا تو میرے لئے عید کا دن ہوگا یعنی اپنے ایمان کی فکر ہے جبکہ نمبر۲ میں اپنے سب مریدوں کو بخشش کا پروانہ دے رہے ہیں۔ نمبر۲ میں بیان کی گئی بات تو کسی نبی نے بھی نہیں کہی۔ بروزِ قیامت سوائے نبی کائنات ﷺ کے تمام انبیاء پریشانی کی حالت میں ہوں گے اور انھیں اپنی فکر لاحق ہوگی۔ جید صحابہ کرامؓ جو عشرہ مبشرہ میں شامل تھے اُن پر بھی خاتمہ بالخیر اور قبر کی زندگی کا خوف غالب رہتا تھا۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے دُنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ مثال کے طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (جنھیں آنحضور ﷺ نے منافقین کے نام بتلائے تھے) اُن سے پوچھا کرتے تھے کہ کہیں میرا نام تو اِن میں شامل نہیں۔ مثال نمبر۲ میں بیان کیا گیا واقعہ آپؒ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ ایک حقیقی مومن ایسی بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر شیطان لوگوں کو فکر آخرت اور اللہ کی بندگی سے غافل کرتا ہے تاکہ انسان ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائے۔

نمبر۳: بہجۃ الاسرار میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق آپؒ کے ایک مرید نے لوٹا غیر قبلہ رُخ رکھا جس کی بنا پر آپؒ نے جلال بھری نگاہ سے خادم کو ہلاک کر دیا۔

جس نے بھی یہ بات گھڑی ہے، بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اسی قسم کی بہت ساری غلط چیزیں بزرگانِ دین کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔ معاذ اللہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ مخلوق خدا سے محبت اور پیار کرنے والے اور وہ خُدا کی طرف رہنمائی کرنے والے تھے۔ حقیقت حال سمجھنے کے لیے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں دس سال گزارے وہ بیان کرتے ہیں: ”میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی، لیکن آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف

تک نہ کہا اور نہ ہی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور وہ کام کیوں نہیں کیا۔

[صحیح بُخاری ''کتابُ الادب'' حدیث نمبر 6038]

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے، ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔

[صحیح مُسلم ''کتابُ البر والصلۃ'' حدیث نمبر 6541]

مزید تسلی کے لیے ایک آیت کریمہ بھی ملاحظہ کرلیں تاکہ حقیقت واضح ہوجائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی شخص کی جان بچائے گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔'' (المائدہ۔آیت:32)

محترم ساتھیو! بزرگان دین کی طرف منسوب اس قسم کے سینکڑوں من گھڑت واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں جن سے لوگوں کا ایمان ضائع ہو رہا ہے۔ بچت کی واحد صورت قرآن وسنت ہے بغیر قرآن وسنت پر پیش کیے کسی چیز کو قبول نہ کریں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

باب ۱

شرک کی سنگینی

اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ گناہ جس پر فوت ہونے والے کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا وہ ''شرک'' ہے۔اس کے برعکس ہر گناہ کے بروز قیامت معاف ہونے کی گنجائش موجود ہے اگر ان میں شرک نہ ہوا۔یہی وجہ ہے کہ ابلیس جو اللہ ورسول ﷺ کا دشمن ہے اس کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح لوگوں کو شرک میں مبتلا کرے تا کہ لوگ دوزخ میں اس کے ساتھی بن جائیں۔ اس ظلم میں ملوث کرنے کے لیے شیطان کے پاس ہزاروں چالیں ہیں جن سے وہ انسانوں کو شکار کرتا ہے۔چونکہ اللہ کے لیے نا قابل برداشت عمل شرک ہے اِسی لیے امام الانبیا ﷺ سمیت تمام انبیاء اکرام علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد شرک کی بیخ کنی پر رہی۔

شرک سے اجتناب ابلیس کو کسی صورت گوارہ نہیں اس سے بچنے کی تلقین پر اسے بہت تکلیف ہوتی ہے جیسے اُسے قتل کیا جا رہا ہو۔اس لیے وہ لوگوں کو ہمیشہ اس سے غافل ہی رکھتا ہے اور لوگ اس بارے میں بات سُننا بھی گوارہ نہیں کرتے۔چونکہ شرک سے بچنے کا تعلق مخلوقات سے تعلقات حدود و قیود کے ساتھ استوار کرنے میں ہے۔ایسا کرنے پر شیطان یہ وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ مقربین حق کی شان میں کمی کی جا رہی ہے۔لہٰذ شرک کی تفصیلات میں جانے سے قبل انبیاء کرام (علیہم السلام) کے ساتھ ہمارے تعلقات اور ان کی تعظیم وتوقیر کے حوالے سے ضروری معلومات ہماری تحریر ''رسالت کا حقیقی تصور'' سے ملاحظہ فرمالیں۔

شرک کی سنگینی

لا الہٰ (شرک کی نفی) اور الا اللہ (توحید) کا اثبات زبان سے ادا کرنے کے لحاظ سے تو بہت آسان ہے لیکن اسے حقیقی طور پر سمجھنا اور اسے عمل میں لے کر آنا بہت تفصیل طلب اور مشکل امر ہے۔ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہی وہ عظیم دولت ہے جسے حاصل کرنے کے بعد انسان قابل رشک بن جاتا ہے۔ طلب رکھنے والوں کے لیے اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے تا کہ اسکا صحیح ادراک ہو سکے۔ شرک کی سنگینی سمجھنے کے لیے چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

<u>(۱)۔ شرک نا قابل معافی جرم:</u> بغیر توبہ اگر فوت ہوا کوئی شرک کے ارتکاب پر تو اس کی بخشش محال ہے یعنی ممکن نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا﴾ (سورۃ النساء: آیت۔ 48)

''یقیناً اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمائے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اُس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا''۔

<u>(۲)۔ عبرتناک انجام:</u> اس جرم کے ارتکاب پر انسان کی ہلاکت کو یوں بیان فرمایا گیا:

﴿وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ﴾ (سورۃ الحج: آیت 31)

''اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ شرک کرنے والا ایسا ہے گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اُچک کر لے گئے یا ہوا نے اسے دور دراز پھینک دیا۔''

یعنی شرک کے ارتکاب پر اُس نے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا اور اسے سمجھ بھی نہ رہی کہ اُس کے ساتھ کیا ہو گیا۔

<u>(۳)۔ شرک ظلم عظیم:</u> ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (سورہ لقمان: آیت۔ 13)

''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

(۴)۔ دعائے مغفرت سے روک دیا گیا: حضور اقدس ﷺ اور ایمان والوں کو شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے مغفرت کی دُعا کرنے سے بھی روک دیا گیا چنانچہ:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوٓا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ ﴾ (سورہ توبہ:13)

''پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں''۔

اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔(آمین)

(۵)۔ اگر (بالفرض) انبیاء کرام علیہم السلام بھی شرک؟ اللہ نے سورۃ انعام کی آیت 88 میں اٹھارہ انبیاء کرام علیھم السلام کے اسمائے گرامی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

''اگر بالفرض محال یہ (میرے محبوب پیغمبر بھی) شرک کرتے تو میں ان کے اعمال بھی برباد کر دیتا۔''

یہ ہمیں سمجھانے کے لیے ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام تو مبعوث ہی بالخصوص شرک کے خاتمے کے لیے کیے گئے۔

(٦)۔ امام الانبیاء علیہ السلام کے ذریعے! اللہ رب العزت نے انسانیت کو شرک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو خطاب فرما کر اپنے قانون اور قاعدے کو واضح فرما دیا ہے۔ یہ ہمیں سمجھانے کے لیے ہے ورنہ آپ ﷺ تو مبعوث ہی بالخصوص شرک کے خاتمے کے لیے کیے گئے۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (سورۃ الزمر: آیت۔65)

''بے شک آپ اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر (بالفرض) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے

والوں میں سے ہو جائیں گے''۔

(۷)۔ مشرک شفاعت سے محروم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر پیغمبر کی ایک دُعا لازماً قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی مستجاب دعا مانگنے میں جلدی کی اور اُنھوں نے اپنی دُعا دنیا میں ہی مانگ لی ،مگر میں نے وہ دعا اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں محفوظ کر لی ہے۔ میری وہ دُعا اُمت کے ہر اس شخص کو نصیب ہوگی: ((من مات من امتی لا یشرک باالله شیئا)) ''جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنایا''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الدعوٰت'' حدیث نمبر 6304،صحیح مُسلم ''کتابُ الایمان'' حدیث نمبر 491)

امام الانبیاء ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جانے والے کی شفاعت کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے اپنا فیصلہ سُنا دیا ہے۔ اس لیے شیطان کی چالوں میں نہ آئیں۔ شرک کی سنگینی کو سمجھیں اور اس آلودگی سے بچنے کی فکر کریں۔

(۸)۔ آگ کا ایندھن: نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی:

((**من مات وهو يدعو من دون الله ندا دخل النار**)) (بخاری، رقم:449)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو مد مقابل پکارتا تھا (مصائب و آلام میں بلا اسباب پکارنا جو کہ عبادت ہے) تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

(۹)۔ حضرت معاذؓ کو تاکید: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کو دس باتوں کی تاکید فرمائی جن میں سے پہلی یہ تھی:

''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، خواہ تمھیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔''

(مسند احمد:2157)

یعنی قتل ہونا اور آگ میں جلنا منظور کر لینا لیکن شرک کرنا برداشت نہ کرنا۔

نوٹ : مندرجہ بالا آیات اور احادیث کو پڑھ لینے کے بعد 3 - اہم ترین نتائج نکلتے ہیں جن کو موت سے پہلے پہلے جاننا کسی بھی اِنسان کی زندگی میں سب سے ﴿اہم ترین معلومات﴾ ہیں:

1۔ شرک ہی وہ سنگین، خطرناک، بھیانک اور ناقابل معافی جرم ہے جو اِنسان کو ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم کروا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ کا ایندھن بنا دے گا۔

2 ۔ شرک کرنے والے کا بروز قیامت کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا حتیٰ کہ اِمامُ الانبیاء سیّدنا مُحمّد رسولُ اللہ ﷺ بھی اُسکے کام نہ آئیں گے۔

مشرک کی مثال

خالق کائنات نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا وَ اِنَّ اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سورۃ العنکبوت، آیت: 41)

”جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ حمایتی پکڑے ہیں ان کی مثال تو مکڑے کی سی ہے جو گھر بنالیتا ہے اور کمزورترین گھر مکڑے کا ہوتا ہے، کاش کہ یہ جان لیں“

جس طرح مکڑا اپنے کمزور ترین گھر میں بیٹھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایک مضبوط ترین قلعے میں رہ رہا ہے اسی طرح شرک کرنے والا بھی اپنے خیال میں اپنے من گھڑت معبودوں کو اپنا فریادرس، حاجت روا خیال کرتا ہے۔ خدا نے اسے مکڑے کے گھر سے تشبیہہ دے کر سمجھا دیا ہے کہ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں محض اسکا اپنا گمان ہے۔ اسی نقطے کو سمجھانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے قیدیوں سے کہا:

﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَ اَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ 0 مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سورہ یوسف، آیت۔40-39)

”اے میرے قیدی ساتھیو! کیا کئی رب بہتر ہیں یا ایک اکیلا اور زبردست رب (اللہ) اس کے سوا تم جن جن کی پوجا کررہے ہو وہ تو (محض) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، حکم تو صرف اللہ

ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“

شرک کیوں ظلم عظیم ہے؟

ظلم کا ضد عدل ہے، ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اسکے اصل مقام سے ہٹا دینا یا کسی کی حق تلفی کرنا۔ انسان پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اللہ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی کو ساجھی قرار نہ دے۔ جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی سب سے بڑی حق تلفی کرے گا۔ شرک کی غلاظت کو واضح کرنے کے لیے اسے جگہ جگہ رجس (ناپاکی) کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور بعض جگہ مشرکوں کو نجس بھی کہا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ناپاکی سے حرم کو پاک کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسی قوموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا عندیہ دیا ہے۔

﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ (سورۃ الاعراف۔ آیت: 71)

”فرمایا تم پر تمھارے رب کی طرف سے ناپاکی اور قہر مسلط ہو چکے ہیں۔ کیا تم مجھ سے کچھ فرضی ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں“

اس آیت کریمہ میں قوم عاد کے معبودوں کے ناموں کا ذکر ہے جو انہوں نے انکی طرف منسوب کر کے بلا دلیل انہیں مافوق صفات کا مظہر ٹھرا کر اللہ کی صفات میں شریک کیا۔

قدیم صحائف اور تورات میں مشرک کو چھنال (بدکار عورت) سے تشبیہ دی گئی ہے اور قرآن مجید میں شرک اور بدکاری کو ایک جیسی غیر اخلاقی جنس سے تعبیر کیا گیا

:﴿اَلزَّانِیُ لاَ یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لاَ یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورۃ النور، آیت۔3)

: ”بدکار مرد نکاح نہ کرنے پائے مگر کسی بدکار عورت یا مشرکہ سے اور کسی بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر کوئی بدکار یا مشرک مرد اور اہل ایمان پر یہ چیز حرام کردی گئی ہے“

ان حقائق پر غور کیا جائے تو مشرک اور بدکار عورت کے مابین پائی جانے والی نہایت گہری اخلاقی مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ بدکار عورت نکاح میں آنے کے بعد نان ونفقہ اور دیگر تمام حقوق اپنے خاوند سے حاصل کرتی ہے اسکے باوجود دوسروں کی خواہشمند ہوتی ہے۔اسی طرح مشرک ربوبیت کا عہد خدا سے باندھتا ہے۔اسی کا پیدا کردہ رزق، ہوا اور پانی استعمال کرتا ہے لیکن خدا کی بندگی اور حقوق میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے۔اسی لیے قرآن مجید نے مشرک کو خائن (خیانت کرنے والا) بھی کہا ہے۔

ایک غیرت مند مرد سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن بیوی کی بے وفائی برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ انسان سے دیوث بن جاتا ہے۔تو اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں اسکی غیرت اتنا بڑا ظلم کیسے برداشت کرسکتی ہے۔اسی لیے اس نے شرک کو کائنات کا سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے اور مشرک پر بروز قیامت جنت حرام کردی ہے اور اسکا ابدی ٹھکانہ آگ بنایا ہے۔

یہ مختصرسی وضاحت آپکی خیرخواہی کے لیے پیش کی گئی ہے تاکہ آپ اگر چاہیں تو معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پہلی فرصت میں اس بڑے خسارے سے نجات حاصل کرنے کا پختہ عہد کریں۔

دوزخ کے دردناک عذاب کی کیفیت

خدانخواسطہ اگر ہم شرک کی آلودگیوں سے بچنے میں ناکام ہو گئے تو خطرناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا، ایسی خوفناک جگہ جہاں آگ کا لباس پہنایا جائے گا، جب ایک کھال گل جائے گی تو دوسری کھال سے بدل دی جائے گی۔ آگ کے اندر ہمیشہ سے رہنا ہوگا، نہ موت آئے گی کہ مرجائیں اور نہ ہی مہلت دی جائے گی۔ کفر وشرک پر مرنے والا انسان اپنی نجات کے بدلے میں زمین بھر سونا بھی دینا چاہے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور انسان اپنی جان بچانے کے لئے یوں خواہش کرے گا:

﴿وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝﴾

(سورۃ المعارج: 17-10)

''اور (جس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تا کہ یہ اسے نجات دلا دے، (لیکن) ہرگز ایسا نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے جو نوچ لے گی گوشت پوشت کو۔ وہ بلائے گی ہر اس شخص کو جو پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا ہے۔''

سوچنے کی بات! کیا آج کوئی ماں اپنے بیٹے کو آگ میں جلتا دیکھ سکتی ہے؟ لیکن بروز قیامت اسے صرف اپنی فکر ہوگی اور اپنی جان بچانے کی خاطر وہ یہ بھی گوارہ کرلے گی۔ آج ہم جن مذہبی اکابرین کی خاطر قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کو پس پشت ڈال کر غلط عقائد پر زندگی بسر کرتے ہیں کیا وہ وہاں ہمارے کام آئیں گے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اگر آپ اپنے ساتھ مخلص ہیں تو شرک کو ہر پہلو سے سمجھیں، قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہوئے اس ظلم سے بچنے کی فکر کریں۔

قارئین گرامی: اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس پر ہزار

بارسوچیں! کیا علماء کا فرض نہیں تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بھولے بھالے اُمتیوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے۔ یقیناً دنیا میں سب سے بڑی صلہ رحمی یہی ہے کہ لوگوں کو شرک سے بچایا جائے۔ جب ہم دنیا میں اپنے عزیزوں کو آگ میں جلتا نہیں دیکھ سکتے تو پھر آخرت کے حوالے سے غفلت کیوں؟ اگر بات سمجھ آگئی ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر اپنا بھلا چاہتے ہیں سب سے پہلے شرک کو سمجھیں کہ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ اللہ جل جلالہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

شرک کی حقیقت و اقسام

اب اصل سوال یہ ہے کہ آخر شرک ہے کیا؟ کون سے اعمال و عقائد شرک میں داخل ہیں کون سے نہیں؟۔ چونکہ شرک سے بچنے کا تعلق اس کی حقیقت و اقسام سے آگاہی پر موقوف ہے اس لیے یہاں ابلیس پھر پوری قوت سے متحرک ہوگا اور اس کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ انسان شرک کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس کی وسوسہ اندازی دو طرح سے ہوگی اوّلاً مختلف تاویلات سے شرک کو جائز قرار دلوایا جائے کہ لوگ شرکیہ افعال و عقائد کو شرک سے بری الذمہ قرار دے دیں اور ثانیاً شرک کی اقسام کے حوالے سے لوگوں میں شبہات پیدا کیے جائیں کہ شرک تو ایک سے زائد خدا تسلیم کرنے کو کہتے ہیں۔ باقی اقسام کہاں سے آگئیں......؟ وغیرہ وغیرہ۔

پیارے بھائیو! ان وساوس کا حل بھی قرآن وسنت ہی ہے۔ شرکیہ افعال و عقائد پر قرآن وسنت میں واضح وعیدیں موجود ہیں۔ اگر اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کے کرنے کو شرک قرار دے تو وہ شرک ہی ہوگا نام چاہے اس کا آپ کچھ بھی رکھ لیں۔ اقسامِ شرک میں ناموں کی اہمیت نہیں بلکہ اہمیت ان امراض کی ہے جنہیں اللہ و رسول ﷺ شرک قرار دے دیں یا جن سے منع فرما دیں۔ افراط و تفریط سے بچنا چاہیے نہ تو ہر شئے کو بلا تحقیق شرک قرار دینا چاہیے اور نہ ہی من مانی کرتے

ہوئے ہر چیز کو جائز قرار دینا چاہیے۔ بہت محتاط رویہ اپنانا چاہیےاور شرک کی سنگینی کی بنا پر شک والی چیزوں کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔

شرک ہے کیا....؟

'شرک' لغت میں آمیزش کرنا یا دو آدمیوں کا ایک چیز میں حصے دار ہونا اور اصطلاح شریعت میں اللہ کی 'ذات'، 'صفات' یا 'حقوق' میں مخلوق میں سے کسی کو شریک، ساجھی اور حصّے دار سمجھنا۔ یہ شراکت مختلف پہلوؤں سے 'شرک' تصور ہوگی، مثال کے طور پر:

۱۔ یہ سمجھنا کہ کسی چیز کا کلی اختیار فلاں کے حصے میں آگیا ہے، اب اسے اللہ کی حاجت نہیں رہی، وہ اللہ سے بے نیاز ہو کر جیسے چاہے آزادانہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

۲۔ اللہ کی صفات کے بعینہ کسی صفت کو اللہ کے سوا کسی میں ماننا۔

۳۔ اگر اللہ نے کسی کو اختیار و تصرف نہیں دیا، اسے عطائی طور پر کسی میں ماننا اللہ پر جھوٹ ہو گا۔لہٰذا اس ضمن میں دلیل (قرآن وسنت) کی پیروی کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اسی بات کو اگر مزید کھول کر بیان کیا جائے تو:

<u>صفات کے حوالے سے:</u>

''خالق، الٰہ، رب، قادرِ مطلق، مدبر کائنات، عالم الغیب (ہر غیب کو جاننے والا) یعنی کائنات کی ہر شے کا ہر وقت اسکے علم میں ہونا، 'علیم البذات الصدور' دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہونا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

بعض صفات میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے مشترک الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں مخلوق کے لئے 'کیفیت اور حدود و قیود' کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کسی بھی لحاظ (ذاتی / عطائی وغیرہ کے فرق) سے مخلوق

کے لئے استعمال نہیں ہوسکتے جیسے: خالق، الٰہ، عالم الغیب وغیرہ۔''

قدرت واختیار کے حوالے سے: ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب امور کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے:

''ماتحت الاسباب وہ امور ہیں جو قوانین طبیعہ یا قوانین فطرت کے تحت ہیں انہیں انسان کیلئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ انسان ان میں جیسے چاہے اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے، ایجادات کے ذریعے ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن تحت الاسباب کا یہ پورا نظام بھی اللہ کے علم اور قبضہ و کنٹرول کے ساتھ ہی چل رہا ہے، ساری کائنات اللہ کے اذن وامر سے ہی چل رہی ہے، ایک لمحہ بھر کیلئے اسکی توجہ ہٹ جائے تو کائنات کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے۔ فرشتے اسکی منشاء کے بغیر بارش کا ایک قطرہ نہیں گرا سکتے، کوئی پتا اسکی اجازت کے بغیر ہل نہیں سکتا، کسی بھی ذی روح کو اسکی مرضی کے بغیر ایک سانس نہیں آسکتا۔''

اسکے برعکس

''مافوق الاسباب امور وہ ہیں جو عقل کو عاجز کر دیں، قانون فطرت کو توڑ دیں، یہ معجزہ یا کرامت اور استدراج کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں تصرف وظہور کیلئے اللہ کے نئے اذن یا کلمہ کن کی ضرورت ہوتی ہے انہیں اللہ اپنی مشیت کے تحت ظاہر فرماتا ہے، ان میں انسان اپنی مرضی سے آزادانہ تصرف نہیں کرسکتا۔ چنانچہ یہ سمجھنا کہ فلاں چیز (بالخصوص مافوق الاسباب امور) کے سیاہ وسفید کا کلی اختیار اللہ نے کسی اور مخلوق: فرشتے، انسان یا جن کے حوالے کر دیا ہے اور وہ اللہ سے بے نیاز ہو کر جیسے چاہے تصرف کرے، اس قسم کی متوازی شراکت یا حصے داری کا عقیدہ 'شرک' ہوگا۔ سابقہ اقوام وملل کو شیطان نے اسی غلط فہمی میں مبتلا کیا تھا جسکی نشاندہی قرآن مجید میں کثرت سے کی گئی ہے۔''

ماتحت اور مافوق امور کی حقیقت سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور، باب ۱۱)

یہ ظلم یعنی شرک دو میں سے کوئی ایک شکل اختیار کرتا ہے۔

(i) اللہ کو اُس کے اصل مقام سے نیچا کر کے کسی اعتبار سے مخلوق کی صف میں کھڑا کرنا۔

(ii) محبت کے غلو میں مخلوقات میں سے کسی کو کسی اعتبار یا پہلو سے اللہ کے برابر کر دینا۔

شرک کی مختلف شکلیں

قرآن وسنت سے سلف صالحین نے اقسام بیان کیں جیسے امام راغب رحمہ اللہ متوفیٰ 502 ہجری کے مطابق چند شکلیں بیان کی جاتی ہیں لیکن اصل دلیل قرآن وسنت سے وعید ہوگی۔

<u>شرک عظیم / شرک اکبر:</u> ذات وصفات اور حقوق میں کسی کو شامل کرنا۔اس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

<u>شرک اصغر:</u> اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہوئے کسی اور کی خوشنودی بھی مدنظر رکھنا، جیسے ریاکاری، نفاق، غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے اور ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

<u>شرک اکبر کی اقسام:</u>

(1) شرک فی الذات (2) شرک فی الصفات (3) شرک فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اگلے ابواب میں ان اقسام کی تفصیلات بیان کی جائیں گی۔

۞۞۞۞۞

باب۲

اُمت مسلمہ سے شرک ختم ہو چکا...؟

شرک کی شدید سنگینی کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ زندگی کے عارضی ایام گزارتے ہوئے، بڑا پھونک پھونک کر قدم رکھا جاتا۔جن چیزوں میں شرک کی آلودگی کا شائبہ بھی ہوتا ان سے خود بھی اجتناب کیا جاتا اور لوگوں کو بھی کروایا جاتا۔لیکن اس کے برعکس برصغیر پاک و ہند میں اکثریت ظالم شیطان کے فریب کا شکار ہو چکی ہے۔ظالم شیطان نے اس دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے کہ شرک سے بچنے کے حوالے بالکل فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ:

''امت مسلمہ سے قیامت تک شرک ختم ہو چکا ہے.......،ایک کلمہ گو مسلمان شرک کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتا.......وغیرہ وغیرہ۔''

اگر یہ کہا جائے کہ کلمہ گو کو کلمے کے اقرار کے بعد اب شرک نہیں کرنا چاہئے تو بات سمجھ بھی آتی ہے لیکن یہ کہنا کہ کلمے کا ٹیگ لگ جانے کے بعد اب شرک کرنا ممکن ہی نہیں رہا...... محض شیطانی فریب کے سوا کچھ نہیں۔

ظاہر ہے اس فریب کا شکار ہو جانے کے بعد:

- نہ شرک کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی ضرورت رہی اور نہ ہی اس سے بچنے کی ضرورت رہی۔
- توحید جو مومن کا اصل سرمایہ،خزانہ اور قوت وطاقت، دولت اور لذت تھی، اس سے بھی محرومی ہو گئی۔

یوں مکار ابلیس کا کام بہت آسان ہو گیا۔ظاہر ہے اس غفلت کی گہری نیند میں سونے والے تو خوش

فہمی میں ہوں گے لیکن مکار ابلیس انہیں فوراً شرک کی دلدل میں دھکیل دے گا۔اب ان کا شرک سے بچنا ممکن نہیں۔ جب مرض کی فکر اور تشخیص ہی نہ ہوگی تو اس سے کیسے بچا جائے گا۔؟

لیکن!

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔انشاء اللہ امت مسلمہ کے سلیم الفطرت لوگوں کے لئے حقیقت دلائل سے واضح کی جائے گی تاکہ ظالم ابلیس کے داؤ میں آنے سے بچ سکیں۔

محترم مسلمانو!

یہ معاملہ: تو اپنی قبر و آخرت کی فکر کا ہے، خود فریبی سے بچنے کا ہے، سنجیدہ طرز عمل اپنانے کا ہے۔جس کو بھی واقعتاً اپنی قبر و آخرت کی فکر ہے، وہ تفہیم شرک اور اس سے بچنے کے حوالے سے کبھی بھی آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ جو شرک سے بچنے کے حوالے سے آنکھیں بند کروا رہے ہیں، آخر بروز قیامت ان کے ہاتھ کیا آئے گا.........؟، کیا ہی اچھا ہوتا اگر ان کی تگ و دو شراکت کے ظلم عظیم سے بچانے کے لئے ہوتی اور وہ لوگوں کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ترغیب دلاتے۔

سوچنے کی بات! چلیں بالفرض شرک تو ختم ہوگیا ہے اب نہ شرک کو سمجھنے اور نہ بچنے کی ضرورت رہی تو کیا توحید کو سمجھنے اور اپنانے کی بھی ضرورت نہیں رہی.......؟ کہ ہم نے فہم توحید کا باب بھی لپیٹ کر سائیڈ پر رکھ دیا ہے۔یوں ہم کائنات کی سب سے عظیم دولت سے محروم ہو گئے ہیں۔!

ہمارا مقصد لوگوں کو مشرک قرار دینا نہیں بلکہ شیطانی فریب سے نجات دلا کر ابدی ہلاکت سے بچانا مقصود ہے۔اب ہم بفضل الٰہی امت مسلمہ کے شرک میں ملوث ہونے کے خطرہ کو دلائل سے واضح کرتے ہیں تاکہ بچنے کی صورت پیدا ہو سکے۔

شرک میں ملوث ہونے کا خطرہ

دلائل سے قبل یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ شرک کا مطلب شراکت ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان لانے کے

ساتھ ہوتی ہے۔یعنی اللہ کو مانا بھی جاتا ہے اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے۔یعنی کلمے کے پہلے حصے کا زبان سے اقرار تو کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔تاہم مذکورہ ابلیسی دھوکے کی حقیقت سے آگاہی کیلئے کائنات کی ابتدا پر ذرا غور فرمائیں۔ انسان کی تخلیق کے وقت، خالق کائنات نے، قیامت تک کے لئے انسان کے متعلق بڑی اہم خبر دی:

﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ وَ یَتُوۡبَ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴾ (سورۃ الاحزاب:72-73)

"بے شک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر، تو کسی نے قبول نہ کیا اس کو کہ اٹھائیں اسے اور ڈر گئے اس سے، مگر اٹھا لیا اسے انسان نے، یقیناً یہ انسان ظالم اور جاہل ٹھرا۔(یہ بارِ امانت اسلئے ڈالا گیا) تا کہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، اور نوازے اپنی رحمت سے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو، اور ہے اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان۔"

(ا)۔یعنی امانت کا بوجھ اسلئے اٹھوایا گیا تا کہ: منافق مردوں، منافق عورتوں، اور مشرک مردوں، مشرک عورتوں کو سزا دی جا سکے، گویا تخلیق کا مقصد ہی نسل انسانی میں سے کھوٹوں اور کھروں کی پہچان یعنی یہ دیکھنا کہ دنیا میں کون 'نفاق اور شرک' میں ملوث ہوتے ہیں اور کون اس غلاظت سے بچتے ہیں۔تا کہ منافقت اور شرک میں ملوث ہونے والوں کو سزا دی جائے اور حقیقی مومنین (جو منافقت اور شرک سے پاک ہوں) انہیں جزا دی جائے۔یعنی تخلیق کا مقصد نسل انسانی کی ابتدا سے انتہا (قیامت تک) منافقین، مشرکین اور حقیقی مومنین کی

چھانٹی کرنا ہے۔

(۲)۔نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک امت مسلمہ سے شرک کے ختم ہوجانے کا مطلب ہے کہ بارِامانت کے ذریعے شرک اور نفاق کے حوالے سے نسل انسانی کی آزمائش صرف سابقہ امتوں کیلئے تھی نہ کہ امت محمدیہ ﷺ کیلئے۔

(۳)۔اگر امت مسلمہ سے شرک نے ختم ہوجانا تھا تو یہ انتہائی اہم خوشخبری قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ صراحت سے ضرور بیان ہوجانی چاہئے تھی۔چلیں یہ خوشخبری نہ بھی بیان ہوتی،کم ازکم شرک کے بیان کی ضرورت تو نہ رہتی۔قرآن کا زیادہ تر حصہ شرک کی مذمت،قباحت وتردید پر مشتمل ہے، بلکہ شاید ہی کوئی صفحہ اس بیان سے خالی ہو۔جب امت میں اس بیماری نے آنا ہی نہ تھا تو آخر اسکی کیا ضرورت تھی؟۔اسکی جگہ وہ احکام نازل ہوجاتے جن کی زیادہ ضرورت تھی....؟ ساتھیو! شیطان ہمیں نجات یافتہ نہیں دیکھ سکتا،شرک ختم ہوجانے کا پروپیگنڈہ محض شیطانی دھوکا ہے،جس نے امت کو لپیٹ میں لیا ہے،اسلئے اس فریب سے بچتے ہوئے،آنکھیں کھول کر زندگی بسر کریں۔

(۴)۔شیطان کی کامیابی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جہنم کا ایندھن بنانے میں ہے۔اس حوالے سے شیطان کی سب سے بڑی کاوش لوگوں کو شرک میں ملوث کرنا ہے،جس پر وہ لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہوتا۔شرک تو شاید اسی وقت ختم ہو جب شیطان ختم ہوجائے۔جب تک شیطان باقی ہے،شرک میں ملوث کرنے کی بھرپور کوشش تو وہ کرتا رہے گا۔

اس مختصر سی تمہیدی گفتگو کے بعد اب ہم نقلی دلائل کی روشنی میں مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

بہت ساری آیات اور احادیث اس پر گواہ ہیں کہ کلمہ گو بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔اختصار کی خاطر صرف دو آیات پیش خدمت ہیں،ارشادِ ربانی ہے:

◆ ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَ هُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ۝﴾

(سورۃ الانعام: آیت۔82)

''جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

درج بالا آیت اہلِ اسلام پر بڑی گراں گزری۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے پوچھا کون ہے جو ظلم سے بچا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ شرک ہے''۔

(صحیح بُخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4629، صحیح مُسلم ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 327)

بات بالکل واضح ہوگئی کہ ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کی آمیزش ہو سکتی ہے۔

﴿وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ۝﴾ (سورہ یوسف، آیت:106)

''اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں'' (ضیا القرآن از پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ)

یعنی اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور ساتھ ساتھ شرک سے بھی باز نہیں آتے۔

احادیث نبوی ﷺ

حضور اقدس ﷺ نے اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے اور کئی احادیث موجود ہیں تطبیق کے لیے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

نمبر ۱: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''میں تمہارے متعلق اس بات سے خائف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں دنیا میں رغبت کرو گے''۔

(صحیح بُخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1344، صحیح مُسلم ''کتاب الفضائل'' حدیث نمبر 5976)

محدثین کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ساری اُمت مشرک نہیں ہوگی بلکہ بعض افراد اور قبیلے شرک کریں گے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (211/3) میں لکھتے ہیں کہ ''اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ اُمت مجموعی طور پر مشرک نہیں ہوگی۔ لہٰذا اُمت مسلمہ میں سے بعض (افراد وقبائل) کی طرف سے شرک کا وقوع ہوا ہے۔''

بلکہ سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا

''بے شک اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ کبھی بھی میری ساری اُمت گمراہ نہیں ہوگی۔''

(سُنن ابی داؤد ''کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 4253)

نمبر ۲: امت مسلمہ کی ہلاکت کی پیشگی خبر آنحضور ﷺ نے یوں دی:

''(میری اُمت میں سے) بہتّر (فرقے) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن میں یہ بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کا اثر کٹے ہوئے شخص کے رگ وریشے میں سرایت کر جاتا ہے''۔

(ابوداؤد: حدیث نمبر 4597، مسند احمد: 102/3، حدیث نمبر: 17061)

مذکورہ خبر کے مطابق آپ ﷺ کی امت کے بہتر فرقوں کے دوزخ میں جانے کی بنیادی وجوہات عقیدہ وعمل میں پائی جانے والی ایسی بدعات ہیں جو انسان کو کفر وشرک کے درجے تک لے جائیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔(آمین)

نمبر ۳: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

﴿لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتیٰ لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاری؟ قال فمن؟﴾

(صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام'' حدیث نمبر 3456 ، صحیح مسلم ''کتابُ العلم'' حدیث نمبر 6781)

''یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اگر وہ مراد نہیں تو اور کون مراد ہیں۔ ؟ ''

اس حدیث کی مزید وضاحت ترمذی شریف، کتاب الفتن میں موجود ہے جسکے مطابق واضح شرک (ذات انواط کی خواہش) والے کام پر آپ نے اسی طرح کی وعید سنائی جس سے بلا شک وشبہ ثابت ہو گیا کہ کلمہ گو بھی شر کا ارتکاب کر سکتا ہے اور اُمت مسلمہ بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی۔

نمبر ٤: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

﴿لا تقوم الساعت حتیٰ تلحق قبائل من اُمتی بالمشر کین و حتی تعبد قبائل من اُمتی الاوثان﴾

(سُنن ابی داوٗد '' کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 4252)

'' اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری اُمت میں سے کچھ قبائل مشرکین کیساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری اُمت کے کچھ قبائل بتوں کی پرستش کریں گے۔''

اوثان: وثن کی جمع ہے جس سے مراد ہر وہ چیز جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے۔

کیا اب بھی شک کی گنجائش رہ گئی ہے۔ جلد از جلد خواب غفلت سے اٹھیں اور اپنا دامن غلاظتِ شرک سے پاک کرنے کی فکر کریں۔

نمبر ٥: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اُس کی نمازِ جنازہ میں 40 ایسے لوگ شامل ہوں جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ اس فوت شدہ کے حق میں ان لوگوں کی سفارش کو قبول

فرماتا ہے''۔ (صحیح مسلم ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 2198)

اب تو سارے وسوسے ختم ہو گئے، نماز جنازہ تو مسلمان ہی پڑھتے ہیں اس کے باوجود فرمانا کہ ''وہ شرک نہ کرتے ہوں'' سے 100 فیصد ظاہر ہے کہ کلمہ گو بھی شرک کر سکتا ہے۔

نمبر ٦: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''جو شخص نماز فجر کے بعد 10 مرتبہ **لا اله الا الله وحده لا شريك له**...... پڑھے گا وہ اس دِن ہر برائی سے محفوظ رہے گا اور اسے شیطان کی پہنچ سے دُور کر دیا جائے گا اور اسے اس دن شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکے گا''۔

(جامع ترمذی ''کتاب الدعوات'' نمبر 3474)

یعنی نماز اور یہ کلمات پڑھنے والا بھی شرک کر سکتا ہے۔

نمبر ٧: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن ایک شخص نے سلسلۂ کلام آپ ﷺ سے کہہ دیا: ((مَا شَآءَ اللّٰهُ و شِئْتَ)) ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں''۔

آپ ﷺ نے فوراً اس سے منع فرمایا اور کہا:

''تو نے مجھے اللہ جل جلالہ کا ہمسر اور مقابل ٹھہرا دیا، پس یوں کہو جو صرف اکیلا اللہ چاہے۔''

(مُسند احمد حدیث نمبر 2611)

مذکورہ الفاظ جن پر آپ ﷺ نے شرک کا اطلاق کیا یہ بھی کسی کلمہ گو نے ہی کہے تھے.......؟

قربِ قیامت میں دین کی حالت

حضور اقدس ﷺ کے فرامین کی روشنی میں آپ ﷺ کے دورِ نبوت کے بعد والے زمانے خراب سے خراب تر ہوتے جائیں گے اور قربِ قیامت میں شرک و بدعات اور جملہ برائیوں کا غلبہ ہو گا اور رفتہ رفتہ حالت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ لوگ کھلم کھلا شرک کا ارتکاب کریں گے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

نمبر ۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے سُنا:

((لایذھب اللیل و النھار حتی یعبدالات و العزی)) (صحیح مسلم ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7299)

''رات اور دن ختم نہیں ہوں گے حتیٰ کہ پھر سے لات اور عزیٰ کی پوجا کی جائے گی''۔

نمبر ۸: <u>قیامت سے قبل قبیلہ دوس کی عورتوں کا شرک میں مبتلا ہونا</u>

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

((لا تقوم الساعة حتی تضطرب الیات نساء دوس علی ذی الخلصة و ذو الخلصة: طاغیة دوس التی کانوا یعبدونها فی الجاھلیة))

(صحیح بخاری ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7116 ، صحیح مسلم ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7298)

''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرین ذی الخلصہ پر حرکت کریں گے اور ذی الخلصہ قبیلہ دوس کا بُت تھا جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے''۔

لمحۂ فکریہ! درج بالا احادیث سے ثابت ہو گیا کہ اُمت مسلمہ بھی شرک میں مبتلا ہوگی۔ یہ بات ویسے بھی عام فہم ہے کہ جب تک شیطان موجود ہے، وہ انسان کا سب سے بڑا نقصان کرنے سے کیسے باز رہ سکتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا قانون وقاعدہ ہی بدل دے۔ کیا اب بھی شک کی گنجائش ہے؟ اور ہر انسان کو اپنے ایمان کی فکر ہونی چاہئے اسلئے خواب غفلت سے جاگیں، شرک کو ہر پہلو سے سمجھیں اور بچنے کی تدبیر کریں۔

<u>گردونواح کا جائزہ:</u> دیانتداری کے ساتھ ذرا گردونواح کا جائزہ لے لیا جائے تو سب وسوسے دم توڑ جاتے ہیں۔ کون سی شرک کی شکل ہے جس میں مسلمان ملوث نہیں۔ آفات وحاجات میں اللہ کے سوا غائب میں دوسروں کو پکارنا، ان کے نام کی دہائی دینا، شرکیہ تعویز گنڈے اور منتر، مزارات کو سجدہ وطواف، اپنے اپنے پسندیدہ مسالک واکابرین کے دفاع کی خاطر اندھی وجامد تقلید پر برقرار

رہتے ہوئے قرآن وسنت کے واضح دلائل سے چشم پوشی بلکہ اعراض کرنا وغیرہ۔

کیا امت مسلمہ میں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا..........؟

محترم ساتھیو! موت سے پہلے پہلے جاگ اٹھو، شرک سے خود بچ کر اور دوسروں کو بھی بچا کر ہمیشہ کی اخروی سعادتیں حاصل کرنے والے خوش نصیبوں کی صف میں شامل ہو جائیں۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

<u>ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:</u> درج ذیل روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسلمان شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتا لہٰذا شرک کے ضمن میں مسلمانوں کو زیر موضوع نہیں بنانا چاہیئے:

> ''سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر اُس آدمی کا بڑا خوف ہے جو قرآن پڑھے گا یہاں تک کہ اُس کی تازگی اُس کے چہرے پر ظاہر ہوگی اور وہ (بظاہر) اسلام کی مدد کرنے والا ہوگا جس قدر اللہ چاہے گا اُسے متغیر کر دے گا پھر وہ دینِ اسلام سے نکل جائے گا اور دین کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دے گا۔ اپنے مسلم پڑوسی پر تلوار کے وار کرے گا اور اُس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی شرک کی تہمت لگانے والا شرک کے قریب ہوگا یا جس پر شرک کی تہمت لگائی جائے گی وہ شرک کے قریب ہوگا۔ فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا خود شرک کے قریب ہوگا۔''

(صحیح ابن حبان 81، مجمع الزوائد)

وضاحت: اس روایت کے غلط مفہوم اور دیگر حقائق کو پس پشت ڈالنے کی بنا پر ابلیس کو کھیلنے کے لئے کھلا میدان مل گیا ہے کہ جیسے چاہے مسلمانوں کو ورغلا کر انکی ابدی ہلاکت کرے۔ اِس روایت کے مطابق: مذکورہ آدمی اسلام میں ہوگا پھر اسلام کو چھوڑ دے گا اور اپنے مسلم پڑوسی پر تلوار چلائے گا اور شرک کا بہتان لگائے گا یعنی جو شرک میں ملوث نہیں اُس پر جھوٹ باندھے گا۔ یعنی حقیقتاً اُس کا پڑوسی

شرک سے محفوظ اور بری ہوگا۔ یقیناً بے گناہ پر تہمت اور بہتان بازی بہت بڑا گناہ ہے۔لیکن اگر کسی کو واقعتاً کینسر کے مرض نے گھیر لیا ہو تو اسکی نشاندہی اور اس سے بچاؤ کی فکر نہ کرنا بے عقلی و ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔مزید یہ کہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں ''شرک'' کی بجائے ''کفر'' کے الفاظ ہیں یعنی کفر کی تہمت لگانے پر وعید ہے۔اور کفر پر اس قسم کی وعید موجود ہے کہ اگر کسی پر کفر کا اطلاق کیا جائے تو کفر دونوں یعنی (کفر کی تہمت لگانے والے یا جس پر لگائی جا رہی ہے) میں سے کسی ایک پر لوٹے گا۔بہرکیف تطبیق کی بنا پر اگر درج ذیل دیگر دلائل کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تو بچت ہو جاتی:

(۱)۔ لٰہذا شرک کی شدید سنگینی پر درجنوں آیات اور درجہ اول کی صحیح درجے کی احادیث کو نظر انداز کر کے،صرف اس ایک روایت (اور روایت بھی تیسرے چوتھے درجے کی کتاب) سے استدلال کر کے توحید و شرک کو سمجھنے اور اس سے بچنے سے صرف نظر کرنے کا نتیجہ ابدی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

(۲)۔ قرآن مجید اور درجہ اوّل کی کتبِ احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں خود آنحضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اُمت مسلمہ بہت بُری طرح یہود و نصاریٰ کی پیروی کرے گی اور شرک میں مبتلا ہوگی۔اور اِس سے بچنے کی سخت تلقین فرمائی اور ایسے لوگوں کی شفاعت سے بھی دستبرداری فرمالی۔آنحضور ﷺ نے خود فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ قبائل بتوں کو پوجیں گے اور قیامت سے پہلے لات و عزیٰ کی پوجا دوبارہ سے شروع ہو جائے گی وغیرہ۔اِس لیے کسی ایک ہی روایت سے فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ تمام دلائل کو سامنے رکھ کر تطبیق پیدا کرنی چاہیے۔

(۳)۔ جس نے شرکیہ افعال و عقائد کو سمجھنے میں غفلت کی اُس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا۔ابلیس دھاک لگائے بیٹھا ہے کہ کسی طرح لوگوں کو شرک میں مبتلا کر دے اور اپنا ہمیشہ کا ساتھی بنا لے۔

ایک تلخ حقیقت: یہ حقیقت ہے کہ شرکیہ افعال وعقائد انسانی طبع ومزاج کو بہت محبوب ہوتے ہیں کیونکہ شیطان کو کسی صورت یہ گوارہ نہیں کہ انسان شرک سے بچ سکے۔اس لیے وہ انسان کو اس طرف آنے ہی نہیں دیتا اور بے شمار وسوسے ڈالتا ہے جیسے! شرک ختم ہو چکا ہے،کلمہ گو شرک کا ارتکاب نہیں کرسکتا وغیرہ۔

یاد رکھیں! شرکیہ اعمال کو ترک کرنے سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔عافیت اِسی میں ہے کہ فوراً اپنے آپ کو قرآن وسنت کے حوالے کر دیں اور جو رہنمائی یہاں سے ملے وہ ہماری سوچ کے خلاف ہو یا مطابق سمجھ آجانے پر فوراً قبول کرلیں اور سابقہ کوتاہیوں سے توبہ کریں ورنہ بروز قیامت کسی لیڈر کی بجائے اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے جو شرک کی نجاست سے پاک ہوں۔

آخری نصیحت!

اس ضمن میں آخری نصیحت کے طور پر یاد رکھیں!

دنیا میں وہ لوگ جنہوں نے شرک کے خطرے کے پیش نظر،شرک کو سمجھتے ہوئے محتاط رویہ اپناتے ہوئے زندگی بسر کی ہوگی ،وہ تو بروز قیامت فائدے ہی فائدے میں ہوں گے۔اسکے برعکس وہ جنہوں نے اس دھوکے میں کہ شرک ختم ہو چکا ہے،شرک سے بچنے کے حوالے سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر محتاط زندگی بسر کی ہوگی،شرک کی پاداش میں پکڑے گئے تو وہ بروز قیامت کیا کریں گے........؟ان کی حسرت وندامت کا کیا عالم ہوگا......؟ کیا وہ لوگ جن کے پیچھے لگ کر انہوں نے اپنی بربادی کی ان میں سے کوئی ان کے کام آئے گا.....؟ بلکہ عین ممکن ہے وہاں صورت حال کچھ یوں ہوجائے:

﴿قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ o وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ o اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ o اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ o﴾ (سورہ ص۔آیت۔64-61)

’’وہ کہیں گے اے ہمارے رب جس نے (گمراہی کے کام) ہمارے لیے پہلے نکالے تھے ان کے حق میں جہنم کی سزا دگنی کردے اور دوزخی کہیں گے کیا بات ہے وہ لوگ ہمیں (دوزخ میں) دکھائی نہیں دیتے جن کو ہم بڑوں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے انکا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں۔ یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہوگا‘‘

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو ظالم ابلیس کی مکاریوں سے بچائے، خواب غفلت سے نکال کر موت سے پہلے پہلے شرک کی سنگینی کا ادراک عطا کرتے ہوئے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

✡✡✡✡✡

باب ۳

شرک کی بنیادی معلومات

اور

سرور کائنات ﷺ کی احتیاط

شرک کے متعلق چند بنیادی معلومات جنھیں سمجھنا نہایت ضروری ہے، پیش خدمت ہیں:

الفاظ کا ظاہری اشتراک شرک نہیں

بعض الفاظ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں جیسے:

"رحیــــــم" اللہ کے لیے اور "رؤف رحیم" حضور اقدس ﷺ کے لیے۔ اسی طرح "السمیع البصیر" اللہ کے لیے اور انسان کے لیے "سَمِیْعاً بَصِیْراً"۔ "مولیٰ" اللہ کے لیے اور انسانوں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے الفاظ کے ظاہری اشتراک سے اس وقت تک شرک نہیں ہوگا جب تک معنی کے اعتبار سے شراکت نہیں ہوگی۔ جیسے اللہ کی صفات ذاتی اور مخلوق کی عطائی۔ اللہ کی مستقل قدیم اور مخلوق کی حادث اور زوال پذیر۔ اللہ کی صفات لامتناہی اور مخلوق کی محدود۔

انتباہ: محتاط رویہ اپنایا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جیسے پیغام لانے والے کو "پیغمبر"

یا ''رسول'' کہتے ہیں۔اب اسے ہر پیغام لانے والے پر استعمال کیا جائے گا تو یہ درست نہ ہوگا۔اسی طرح بعض صفات صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں اُنھیں مخلوقات کے لیے ہرگز استعمال نہ کیا جائے جیسے الہٰ ،عالم الغیب، غائب سے مدد کے لیے پکارنا یعنی دُعا وغیرہ۔ اِن صفات میں غیر مستقل بالذات، عطائی اور محدود وغیرہ کا فرق رکھنے کے باوجود مخلوقات میں ماننا، شرک تصور ہوگا جس کی تفصیلات اگلے ابواب میں بیان کی گئی ہیں۔چونکہ اِن چیزوں کا تعلق عقائد سے ہے اِس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔اِس ضمن میں قرآن وسنت سے دلیل کی پیروی کی جائے۔

خلق اور تدبیر: خلق اور تدبیر بھی اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں۔یہی وہ صفات ہیں جو استحقاق عبادت ہیں اور خالق اور مخلوق میں فرق کرتی ہیں، جنھیں کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔سابقہ مشرکین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ مدبر کائنات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، جیسا کہ ان سے سوال کیا گیا:

﴿ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ....... ﴾(سورہ یونس۔آیت:31)

ترجمہ: ''(ان سے پوچھیے) کون تدبیر کرتا ہے اُمور کی تو وہ ضرور کہیں گے اللہ ''

خالق کے لفظ کے ساتھ تو مخلوقات کا ہرگز اشتراک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مخلوقات ایک ذرہ بھی تخلیق نہیں کرسکتیں ہاں یہ ضرور ہے کہ خالق نے اپنی پیدا کردہ جن چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے ان پر انسان کو تصرف دیا ہے۔مدبر امور کا لفظ اللہ تعالیٰ نے غالباً فرشتوں یا ہواؤں کے لئے بھی استعمال کیا ہے، فرمایا:

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ (سورۃ النازعات،آیت:5)، ترجمہ: ''امور کی تدبیر کرنے والے''

ایک اور جگہ تخصیص کے ساتھ ہواؤں کے لئے آیا: ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ (سورۃ الذاریات،آیت:4)

ترجمہ: ''امور کی تقسیم کرنے والیاں''

یعنی جس طرف یا جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسی طرح چلنے والیاں۔

اس لفظ کا اطلاق اگر فرشتوں پر کیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم اور اذن کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے احکام کو خدا کی منشاء کے مطابق نافذ کرنے والے اور اگر ہواؤں پر کیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بعینہ پیروی ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہر کیف فرشتے ہوں یا ہوائیں یہ اپنی مرضی نہیں کرتے، انکا کام صرف اللہ کے حکم کی پابندی کرنا ہے۔ اسی لئے ہم بارش یا ہوا کے لئے اللہ سے عرض کرتے ہیں نہ کہ فرشتوں سے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ چاہے تو ہواؤں کو فرشتوں کے تابع کردے یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے۔ ہمیں دلیل کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اس وضاحت سے یہ بات واضح ہوئی کہ فرشتوں کا مدبر ہونا حکم الٰہی کی بجا آوری کے معنوں میں ہے۔ بہر کیف اگر معنی میں شراکت نہ ہو تو اللہ کے سوا کسی کو مدبر کہنے سے شرک نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مدبر کائنات اللہ کے سوا کوئی نہیں جو بارشوں کے برسنے، موسم، مخلوقات میں نر و مادہ کی تقسیم.........وغیرہ کی تدبیر کرتا ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی صفات کثرت سے مخلوقات کے لئے استعمال کرنے سے انسان رفتہ رفتہ خالق کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور مخلوق کو خالق کی جگہ لے آتا ہے۔

<u>من دون اللہ کی وضاحت :</u> قرآن مجید میں شرک پر وعید اکثر ''مِن دونِ اللّٰہ'' یا ''مِن دُونِہٖ'' کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور شیطان نے لوگوں کو اس دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے کہ ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہ'' سے مراد صرف بُت ہیں۔ اس لیے باقی مخلوقات اس زمرے میں نہیں آتیں جو کہ محض دھوکہ ہے۔ یاد رہے خدا کے برگزیدہ بندے، خدا کی رحمت اور فضل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہیں، اسکے ساتھی ہیں، لیکن خدا کی ذات و صفات میں شراکت کے حوالے سے ''من دون اللہ'' یعنی اللہ کے سوا ہیں، نہ اسکے شریک۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں واضح طور پر بیان کیا گیا چنانچہ:

(i) ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ o قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o ﴾

(سورۃ المائدہ،آیت:75-76)

''مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول، اِس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، اِن کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں، دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم اِن کے سامنے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں پھر غور کیجیے کہ وہ کس طرح پھرے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے کہ کیا تم اللہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔''

معلوم ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ پر **من دون اللہ** کا اطلاق ہوا۔

(ii) (مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ) (سورہ آل عمران:79)

''کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہ کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ''۔

واضح ہو گیا کہ اللہ نے انبیاء اکرام علیہم السلام کے لیے ''**من دون اللہ**'' فرمایا۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: ''المائدہ۔114''، ''بنی اسرائیل۔56''، ''اعراف۔194''، ''احقاف۔6-5''، ''الکھف۔152''، ''توبہ۔31'' وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کی سخت احتیاط

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا بنیادی مقصد ہی انسانیت کو کفر وشرک کی آلودگیوں سے نجات دلانا

ہوتا ہے اور اُمت محمدیہ ﷺ پر دین کی تکمیل کے ساتھ ہر نوع کے شرک کی ممانعت کر دی گئی اور وہ اسباب ومحرکات جو کسی بھی نوع کے شرک کا ذریعہ بن سکتے تھے جیسے سجدہ تعظیمی وغیرہ بھی اس اُمت کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ چونکہ شرک میں گرفتار کرنے کے لیے ابلیس ہمیشہ عالی مرتبہ ہستیوں کے مقام ومرتبہ کو استعمال کرتا ہے جس کی بنیاد محبت ہوتی ہے نہ کہ نفرت۔ اس لیے انسان بڑی آسانی سے شیطان کا آلہٗ کار بن جاتا ہے اور اُسے خبر تک نہیں ہو پاتی۔ اِسی جال سے شیطان نے سابقہ اُمتوں جیسے یہود ونصاریٰ کو شکار کیا اور اُنھیں محبت کی آڑ میں حد سے بڑھایا اور رفتہ رفتہ اُنھیں شرک کی دلدل میں دھکیل دیا جس کی بنا پر ان لوگوں نے انبیاء اکرام علیھم السلام کو الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا۔ اس لیے اللّٰہ نے نہایت پُرزور الفاظ میں حد سے بڑھنے سے منع فرمایا چنانچہ اِرشاد فرمایا:

﴿ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ النساء، آیت:171)

''اَے اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی)! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ کہو اللّٰہ کے متعلق مگر حق بات ہی۔ بے شک مسیح ابن مریم (تمہارے معبود نہیں بلکہ وہ تو) اللّٰہ کے رسول تھے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

﴿ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَ اَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا وَّ ضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴾

(سورۃ المائدہ، آیت:77)

''(اَے نبی) فرما دیجئے: اَے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے

لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔"

اللہ نے حضور اقدس ﷺ کی اُمت کو سورۃ الفاتحہ کی شکل میں عظیم تحفہ عطا فرمایا جس کی ہر رکعت میں یہود و نصاریٰ کی روش سے بچنے کے لیے دُعا کی جاتی ہے۔ یہودیوں کے لیے "مغضوب" کا لفظ آیا یعنی جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ تعلیمات کو چھوڑ کر عالموں اور درویشوں کی پیروی کی اور رسول ﷺ کا رستہ چھوڑ دیا۔ جس کی وضاحت سورۃ "توبہ، آیت: 31" میں آئی۔ عیسائیوں کے لیے "ضآلین" کا لفظ آیا جو جہالت اور محبت میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اب یہ تو حضور ﷺ کی اُمت کے علماء کا فرض تھا کہ اُمت کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک کی خاطر حق کو چھپایا جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

بلاشبہ! سرورِ کائنات ﷺ تمام مخلوقات میں افضل ترین مقام پر فائز ہیں جن کے لیے خود رب کائنات نے ﴿وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ﴾ کی سند نازل فرمائی، نماز، اذان میں آپ ﷺ کا ذکر خیر لازم قرار دیا، آپ ﷺ کی عمر مبارک اور شہر وغیرہ کی قسم کھائی۔ خود درود و سلام کی صورت میں رحمتیں نازل فرمانا اور اس کا حکم دینا ہمارے نبی مکرم ﷺ کو معراج انسانی کے درجہ کمال پر فائز کرنے کا ثبوت ہے۔ چونکہ ایسے مقام و مرتبہ کو استعمال کر کے لوگوں کو شکار کرنا ابلیس کے لیے بہت آسان تھا۔ اس لیے ایسے افعال جو شرک کا ذریعہ بن سکتے تھے ان سے اللہ کے رسول ﷺ نے سختی سے اپنی اُمت کو منع فرمادیا جس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اعلان نبوت سے پہلے بھی آنحضور ﷺ شرک سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

((واللہ لا اعبد الات ابداً واللہ لا اعبد العزیٰ ابداً)) (رواہ احمد، سندہ صحیح)

"اللہ کی قسم میں کبھی لات کی عبادت نہیں کروں گا، اللہ کی قسم میں کبھی عزیٰ کی عبادت نہیں کروں گا"

اسوہ حسنہ کی چند مزید مثالیں پیش خدمت ہیں:

(1) ((لا تطرونی کما أطرت النصاریٰ ابن مریم انما أنا عبد فقولوا عبدالله و رسوله)) (صحیح بُخاری ''کتاب الانبیاء'' حدیث نمبر 3445)

''تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اوراس کا رسول کہو۔''

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا:

''اے ہمارے سرداراور ہمارے سردار کے بیٹے اور اے ہم میں سب سے بہتر وافضل اور سب سے بہتر کے فرزند!'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یا ایھاالناس ! قولوا بقولکم ولا یستھو ینکم الشیطان انا محمد (ﷺ) بن عبدالله و رسول الله ، والله ما احب ان ترفعونی فوق ما رفعنی الله (عز و جل))

(مسند احمد:241/3)

''اے لوگو! تم اس قسم کی بات کہہ سکتے ہومگر کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اس مقام ومرتبہ سے بڑھادو جس پر اللہ نے مجھے فائز کیا ہے''۔

(3) بروایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، ایک خطیب نے نبی ﷺ کے سامنے خطبہ دیا، اور (دورانِ خطبہ) کہا:

((من یطع الله ورسوله فقد رشد ومن یعصمھما......))

''یعنی جس نے اللہ اوراس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے راہ راست پالیا، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

☆ ((بئس الخطیب أنت ، قُل: و من یعص الله ورسوله))

(مسلم ''کتاب الجمعۃ'' حدیث نمبر 2010)

'' تو بُرا خطیب ہے،تم یوں کہو: جس نے اللہ اور اُسکے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی''۔

خطیب نے اللہ اور رسول (ﷺ) کا ایک ہی ضمیر سے ذکر کیا (و من یعصهما) جسے آپ ﷺ نے برداشت نہیں کیا اور حکماً رد فرما دیا۔ کیا ہم بھی آپ ﷺ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں؟ جن خطرات کے پیش نظر آپ ﷺ نے یہ محتاط رویہ اپنایا کیا آج اُمت مسلمہ انھیں شبہات میں مبتلا نہیں ہو چکی؟ یہ تو صحابہ کرام تھے جو آپ ﷺ کے حکم پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ جنھوں نے محبت رسول ﷺ اور اطاعت رسول (ﷺ) کا حق ادا کر دیا اور ''السبقون الاولون'' ٹھہرے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے حکم کو حرف آخر سمجھا چاہے وہ ذہن سے ہم آہنگ تھا یا نہ تھا۔ ثبوت کے طور پر ایک روایت پیش خدمت ہے۔

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی الله عنهم کو رسول اُللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ محبوب نہ تھا اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی ''کتاب الادب'' حدیث نمبر 2754)

مسلمان بھائیو! رسول اُللہ ﷺ کے وہ حکم جو ہمارے ذہن سے مطابقت نہیں رکھتے کیا انھیں ہم تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اسی حوالے سے چند مزید چیزوں پر غور فرمائیں۔

(5) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن ایک شخص نے سلسلۂ کلام آپ ﷺ سے کہہ دیا:

((مَا شَآء اللّٰهُ و شِئتَ)) ۔''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔''

آپ ﷺ نے فوراً اس سے منع فرمایا اور کہا: ((اجعلتنی و الله عدلاً، بل ما شاء الله

وحدہ’))۔کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر ٹھرا دیا بلکہ تم یہ کہو جو اکیلا اللہ چاہے۔“

(مُسند احمد:1742)

یہاں تکوینی امور میں شراکت کے پیش نظر آپ ﷺ نے سختی سے روک دیا۔

غور فرمائیں: اتنی سی بات بھی آپ ﷺ نے برداشت نہ کی فوراً روک دیا اور فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر ٹھہرا دیا؟ یقیناً اس آدمی نے آپ ﷺ کو مستقل بالذات سمجھ کر یہ الفاظ نہیں کہے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسے الفاظ یا اعمال جو شرکیہ ہوں ان کے ادا کرنے سے شرک سے مماثلت ہوگی چاہے **”مستقل بالذات“** سمجھ کر ادا کیے جائیں یا **”غیر مستقل بالذات“** چونکہ مذکورہ بالا الفاظ تکوینی امور سے متعلق تھے اس لیے آپ ﷺ نے فوراً روک دیا۔

سوچنے کی بات ہے کیا مخلوقات کیلئے غوث بلکہ غوث الاعظم، لجپال، حاجت روا، اللہ نبی وارث، داتا، جانے یا علی، لے گیارہویں والے دا ناں تے ڈبی ہوئے تر جائے گی............؟ جیسے القابات کی گنجائش رہ جاتی ہے۔؟ کیا سب حدیں توڑ نہیں دی گئیں۔؟

(6) ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا:

”تم (مسلمان) لوگ شرک کرتے ہو یوں کہتے ہو ﴿ما شاء اللّٰه و شئت﴾ (جو اللہ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں) نیز تم کعبہ کی قسم بھی اُٹھاتے ہو۔ اس پر رسولُ اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے ربِ کعبہ کی قسم اُٹھایا کریں اور ﴿ما شاء اللّٰه وشئت﴾ کی بجائے ﴿ما شاء اللّٰه ثُم شئت﴾ (جو اللہ جل جلالہ چاہے اور پھر جو آپ ﷺ چاہیں) کہا کریں۔“ (سُنن نسائی ”کتابُ الایمان والنذور“ حدیث نمبر 3773)

یوں آپ ﷺ نے ”ثم“ کے الفاظ کے ساتھ شرک کے اندیشے کو ختم فرما دیا۔

(7) ذات انواط: ذات انواط ایک بیری کا درخت تھا جس کے پاس مشرکین اعتکاف کرتے تھے اور تبرک کے لیے اس پر اسلحہ لٹکاتے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ابھی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اُنھوں نے رسول اُللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایسا ذات انواط مقرر فرمائیں جس پر آپ ﷺ نے اللہ کی تقدیس بیان کی اور فرمایا:

☆ ((والذی نفسی بیدہ قلتم کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ اجعل لنا الھا کما لھم الھة . قال: ”انکم قوم تجھلون“ لترکبن سنن من کان قبلکم))

”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو (آج) وہی بات کہہ ڈالی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمارے لیے بھی ان لوگوں کے معبود جیسا معبود بنا دے، تو موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا: یقیناً تم جاہل قوم ہو، تم ضرور ہی پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔“ (جامع ترمذی ”کتاب الفتن“ حدیث نمبر 2180)

(8)۔ ”ایک بدوی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ: جانیں تلف ہو گئیں، بچے بھوک سے بلکنے لگے، مویشی مرنے لگے، آپ ہمارے لئے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ الفاظ سنتے ہی آپ ﷺ نے بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ بدستور سبحان اللہ کہتے رہے، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہؓ کے چہروں پر ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تجھ پر افسوس! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ کیا ہے؟ اللہ کی شان اس سے کہیں بلند تر ہے کہ اسے کسی کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش کیا جائے۔“

(ابوداؤد، کتاب السنة: 4726)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دوٹوک اعلان کروا دیا کہ توحید و شرک کے معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی

روادری نہیں:

﴿قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ o لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ o وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ o وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ o وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ o لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ o﴾ (سورۃ الکافرون)

''فرمادیجئے اے کافرو! میں نہیں عبات کرتا انکی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اسکی تم عبادت نہیں کرتے۔اور میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں انکی جن تم پرستش کرتے ہو اور تم اسکی بندگی کرنے والے معلوم نہیں ہوتے جسکی میں بندگی کرتا ہوں۔تمھارے لئے تمھارا راستہ اور میرے لئے میرا راستہ۔''

لٰہذا دھوکے سے نکلیں۔اپنے ساتھ ظلم نہ کریں۔اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے بڑھ کر آپکا کوئی خیر خواہ نہیں۔سب کو انکے تابع کرلیں بروز قیامت کوئی کام نہ آئے گا۔

پیارے مسلمان بھائیو! یہ چند چیزیں آپ کے سامنے لانے کا مقصد یہ ہے کہ حقائق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔کسی دھوکہ میں مبتلا نہ رہنا۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے شرک کے حوالے سے زندگی بھر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہر خطرے کو کھول کر بیان کیا اور اپنی اُمت کی رہنمائی فرمائی۔

باب ۴

سابقہ اقوام کا شرک

مرض سے نجات کا حل مرض کی تشخیص

بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوائی کھانے سے پہلے بیماری کی تشخیص کی جائے تا کہ اس کے موافق دوائی استعمال کی جائے، بصورت دیگر مرض میں اضافے کے ساتھ ساتھ کئی اور مرض بھی لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح دین کے معاملے میں جب تک غلط اور صحیح کی پہچان نہ ہو گی، غلط چیز سے نجات اور صحیح بات کو اپنانا ممکن نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کسی شخص کی نیکی کی تعریف کی گئی کہ وہ اس قدر نیک ہے کہ بدی کو جانتا بھی نہیں، اس پر آپؓ نے فرمایا۔ تب تو اسکے بدی میں پڑ جانے کا بڑا احتمال ہے، کیونکہ جو شخص بدی اور اور نیکی میں تمیز نہیں کر سکتا وہ ہر وقت بدی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن وسنت میں نیکی اور بدی، خیر اور شر دونوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

کائنات کی سب سے بڑی بیماری ''شرک'' جسے پروردگار نے ''ظلم عظیم'' کہا ہے ہم میں سے اکثر اس کی پہچان سے غافل ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا ہے تو پھر سب سے پہلے اس بڑے خطرے کو پہچان کر اس سے اپنا دامن بچایا جاتا، لیکن ابنائے زمانہ کا حال اس کے برعکس ہے۔ بعض ہمارے بھائیوں کا حال تو یہ ہے کہ جو شرک کا نام لے اس کے قریب نہیں جاتے۔ ہمارے خیال میں اسکی واحد وجہ ظالم شیطان ہے جو کسی صورت یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس خطرے سے بچ سکیں۔ یہ ابلیس آپ کا دشمن ہے، دوست نہیں کہ اسکی بات مانی جائے۔ جب آپ

کے پروردگار نے شرک کوسب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے تو پھر ہمیں ضرور کچھ نہ کچھ وقت نکال کر اس ظلم کی پہچان کرنی چاہیے۔

ہمارے خالق نے ہماری رہنمائی کے لیے مشرکین مکہ سمیت سابقہ اقوام میں پائی جانے والی شرک کی مختلف شکلوں کو قرآن مجید میں کھول کر بیان فرمایا ہے تاکہ وہ لوگ جو اس غلاظت سے اپنا دامن بچانا چاہیں وہ بچ سکیں۔ آپکے لئے ان میں سے کچھ کو انتہائی اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہر وہ شخص جو شرک کی نجاست سے اپنا دامن پاک کرنا چاہتا ہو وہ مذکورہ وضاحت کا بہت زیادہ حریص ہوگا۔ انشاءاللہ یہ وضاحت اس کے لیے بہت زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

(ا) اہل عرب مشرکین کا شرک

سب سے پہلی سمجھنے والی بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ سمیت اہل عرب میں پائی جانے والی دیگر جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی خدا کی منکر نہیں تھی۔ یہ لوگ خدا کی بنیادی صفات میں سے کسی کے بھی منکر نہ تھے حوالے کے طور پر چند آیات ملاحظہ کریں۔

☆ ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (سورہ یونس۔ آیت:31)

"(ان سے) پوچھیے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ کون مالک ہے تمہارے سننے اور دیکھنے کی "قوتوں" کا؟ اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے اور کون تدبیر کرتا ہے اُمور کی تو وہ ضرور کہیں گے اللہ پھر ان سے پوچھیے تم ڈرتے کیوں نہیں؟"

☆ ﴿ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ ﴾ (سورۃ المومنون۔ آیت:88)

''ان سے پوچھو کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہے اقتدار ہر چیز کا اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی پناہ نہیں دے سکتا اس کے مقابلے میں اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ ، پوچھیے پھر کہاں سے جادو زدہ ہو رہے ہو؟''۔

☆ ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ٥﴾ (سورہ زخرف۔ آیت:87)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے انھیں تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟''

یعنی ان سب باتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود دوسروں کو عبادت میں شریک کیوں کرتے ہو؟۔

<u>انہیں مشرک قرار کیوں دیا گیا!</u> ہمارے لیے نصیحت وعبرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرک قرار کیوں دیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ توحید ربوبیت کا تو اقرار کرتے تھے لیکن الوہیت میں شرک کرتے تھے۔ یعنی جہاں عبادت کی بات آتی تو اللہ کے ساتھ اور بہت سوں کی عبادت بھی کرتے تھے۔ لہٰذا الوہیت یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت انہیں گوارہ نہیں تھی۔ جیسا کہ الوہیت کی دعوت پر قریش نے کہا:

﴿وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ٥ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ٥﴾ (سورہ ص، آیت:5-4)

''اور وہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ڈرانے والا آیا اور (ان) کافروں نے کہا یہ تو جادوگر ہے بڑا کذاب ہے۔ اس نے تو سب معبودوں کا ایک ہی معبود بنا ڈالا، بلاشبہ یہ بڑی عجیب بات ہے۔''

مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ جل جلالہ کے قرب کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے:

﴿وَ يَقُوۡلُوۡنَ هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (سورہ یونس: آیت:18)

''اور کہتے یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (سورہ زمر:3)

''اور جن لوگوں نے بنالیے ہیں اللہ کے سوا کارساز، وہ کہتے ہیں ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کردیں۔''

قرآن مجید کی آیات پر غور کیا جائے تو اہل عرب کو ظالم شیطان نے شرک کی درج ذیل مختلف اشکال میں ملوث کیا ہوا تھا۔

(۱)۔ملائکہ پرستی (۲)۔جنات پرستی (۳)۔ستاروں کی پوجا (۴)۔آباء پرستی (۵)۔نفس پرستی

ان کی انتہائی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱) فرشتوں کی پوجا:

اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کے ساتھ حد درجہ محبت کی بنا پر انہیں سجدہ کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی تردید یوں کی:۔

﴿وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (سورۃ النحل۔49)

''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے جاندار ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فرشتے بھی اور وہ سرتابی نہیں کرتے''

یوں یہ بات واضح کی گئی کہ فرشتے تو خود صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

فرشتوں کے متعلق یہ خیال کرتے کہ اللہ کے قرب اور بلند مرتبہ کی بنا پر یہ ہماری سفارش کریں گے، ان فرشتوں کے بت بنا کر جب ان کا طواف کرتے تو دوران طواف یہ الفاظ دہراتے۔

(تلک الغرائیق العلی و ان شفاعتھن لترتجی) (یہ بلند مرتبہ ہیں اور ان کی شفاعت کی ہمیں امید ہے''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو یوں رد فرمایا:

﴿ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى o فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى o وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴾ (سورۃ النجم: 26-24)

''کیا انسان وہ سب کچھ پا لے گا جس کی وہ تمنا رکھتا ہے! سو یاد رکھو کہ آخرت اور دنیا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام آنے والی نہیں مگر بعد اس کے اللہ اجازت دے جس کو چاہے''۔

فرشتوں کے متعلق شرک میں ملوث ہونے کی بنیادی وجہ ان کی یہی غلط فہمی بنی کہ یہ مافوق الفطرت امور پر قدرت رکھتے ہیں اور جس طرح چاہیں ان تکوینی امور میں تصرف فرماتے ہیں جسے اللہ تعالی نے یوں رد فرمایا:

☆ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ o﴾

''جو بھی انھیں حکم دیا جاتا ہے اس میں کوتاہی نہیں کرتے اور کرتے صرف وہی کام ہیں جن کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

☆ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (سورۃ النحل آیت:50)

''اور اپنے رب سے جو انکے اوپر ہے اسکے خوف سے کپکپاتے رہتے ہیں اور انھیں جو حکم دیا جائے اسکی تعمیل کرتے ہیں۔''

اس ضمن میں صحیح بخاری، ابواب التفسیر سورۃ السبا اور دیگر روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو خوف سے آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور فرشتے بیہوش ہو کر سجدے میں گر جاتے ہیں، سب سے پہلے جبرائیل سر اٹھاتے ہیں۔ ہوش آنے پر مقرب فرشتوں جیسے جبرائیل علیہ السلام سے دوسرے فرشتے حکم کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ

یوں ہوا:

﴿وَ لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَہٗ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِہِمۡ قَالُوۡا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمۡ قَالُوا الۡحَقَّ وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ﴾ (سورہ السبا، آیت:23)

''جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ (مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے''

پس صحیح رستہ یہی ہے کہ ہم اللہ کو پکاریں، اسی سے فریاد رسی کریں، اسی کی بارگاہ میں عرض پیش کریں وہ چاہے تو فرشتوں کے ذریعے سے ہماری مدد فرمائے یا اور کوئی ذریعہ بنائے۔ ان فرشتوں پر خدا کا حکم چلتا ہے نہ کہ ہمارا۔

(۲) جنات کی پوجا

فرشتوں کی طرح جنات کو بھی اہل عرب مافوق الفطرت اور زمرہ الوہیت سے نسبت رکھنے والی مخلوق خیال کرتے تھے اسی بنا پر انہیں اللہ کی صفات اور حقوق میں شریک کیا ان کے شرک کا تذکرہ یوں کیا گیا:

﴿وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ وَ خَلَقَہُمۡ﴾ (سورۃ الانعام، آیت:100)

''اور انھوں نے جنوں میں اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں حالانکہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا''

چنانچہ اہل عرب مصائب و آلام میں جنوں سے فریاد کرتے تھے جسکا تذکرہ سورۃ الجن آیت۔۶ میں ہوا، ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جانے لگا کہ ملاء اعلیٰ (آسمانوں) تک رسائی کی وجہ سے یہ وہاں سے غیب کی خبریں لاتے ہیں جس سے کہانت کا بازار گرم ہوا، لوگ کاہنوں کی باتوں پر یقین کرنے لگے، قرآن مجید میں کاہنوں کی مکاری اور ان کے جھوٹا ہونے کا ذکر یوں کیا گیا:

﴿یُلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَ اَکۡثَرُہُمۡ کٰذِبُوۡنَ﴾ (سورۃ الشعراء، آیت:223)

''وہ کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں''

اسکے بعد اہل عرب نے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ کاہن ہیں (نعوذ باللہ) ان پر فرشتہ نہیں بلکہ جنات وحی لے کر اترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی تردید ''الشعرا'' آیت: 212-210 میں فرمائی۔
یہاں بھی شراکت کی بنیادی وجہ جنات کے متعلق مافوق الفطرت امور پر قدرت واختیار بنی۔

ستاروں کی پوجا

اہل عرب سمیت دنیا کی دیگر بت پرست قوموں میں سورج اور چاند کی پوجا رائج رہی ہے۔ چونکہ سورج اور چاند سے نسل انسانی ابتداء سے ہی مستفید ہوتی رہی اس لیے لوگوں نے سورج کی پوجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام سے یوں منع فرمایا۔

﴿ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ (سورہ حم السجدہ، آیت: 37)

''نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو''

اہل عرب ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے، ان کے خیال میں بارش برسنے اور زمین کی خوشحالی میں ستاروں کا بڑا عمل دخل ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔
آنحضور ﷺ جب حدیبیہ میں تشریف لے گئے تو ایک رات بارش ہوگئی صبح کو آپ نے نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں کچھ نے ایمان لاتے ہوئے اور کچھ نے کفر اختیار کرتے ہوئے آج صبح کی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل ورحمت سے یہ بارش دی گئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور ستاروں کے تصرف کا انکاری ہو گیا اور جس نے یوں کہا کہ ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب سے بارش دی گئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے

پر ایمان لے آیا۔'' (بخاری: کتاب الاستسقاء نمبر 1038، مسلم کتاب الایمان نمبر 67)

اسی طرح مشہور ستارہ شعریٰ جو گرمیوں کے زمانہ میں طلوع ہوتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ کاروبار کا چمکنا اور تجارت میں خیر و برکت اسی کے دم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وہم کی تردید یوں فرمائی۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى o وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴾ (سورۃ النجم، آیت۔ 49-48)

''اور اسی نے غنی اور سرمایہ دار کیا اور وہ شعریٰ کا بھی رب ہے''

انسان کو جس چیز سے فائدہ حاصل ہوا، نعمت خیال کرنے کی بجائے اسے منعم کا درجہ دے دیا اور حقیقی کارساز کو بھول گیا۔ اس بیماری کا بیان درج بالا آیات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

دیوتاؤں کی پوجا

اہل عرب نے مختلف عناصر کے جوڑ توڑ سے دیوتاؤں کی ایک بزم سجائی جس میں اللہ تعالیٰ کو مہادیو کی حیثیت دی اور دیگر بہت سے دیوتاؤں کو خدا کے زیر اثر مقربین بارگاہ خیال کیا۔ اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا کا تعلق صرف آسمان کے نظم و اہتمام سے ہے جبکہ زمین کا انتظام و انصرام دیوتاؤں کے سپرد ہے۔ چونکہ اس عقیدہ سے خدا کی قدرت اور علم کی نفی کے ساتھ ساتھ اسکی حاکمیت کی تقسیم لازم آتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط عمل کو رد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾

(سورۃ الزخرف، آیت: 84)

''اور وہی اکیلا آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے اور وہی حقیقی علیم و حکیم ہے''

اللہ نے اپنی بادشاہی کی وسعت یوں بیان فرمائی:

﴿ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (سورۃ البقرہ، آیت: 255)

''اور اسکا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے اور ان کی حفاظت اس پر ذرا

بھی گراں نہیں اور وہی ہے برتر اور عظمت والا''

مزید فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾(سورۃ الانبیاء آیت:22)

''اگر ان دونوں کے اندر اللہ کے سوا الگ الگ معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے''.

عبادت و تعظیم

چونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دیوتا زمینی معاملات میں براہ راست تصرف کرتے ہیں اس لیے اہل عرب انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی عبادت اور تعظیم اس طرح کرتے جس طرح خدا کی عبادت کی جاتی۔ ان کے لیے قربانی کرتے، نذر و نیاز دیتے، زمین کی پیداوار اور جانوروں میں خدا کی طرح اپنے معبودوں کے لیے بھی حصہ نکالتے جیسا کہ قرآن حکیم نے ذکر فرمایا۔

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾(سورۃ الانعام: آیت:136)

''اور خدا نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کیے اس میں انہوں نے اللہ کا ایک حصہ مقرر کیا ہے پس یہ لوگ کہتے ہیں، یہ حصہ تو اللہ کا ہے، ان کے گمان کے مطابق اور یہ حصہ ہمارے شرکاء کا ہے، تو جو حصہ ان کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچ سکتا ہے۔ کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں''

جانوروں کو معبودوں کے نام پر چھوڑنا:

اسی طرح مشرکین اپنے معبودوں کے لیے جانور مخصوص کر کے انہیں چھوڑتے اور ان جانوروں کو مقدس خیال کرتے۔ چنانچہ جانوروں کی مختلف قسمیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام انہوں نے مخصوص کیں جسکا تذکرہ یوں ہوا۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (سورۃ المائدہ، آیت: 103)

''اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ حام کو لیکن جو کافر لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے''۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت سعید بن مسیّب کی تفسیر کے مطابق:

بحیرہ: وہ جانور ہے جسکا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا، کوئی شخص اسکے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لئے ہے۔ سائبہ: وہ جانور ہے جو بتوں کے لئے آزاد چھوڑا جاتا اسے سواری یا مال برداری کے لئے استعمال نہ کیا جاتا'۔ اسی طرح وصیلہ اونٹنی اور حام اونٹ جنہیں بتوں کے لئے آزاد چھوڑا جاتا۔ حالانکہ نذر و نیاز کا حق دار صرف اللہ ہے جس نے ان جانوروں کو پیدا کیا۔

چنانچہ سب سے پہلے بتوں کے لئے جانور چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ آنحضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں نے اسے جہنم میں انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ المائدہ)

افسوس کہ آج بھی بعض ناسمجھ خواتین جانوروں بالخصوص مرغیوں کو بزرگوں کے نام مخصوص کرتی ہیں، اللہ انکو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

آباؤ اجداد کے رستے کی اندھی پوجا

ظالم شیطان نے ان لوگوں کو آباؤ اجداد کے رواج اور چلن کی اندھی پیروی پر مائل کیا اور انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقوں کو دین و شریعت کی حیثیت دے دی۔ چنانچہ تعلیمات وحی کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی بنی جسکا تذکرہ پروردگار نے یوں فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (سورہ لقمان، آیت: 21)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اسکی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ بھلا کیا

ان کو(اوران کے آباؤاجداد کو) شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہوتو تب بھی ''؟

اس میں اصل حجاب یہ تھا کہ والدین کی پیروی عقل وشعوراور بصیرت سے تعلیمات الٰہی کو بنیاد بناتے ہوئے کی جائے تو بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کے برعکس کی دین وشریعت میں ممانعت ہے۔جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کافروں کے رستے کو چھوڑ کر اپنے آباؤاجداد(جو پیغمبر تھے)انکی پیروری اختیار کی ہے۔

اہل عرب کا اپنے تمام قسم کے معبودوں کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہمارے تمام قسم کے حالات سے ہروقت آگاہ ہیں اسی لیے مصائب وآلام میں انکی دہائی دیتے،انہیں پکارتے اوران سے فریادرسی کرتے۔اس طرزعمل سے ایک تو اللہ کی 'صفت علم'(خداکا کائنات کی ہر چیز سے ہروقت باخبر ہونا ہے)میں شراکت کرتے اوردوسرا 'دعا' جو کہ خالص عبادت ہے اس میں دوسروں کوشریک ٹھہراتے۔اللہ تعالیٰ نے ان افعال کی ٹھوس طرح سے تردید یوں فرمائی۔

﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُھُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا مَکَانَکُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَکَآؤُکُمۡ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَھُمۡ وَ قَالَ شُرَکَآؤُھُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ o فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیۡدًاۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ oھُنَالِکَ تَبۡلُوۡا کُلُّ نَفۡسٍ مَّآ اَسۡلَفَتۡ وَ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰھُمُ الۡحَقِّ وَ ضَلَّ عَنۡھُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَo﴾

(سورہ یونس،آیت:30-28)

''اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرو۔پھر ہم ان کے درمیان تفریق کریں گے اورشریک کہیں گے تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے۔ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر رہے۔اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہوگا جو اس نے کیا ہوگا اور لوگ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوں گے اور جو

معبود انہوں نے افترا کیے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے''۔

مشرکین حج اور طواف بھی کرتے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ حج کرتے (جس سے بعد میں منع کر دیا گیا) اور دوران طواف تلبیہ پڑھتے:

((قالو لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك اِلا شريكا هولك تملكه وما ملك)) (صحیح مُسلم ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 2815)

''کہتے اَے اللہ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں''۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو اِلٰہ تو مانتے تھے لیکن مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے۔

مشرکین کو شیطان نے کس بنا پر شرک میں مبتلا کیا تھا

شیطان نے باطل معبودوں سے محبت کی بنا پر اس دھوکہ میں مبتلا کیا تھا کہ یہ بھی پکار (یعنی دعا) کو سنتے اور مصیبت کو دور کرتے ہیں اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ ناراض ہوں گے۔اس لیے انھیں اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے جسے قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

☆ ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (سورہ یونس: آیت: 18)

''اور کہتے یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

☆ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

(سورۃ الزمر۔ آیت: 3)

''اور جن لوگوں نے بنا لیے ہیں اللہ کے سوا کارساز وہ کہتے ہیں ہم تو ان کی

عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کردیں۔''

یاد رہے مخلوق خدا کی خدمت اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ یہ وعید عبادت و پکار (یعنی دعا) اور غلط نظریات پر ہے۔

اصل حقیقت: کوہ صفا پر جب آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے فوج آرہی ہے تسلیم کروگے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا ہاں! آپ ﷺ صادق اور امین ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ لو کامیاب ہوجاؤ گے اس پر وہ سخت مخالف ہوگئے، برا بھلا کہنا شروع کیا، اور یہ کلمہ سُن کر چیخ اُٹھے جسے قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴾ (سورہ ص۔آیت:5)

''کیا (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

چنانچہ: عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ولید بن مغیرہ وغیرہ مل کر ابوطالب کے پاس آئے اور کہا!

﴿ان ابن اخیک قد سب الھتنا﴾ ''تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔''

(سیرت ابن ہشام۔جلد۔1)

یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مشرکین مکہ اللہ کی پکار کے منکر و مخالف نہ تھے بلکہ ''خدائے واحد'' کی پکار (یعنی دعا) کے مخالف تھے اور یہ ان کا بہت بڑا شرک تھا جو قرآن مجید نے بیان کیا! دوسرے لفظوں میں توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا اللہ ہے لیکن توحید الوہیت کے قائل نہ تھے یعنی عبادت اور دعا وغیرہ میں شرک کرتے تھے۔

مشرکین مکہ کے عقائد و اعمال کا خلاصہ: قرآن وسنت کے واضح دلائل اس پر گواہ ہیں کہ مشرکین مکہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق، مدبر امور، شہنشاہ کل، قادر مطلق، اقتدار اعلیٰ، مشکل کشا، دافع البلا، کاشف العذاب، موت وحیات پر قابض، عزت وذلت اور جزاء و

سزا دینے والا صرف اللہ ہے۔اسی لیے بڑی مشکلات میں صرف اللہ کو پکارتے تھے اور عام حالات میں اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارتے، نذر ومنت کرتے، انکے لئے قربانی کرتے۔

یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل عرب کو اپنی عبدیت اور خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار نہیں تھا۔ وہ خدا کو سب سے بڑا مانتے تھے لیکن خدا کے نیچے انہوں نے اور بھی بہت سے چھوٹے معبود بنا رکھے تھے جنہیں خدا کی مختلف صفات اور حقوق میں شریک ٹھہراتے تھے۔ جیسے صفت علم، قدرت وتصرف، بندگی اور اطاعت وغیرہ۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس سے اللہ کی بندگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متنبہ کیا کہ بندگی اور اطاعت خالص خدا کی ہونی چاہیے جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّـآ اَنْـزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ o اَلاَ لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ (سورۃ الزمر،آیت:3-2)

”بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے پس صرف اسی کی بندگی کرو اپنے دین (اطاعت یا طریقے) کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے ۔آگاہ ہو جاؤ کہ اطاعت خالص کا حقدار اللہ ہی ہے“

نوٹ: نبی ﷺ کا طریقہ، دین یا اطاعت بھی اللہ کی اطاعت میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿مَـنْ یُّـطِـعِ الـرَّسُـوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ﴾۔﴿جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی﴾۔

(۲)۔ اہل کتاب کا شرک

مشرکین مکہ سمیت دیگر اہل عرب سے اہل کتاب کی صورت حال بہتر تھی یہ آنحضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے سوا بہت سی دین کی بنیادوں کو تسلیم کرتے تھے۔اہل کتاب کے جن دو گروہوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے وہ یہود و نصاریٰ تھے۔ان کی بنیادی خرابیوں کی صورت حال کچھ یوں تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی محبت میں غلو:

عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی محبت میں اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی محبت میں حد سے تجاوز کیا۔ بعض لوگوں نے حلول کے تحت انہیں خدا کا اوتار یا ایک رخ قرار دیا۔ بعض نے خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض نے عقیدہ تثلیث کے تحت تین خدا (اللہ، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قرار دیئے اور کچھ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا قرار دیا۔ قرآن مجید نے ان کے شرکیہ عقائد کی تردید کی چنانچہ خداوند عالم نے فرمایا:

﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ﴾ (سورۃ التوبہ، آیت 30)

''اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ مسیح کو۔ یہ سب ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے۔ اللہ ان کو غارت کرے! یہ کہاں بہکے جاتے ہیں''۔

اسی طرح ان کے عقیدہ تثلیث کا ذکر (المائدہ: 75-72) اور حضرت مسیح کو عین خدا قرار دینا (المائدہ: 17) میں بیان ہوا۔

علماء اور راہبوں کی پوجا: عیسائیوں نے دین کو علماء اور راہبوں (درویشوں) کے حوالے کر کے حلت و حرمت کا اختیار انہیں سونپ کر بلا دلیل ان کی پیروی کی۔ چونکہ حلت و حرمت کا حق خدا کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو عین شرک قرار دیا، ارشاد ہوا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾

(سورۃ التوبہ آیت: 31)

''اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر اپنے علماء

اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم (علیھا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔''

اِسی آیت کی تشریح میں ایک بڑی زبردست حدیث موجود ہے جو ابلیس کی چال کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) روایت کرتے ہیں: قبول اِسلام سے پہلے جب میں نے یہی آیت سُنی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات کو دیکھے) اَپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟'' میں نے عرض کیا جی ہاں اَیسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔'' اِسی ایک جملہ پر (میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ) مطمئن ہو گیا اور فوراً اِسلام قبول کر لیا۔'' (والحمدللہ)

(جامع ترمذی ''ابوبُ التفسیر'' حدیث نمبر 3095، مُسند امام احمد حدیث نمبر 378/4)

یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر وہ حقوق واختیارات کسی کو دے دیئے جائیں جو خدا کے لیے مخصوص ہیں تو اس کو خدا تسلیم کر لیا گیا چاہے زبان سے اسے خدا کہا جائے یا نہ کہا جائے۔

وجہ: حد سے تجاوز اور آباء پرستی: ان لوگوں کے ہلاک ہونے کی بنیادی وجہ بھی حد سے تجاوز اور آباؤاجداد کی اندھی پیروی بنی جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (سورۃ المائدہ، آیت: 77)

''فرما دیجیے۔ اے اہل کتاب اپنے دین میں بے جا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور جو راہ راست سے بھٹک گئے''

معلوم ہوا خرابی کی اصل جڑ اندھا دھند پیروی یعنی اندھی اور جامد تقلید ہے۔

پاکی و برتری کا دعویٰ: اہل کتاب اس زعم میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ خدا کی برگزیدہ مخلوق ہیں، اس کے محبوب اور چہیتے ہیں اور جو خدا کے محبوب ہیں انکی اولاد میں سے ہیں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہ السلام)۔ ظالم شیطان نے انہیں اس خبط میں مبتلا کر دیا تھا کہ اتنی اکابر ہستیوں کی اولاد میں ہونا ہی خدا کے ہاں تقرب اور اس کی پکڑ سے نجات کے لیے کافی ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر خدانخواستہ ہم جہنم میں گئے بھی تو یہ آگ ہمیں چند دنوں سے زیادہ نہیں چھوئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط خیالات کی تردید یوں فرمائی۔

☆ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ (سورۃ النساء آیت: 49)

"ذرا ان کو دیکھو جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں: بلکہ اللہ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا"

☆ ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (سورۃ الجمعہ، آیت۔6)

"ان سے پوچھو! اے لوگو جو یہودی ہوئے! اگر تمھارا گمان ہے کہ دوسروں کے مقابل میں تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی طلب کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو"

جبت اور طاغوت پر ایمان: اہل کتاب کی ہلاکت کی ایک اور بہت بڑی وجہ تعلیمات الٰہی کو پس پشت ڈال کر جبت اور طاغوت کی پیروی بنی جسکا تذکرہ یوں ہوا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾ (سورۃ النساء، آیت: 51)

"ذرا ان کو دیکھو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا (اسکے باوجود) یہ جبت اور طاغوت پر

عقیدہ رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں‘‘

جبت سے مراد سفلی علوم جیسے: ٹونے ٹوٹکے، گنڈے، رمل، جفر اور سحر ہیں۔ طاغوت کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

طاغوت پر گرفت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر طاغوت کی پیروی کرنے کی وجہ سے شدید گرفت فرمائی اور انہیں مردود قرار دیا۔

﴿قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيۡهِ وَ جَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَ الۡخَنَازِيۡرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًاوَّ اَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ﴾ (سورۃ المائدہ، آیت: 60)

’’فرما دیجئے کہ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برا صلہ پانے والے اللہ کے نزدیک کون ہیں؟ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اسکا غضب ہوا اور جن کے اندر سے اس نے بندر اور سور بنائے اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ یہی لوگ ٹھکانے کے لحاظ سے بدتر اور اصل رستے سے دور کی گمراہی میں ہیں‘‘

چنانچہ مذہب کی تعلیمات جب ان کے نفس پر گراں گزریں تو یہ لوگ علوم سفلیہ میں منہمک ہوگئے۔ چونکہ ان علوم کا منبع شیطان ہے اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ جو لوگ ان علوم میں منہمک ہوں ان کا تعلق کتاب الٰہی سے ٹوٹ جائے اور ان میں مذہب کی اصل روح ختم ہوجائے۔ کسی قوم کے لئے یہ فتنے مذہب کی پاک تعلیمات سے دور کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبت پرستی کا حال یوں بیان فرمایا:

﴿وَ لَمَّا جَآءَ هُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ٥ وَ اتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوۡا الشَّيٰطِيۡنُ عَلٰى مُلۡكِ سُلَيۡمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ﴾ (سورۃ البقرۃ، آیت:102-101)

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول ان پیشن گوئیوں کا مصداق بن کر آیا جو ان کے پاس موجود ہیں تو ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی، اللہ کی کتاب کو اسطرح پیٹھ پیچھے پھینکا گویا اس سے آشنا ہی نہیں اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے، حالانکہ سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں ہی نے کفر کیا، یہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتاری گئی تھی''

(۳)۔منافقین کا شرک

ظاہری عقائد و افعال کے لحاظ سے منافقین پورے مسلمان تھے۔ ایمان کے تمام اجزاء توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے۔کلمہ شہادت پڑھتے، زکوۃ دیتے، حج کرتے اور غزوات میں بھی شریک ہوتے تھے۔آنحضور ﷺ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ان ساری باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی بات تسلیم نہیں کی اور ان کے لئے جہنم کی وعید سنائی۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ زبان سے تو ہر چیز کا اقرار کرتے تھے لیکن دل سے انکار کرتے تھے۔قرآن مجید نے جس بنا پر انہیں مشرک قرار دیا وہ تحاکم الی الطاغوت ہے۔

<u>تحاکم الی الطاغوت:</u> اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شرکیہ بیماری کا ذکر یوں فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا٥ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ (سورۃ النساء، آیت:61-60)

''کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں

جوآپ پر اتاری گئی ہے اوراس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہے لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ آپ سے کترا جاتے ہیں''۔

یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے طاغوت کا معنیٰ سمجھا جائے۔

طاغوت: یہ طغیٰ سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے احکامات کے خلاف اپنی پیروی کرائے وہ طاغوت ہے اور ایسا کرنا شیطان کی عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے ایسا کیا گویا جس کی اطاعت کی جارہی ہے اسے معبود قرار دے دیا۔

طاغوت کتاب الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی ضد کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ مذکورہ آیت میں طاغوت کے بالمقابل: ﴿تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ طاغوت سے مراد وہ حکام ہیں جن کے فیصلے کتاب الٰہی اور رسول ﷺ کے فیصلے کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے جس طرح اللہ کے اثبات سے پہلے لا الٰہ کی نفی ضروری ہے۔ پس جو چیز خدا کی بندگی واطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بن جائے وہ طاغوت کے حکم میں داخل ہے جیسے: شیطان، فرعون، نمرود، بت، ساحر، کاہن اور وہ حکام جو خدا کے حکم کے خلاف پیروی کروائیں۔ پس جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ پر عمل ہے تو اطاعت خواہ کسی طاغوت کی ہو رہی ہو اس سے اللہ کی عبادت میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اس دور کا بیان ہے جب مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور مسلمانوں کے تمام معاملات آنحضور ﷺ کی عدالت میں پیش ہو کر طے پانے اور نافذ ہونے لگے تھے لیکن ساتھ یہود کی متوازی حکومت بھی موجود تھی۔ چنانچہ منافقین یہودیوں سے اپنے تعلق قائم

رکھنے اور رشوتیں دے کر اپنے موافق فیصلے کرانے کی غرض سے یہودیوں کی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے۔ اسلئے اسکے بعد ان پر یہ واضح کر دیا گیا کہ جب تک یہ دل و جان سے اپنے تمام تنازعات میں آنحضور ﷺ کو حاکم تسلیم نہیں کر لیتے یہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جسکا تذکرہ یوں ہوا۔

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَہُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا o فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا﴾ (سورۃ النساء آیت۔65-64)

”اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے ا ور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں حاکم تسلیم نہ کر لیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر اسے سر بسر تسلیم کر لیں“

شفاعت کا غلط تصور

شفاعت شرک کا چور دروازہ ہے جس کے غلط تصور کی بنا پر ابلیس نے سابقہ اقوام کی آخرت کھوٹی کی۔ شفاعت کا غلط تصور کہ ہم زندگی جیسے چاہیں گزاریں بالآخر شفاعت سے چھٹ جائیں گے۔ اپنے اور اللہ کے مابین کسی مقرب ہستی: انبیاء علیہم السلام یا اولیاء و بزرگ حضرات کو ڈھال بنا کر اللہ سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارا کام انہیں خوش کرنا ہے اور اللہ سے بخشوانا ان کی کام ہے...... ہلاکت کی بنیادی وجہ ہے۔

امت مسلمہ کو اس ہلاکت سے بچانے کیلئے سورہ فاتحہ جیسا عظیم تحفہ دیا گیا، اور اسے ہر نماز بلکہ ہر رکعت کا لازمی حصہ بنایا گیا تا کہ انسان اپنی زبان سے تکرار کے ساتھ ہر رکعت میں قول و قرار کر کے مذکوہ

ہلاکت سے بچ جائے۔جیسا کہ ہم ہر رکعت میں یہ عہد و پیمان کرتے ہیں کہ:

﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ o﴾. ’’وہ (اللہ) بدلے کے دن کا مالک ومختار ہے‘‘

یعنی انسان اپنی زبان سے یہ عہد و پیمان کرتا ہے کہ ’’اُس دن بخشش کا سارا اختیار اللہ کے پاس ہوگا‘‘ سورہ فاتحہ میں کئے جانے والے قول وقرار کو ایک اور انداز میں قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ o﴾ (المومن:16)

’’یعنی جس روز سب لوگ بے نقاب ہوں گے، کسی کا کوئی راز اللہ سے چھپا نہ ہوگا، اس وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ جواب دیا جائے گا صرف اس ایک اللہ کی جو سب پر غالب ہے۔‘‘

شفاعت کے ضمن میں یہ دین کا ’’اصل مطلوب ومقصود‘‘ تھا جس کی اہمیت اجاگر کرنے کیلئے قرآن میں کثرت سے دیگر بہت سخت آیات بھی نازل کی گئیں۔اس اصل مطلوب ومقصود پر ’’اللہ کے اذن‘‘ کے ساتھ شفاعت کا کچھ ’’جواز‘‘ بھی دیا گیا ہے۔اب اس جواز کو تو اصل بنا لیا گیا ہے اور جو اصل مطلوب ومقصود تھا، جس پر کاربند رہنے پر بہت سختی بھی کی گئی، وہ ساری آیات کو پس پشت ڈال کر اُسی دھوکے میں ہم بھی مبتلا ہو گئے ہیں جس میں ابلیس نے سابقہ اقوام کو مبتلا کیا تھا، جس کی خبر نبی کریم ﷺ پہلے ہی دے چکے ہیں:

﴿لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتیٰ لو سلکوا جحر ضب لسلکتموه قلنا یا رسول اللہ الیهود والنصاری؟ قال فمن؟﴾

(بخاری ’’کتاب الاعتصام‘‘ رقم: 3456 ، مسلم، رقم: 6781)

’’یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول

اللہ ﷺ اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ مراد نہیں تو اور کون مراد ہیں۔ ؟ ''

اسی لئے قرآن مجید میں پروردگار نے شفاعت کے ضمن میں سابقہ اقوام کے باطل تصور کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

اُلٹا فیصلہ: اب صورت حال یہ ہے کہ شفاعت کے ضمن میں جو قرآن مجید کے بین دلائل کے مطابق نظریہ رکھے اسے غلط قرار دے دیا جاتا ہے اور جو قرآن کے بالکل برعکس نظریہ رکھے اسے حق پر تصور کیا جاتا ہے۔

حقیقت سے آگاہی کیلئے ہم پہلے سورہ فاتحہ میں کئے گئے قول قرار ﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴾ یعنی دین کے اصل مطلوب ومقصود پر شفاعت کے ضمن میں غلط نظریات کی تردید پر آیات دیکھیں گے، پھر اس کے بعد جواز پر آیات کو سمجھیں گے۔

نوٹ: ہماری تو دعا اور خواہش ہے کہ اللہ سب مسلمانوں کو بخش دے، لیکن اللہ کی بخشش قانون وضوابط کے تحت ہے۔ لہٰذا اس قانون کو سمجھ کر اللہ کی پکڑ کے قانون کی زد سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ورنہ اربوں کھربوں سال سے بڑی ابدی زندگی داؤ پر لگ جائے گی۔

باطل نظریات کی تردید پر آیات

پروردگار نے سابقہ اقوام کے باطل نظریات کو کھول کھول کر بیان فرمایا:

☆ ﴿وَ قَالَتِ الۡیَہُوۡدُ وَ النَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ .... ﴾

(سورۃ المائدہ:: آیت:18)

''اور یہود ونصاریٰ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب (چہیتے) ہیں۔''

☆ ﴿وَ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَہۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَo﴾

(سورۃ البقرہ:: آیت:80-82)

’’یہ لوگ کہتے ہیں ہمیں نہیں چھوئے گی آگ مگر گنتی کے چند دن۔ان سے پوچھو کہ تمھارے پاس اللہ کا کوئی عہد ہے؟ اللہ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں کرتا۔ بلکہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ کیوں نہیں جس کسی نے بھی برائی کھٹی اور اس بُرائی نے اس کا احاطہ کرلیا تو وہ دوزخی ہیں، رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال اختیار کیے، وہ جنتی ہیں جو جنت میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔‘‘

اس آیت کریمہ کا غلط مفہوم مسلمانوں کی بدترین اخلاقی گراوٹ اور بدعملی کی بڑی وجہ ہے۔اس آیت کریمہ کا غلط معنی یہ بیان گیا ہے کہ اس وعید کا اطلاق عقیدے کے بگاڑ پر ہے نہ کہ عملی بگاڑ پر اور عمل میں انسان خواہ کتنے ہی بڑے ظلم پر کاربند ہو وہ بخشا ہی جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں جو بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، وہ اتنی واضح ہے کہ اس میں کسی غلط فہمی کی دور دور تک گنجائش موجود نہیں، یعنی:

’’جس نے کوئی ایک بھی کبیرہ گناہ (شرک، والدین کے ساتھ بدسلوکی، قتل، چوری، ڈاکہ، ملاوٹ، دھوکہ دہی، سود کھانا، کبر، امانت میں خیانت، ناحق مال ہتھیانہ...... وغیرہ) دانستہ طور پر دیدہ دلیری سے زندگی میں اختیار کرلیا، اور وہ اسکی زندگی کا حصہ بن گیا اور بغیر توبہ اسی حالت میں فوت ہوگیا، تو وہ آگ سے نہیں نکل سکے گا۔ کیونکہ اس صورت حال میں انسان ایمان سے دور ہو جاتا ہے۔ تاہم اسکے باوجود بھی اسے ملت اسلامیہ سے خارج کر کے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ تاہم آخرت کا فیصلہ اللہ کی سپرد ہے، جو عین سچائی کی بنیاد پر ہوگا۔‘‘

مزید یہ کہ:

اگر کبائر کے متعلق مذکورہ قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، لوگ اگر ایک ایک کبیرہ

گناہ (قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، شراب، جوا، دھوکہ، ملاوٹ، بدعہدی، بددیانتی، امانت میں خیانت........وغیرہ) کواختیار کرلیں، تو کیا ایسے معاشرے میں جیا جاسکتا ہے؟

اس آیت کریمہ پر تفصیلی رہنمائی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''امت مسلمہ کا اخلاقی زوال''۔

☆ غلط نظریات اور بدعملی پر قائم رہنے کی وجہ یوں بیان کی گئی:

﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَ غَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ o﴾ (سورہ آل عمران:3: آیت:24)

''یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں تو نہیں چھوئے گی آگ مگر گنتی کے چند دن۔ ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں انکے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''

شفاعت کے غلط تصور کی پروردگار نے دوٹوک الفاظ میں یوں تردید کی:

☆ ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَo﴾ (سورۃ البقرہ:2:123)

''ڈرجاؤ اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی کے کچھ کام نہ آئے گا، نہ اس سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی شفاعت اسے کوئی فائدہ دے گی اور نہ ہی وہ مدد کئے جائیں گے۔''

☆ ﴿ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّ لَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ o﴾ (سورۃ البقرہ:2: آیت:48)

''ڈرجاؤ اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی کے کچھ کام نہ آئے گا، اور نہ ہی اس کی بابت شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اسکے عوض کوئی بدلہ لیا جائے گا اور نہ ہی وہ مدد کئے جائیں گے۔''

مسلمان ان آیات سے اس بنا پر صرف نظر کر جاتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے نہیں بلکہ کفار کیلئے ہیں۔ اگلی آیت میں اس شیطانی وسوسے کو بھی توڑ دیا گیا ہے۔ خالق نے اہل ایمان کو تنبیہ کی:

☆ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ وَ الۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ o ﴾ (سورۃ البقرہ:2: آیت:254)

''اے اہل ایمان! خرچ کرلو اس میں سے جو تمھیں رزق دیا گیا اس سے قبل کہ وہ دن آجائے جس دن نہ کوئی سودے بازی ہوگی، اور نہ ہی کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی شفاعت اور ظالم درحقیقت وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔''

یہاں پروردگار نے تین باتوں کی مکمل نفی فرمادی ہے کہ، بروز قیامت:

(۱)۔کوئی سودے بازی نہیں ہوگی یعنی باہم نیکیوں اور گناہوں کی تقسیم کرنا ممکن نہ ہوگا، (۲)۔بخشش اعمال کی بنیاد پر ہوگی نہ کہ دوستی یاری کی بنیاد پر، (۳)۔شفاعت کسی کام نہ آئے گی۔

اس آیت کے تحت مولانا مودودی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''یہاں کفر کی روش اختیار کرنے والوں سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت سے انکار کریں اور اپنے مال اسکی خوشنودی سے عزیز تر رکھیں۔یا وہ لوگ جو اس دن پر اعتقاد نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا خوف دلایا گیا ہے۔یا پھر وہ لوگ جو اس خیالِ خام میں مبتلا ہوں کہ آخرت میں انہیں کسی نہ کسی طرح نجات خرید لینے کا اور دوستی وسفارش سے کام نکال لے جانے کا موقع حاصل ہو ہی جائے گا۔'' (تفہیم القرآن)

☆ شفاعت کی نفی: درج ذیل کبائر کو اختیار کرکے بغیر توبہ واصلاح انہیں پر مرجانے پر شفاعت کی نفی کردی گئی۔اہل دوزخ سے دوزخ میں جانے کی وجہ پوچھی جائے گی تو وہ جواب دیں گے:

﴿ مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ o قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ o وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ o وَكُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ o وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ o حَتّٰٓى اَتٰٮنَا الۡيَقِيۡنُ o فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ o ﴾ (سورۃ المدثر:74:42-48)

''کس چیز نے تمہیں دوزخ میں ڈالا؟ وہ جواب دیں گے کہ: ہم نمازی نہ تھے، نہ مسکینوں کو

کھانا کھلاتے تھے، اور کٹ حجتیاں کرتے تھے کٹ حجتیاں کرنے والوں کے ساتھ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ آ گئی ہمیں موت۔ سو نہ فائدہ پہنچائے گی انہیں اب شفاعت، شفاعت کرنے والوں کی۔"

یعنی نماز کو ترک کر دینا، جہاں انفاق کرنا ناگزیر ہو وہاں بھی خرچ نہ کرنا جیسے روٹی سے محروم بھوکے مساکین کو روٹی کھلانے کی رغبت نہ ہونا، دین میں کٹ حجتیوں، کٹ بحثوں، تمسخر اور ناشائستہ فضول گپ شپ میں وقت کو برباد کرنے اور روزِ جزا کو جھٹلانے پر شفاعت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ طرز عمل وہی اختیار کر سکتا ہے جسے اخروی محاسبے کا خوف نہ ہو۔ اس طرز عمل پر رہنا ہی درحقیقت روز جزا کو جھٹلانا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی ایسے لوگ جنھوں نے مرتے دم تک یہ روش اختیار کیے رکھی ہو انکے حق میں اگر کوئی شفاعت کرنے والا شفاعت کرے بھی تو اسے معافی نہیں مل سکتی۔" (تفہیم القرآن)

مذکورہ حوالے سے نبی کریم ﷺ کو مخاطب فرما کر باطل نظریات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، فرمایا:

نبی کریم ﷺ کو مخاطب فرما کر باطل نظریات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، فرمایا:

☆ ﴿اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَیۡهِ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِی النَّارِ۝﴾ (الزمر۔ آیت:19)

"(اے نبی!) اس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس پر عذاب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو، کیا آپ اُسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟"۔

اس آیت کے تحت مولانا مودودی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"یعنی جس نے اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق بنا لیا ہو اور اللہ نے فیصلہ کر لیا ہو کہ اسے اب سزا دینی ہے۔" (تفہیم القرآن)

☆ ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا o قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا o اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا o ﴾ (الجن:21-23)

''(اے نبی) فرمادیجئے نہیں اختیار رکھتا میں تمھارے لئے کسی نقصان کا اور نہ کسی بھلائی کا۔ ہرگز نہیں بچا سکتا اللہ کی گرفت سے مجھے کوئی اور، ہرگز نہیں پاتا میں اسکے سوا کوئی جائے پناہ۔ مگر میرا کام نہیں سوائے اسکے کہ پہنچاؤں بات اللہ کی طرف سے اور اسکے پیغامات۔ تو جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اسکے رسول کی تو یقیناً ہے اسکے لئے جہنم کی آگ جس میں رہے گا ہمیشہ ہمیش۔''

قابل غور! اس آیت کریمہ میں شفاعت کی بابت قرآن کے بیان کردہ نظریات کے خلاف غلط نظریات رکھنے والوں پر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کا فتویٰ صادر کیا گیا ہے۔ یعنی رسول ﷺ کی پیروی کی اولین بنیاد قرآن حکیم ہے۔

اگر کوئی سوچے تو مذکورہ آیت کریمہ میں شیطان سے بچنے کی پوری رہنمائی موجود ہے۔

☆ وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o (انعام۔آیت:17)

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

☆ ﴿ قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ﴾ (الزمر۔آیت:44)

''(اے نبی) فرمادیجیے کہ ساری کی ساری شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

اسی بات کو آپ ﷺ نے یوں بیان فرمایا، بلکہ اِن کلمات کو آپ ﷺ ہر نماز کے بعد پڑھتے:

﴿ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک

الجد﴾ (بُخاری ''کتاب الاذان'' رقم:844 مسلم:1342)

''اے اللہ جس کو تُو دے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تُو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی۔''

☆ ﴿ وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَ لَا يَنۡفَعُهُمۡ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ ﴾ (یونس:18)

''وہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں، وہ (خودساختہ معبود) تو انہیں کوئی نقصان یا نفع نہیں دے سکتے۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں یہ تو سفارشی ہیں ہمارے اللہ کے ہاں۔ ان سے پوچھئے، کیا تم اللہ کو وہ خبر دیتے ہو جس کے بارے میں اللہ کو علم نہیں زمین و آسمان میں۔ وہ اللہ تو پاک ہے، اس شرک سے جو وہ لوگ اسکے ساتھ کرتے ہیں۔''

یہاں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین کی اپنے معبودوں کی پوجا پاٹ کی ایک وجہ یہ تھی کہ انکے معبود انکی شفاعت کریں گے۔

کفار کا ردعمل: شرک سمیت شفاعت کی بابت غلط نظریات کی ہلاکت سے انسانیت کو بچانے کیلئے پروردگار کی مذکورہ سختی پر کفار نے حقیقت تسلیم کر کے اپنی اصلاح کرنے کی بجائے اپنا ردعمل یوں ظاہر کیا:

﴿ وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝ ﴾ (یونس:15)

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر روشن آیات، تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہیں ہمیں ملنے کی امید نہیں کہ لاؤ کوئی اور قرآن یا اس میں کچھ تبدیلی (نرمی) پیدا کرو۔ (اے نبی) ان

پر واضح کر دیجئے کہ نہیں ہے یہ میرا اختیار کہ میں اس میں تبدیلی پیدا کردوں اپنی طرف سے۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر (بالفرض) میں بھی اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے خود بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق ،الا ماشاء اللہ مسلمانوں کی صورت حال بھی کوئی زیادہ مختلف نہیں۔اول تو مسلمان ویسے ہی قرآنی احکامات سے بے بہرہ ہیں اوراپنے ذہن کے خلاف حق بات سے آگاہ ہونا ہی نہیں چاہتے۔لیکن اگراپنے خودساختہ غلط نظریات کے خلاف کوئی بات سامنے آ ہی جائے تو بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اللہ کی بات کی غلط تاویل وتحریف کے ذریعے اسے اصل معنی سے ہٹا دیتے ہیں۔ شفاعت کے تناظر میں قرآن مجید کی اس سختی کی بنا پر بعض نے سرے سے شفاعت کا انکار کر دیا ہے، جبکہ بعض نے آیات سے چشم پوشی ،غلط تاویل وتحریف کی بنا پر حد سے تجاوز کرتے ہوئے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ حقیقی اہل ایمان تو وہ ہوتے ہیں جن کا ایمان قرآن کے حقائق سامنے آنے پر مزید بڑھ جاتا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝﴾ (انفال:2:8)

''مومن تو وہی ہیں جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات کو پڑھا جائے تو انکے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے،اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

یہاں تو الا ماشاء اللہ قرآن کے حقائق کو تسلیم کرنے کیلئے لوگ آمادہ ہی نہیں ہوتے ،لیکن بوقت موت یہ سارے حقائق ہم پے کھل جانے ہیں۔اس وقت ہم روئیں گے، چلائیں گے لیکن کیا فائدہ۔!

شفاعت کے ضمن میں پروردگار کے اصل مطلوب ومقصود پر آیات سے آگاہی کے بعد،اب ہم شفاعت کے جواز پر آیات سمجھتے ہیں۔

جواز پر آیات

☆ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِه﴾ (البقرہ۔آیت:255)

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس سے شفاعت کر سکے؟“

یعنی جواز بھی سختی کی شکل میں ہے کہ کس کی مجال کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی اس دن اللہ سے بات کر سکے۔

☆ ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًاo﴾ (طٰہٰ:159)

”اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔“

☆ ﴿ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًاo ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا o﴾(النباء۔9۔38)

”جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک کرے۔“

یعنی اسی کے حق میں شفاعت کی دعا کرے جو بخشے جانے کے قابل ہے نہ کہ مجرموں کیلئے شفاعت کی جائے۔

☆ <u>مقام محمود:</u> پروردگار نے فرمایا:

﴿وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o﴾(بنی اسرائیل:79:17)

”(اے نبی!) رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز ادا کرو (قرآن کی تلاوت کے ساتھ) یہ اضافہ ہے آپکے لئے۔ عنقریب آپکا رب آپکو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔“

مقام محمود یعنی سراہا گیا، تعریف کیا گیا، قابل تعریف، قابل ستائش مقام۔ یہ قابل تعریف مقام ہے جس پر بروز قیامت ہمارے پیارے رسول ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب شروع ہوگا۔

دنیا میں تو لوگوں کی اکثریت نبی کریم ﷺ کی بات نہیں سنتی تھی ،جس پر آپ ﷺ بعض اوقات دلبرادشتہ بھی ہوجاتے تھے۔لیکن پروردگار نے بروز قیامت آپ ﷺ کے اس بلند مقام کا ذکر فرمایا ہے جس دن لوگوں کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف کا ترانہ ہوگا اوراس مقام پر اگلے اور پچھلے سارے لوگ رشک کریں گے۔ میدان محشر میں اللہ کے شدید غضب اور کرب کی حالت میں انبیاء علیہم السلام سمیت تمام لوگ نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گےاور حساب کتاب شروع کروانے کیلئے لوگ ہر نبی کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ سے سفارش کرے۔لیکن ہر نبی معذرت کرلے گا اور اگلے نبی کی طرف بھیج دے گا۔ پھر آخر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کی طرف بھیجیں گےتو آپ ﷺ نے فرمائیں گے:

’’میں (میدان حشر سے) چلوں گا اورعرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا۔اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمدوثنا کے وہ کلمے میرے دل میں ڈال دیں گے جو اسے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلائے۔ پھر ارشاد ہوگا، اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھائیں اورسوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا،سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔‘‘ (بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب ذریۃ من حملنا مع نوح)

دلائل کی روشنی سے یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ نہ تو آپ ﷺ کسی کی غلط سفارش کریں گےاور نہ ہی ایسی سفارش کی اجازت ملے گی۔

<u>دونوں قسم کی آیات:</u> تردید وجواز دونوں قسم کی آیات پیش نظر رکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ تردید پر بہت زیادہ سختی ہے۔ کیونکہ شفاعت کے غلط تصور کے ذریعے سے ہی شیطان نے اپنا کام نکالنا تھا۔ بہرکیف جواز بھی موجود ہےاس سے بھی انکار نہیں کرنا۔ بات جیسے ہے اسے اسی طرح

ماننا ہے۔ مسئلہ یہ ہوا ہے کہ تردید کو پس پشت ڈال کر فراموش کر دیا ہے اور جواز کو اصل بنا کر شراکت کا ارتکاب کر کے شیطان کو دعوت دے دی ہے۔

شفاعت کا انکار کرنے والوں کا نقطہ نظر

شفاعت کے ضمن قرآن کی مذکورہ شدید سختی اور دیگر آیات کے تحت قرآن کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے، بعض لوگوں نے اذن کے ساتھ شفاعت کے جواز کو بھی درست نہیں سمجھا۔ ان کا نکتہ نظر یہ ہے کہ: **الا باذنه** (یعنی سوائے جس کو اذن دیا جائے) کے ساتھ درحقیقت کفار کو جواب دیا گیا ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تو شدید غضب کے اس دن میں کوئی اللہ سے بات بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کوئی کسی کی شفاعت کرے۔ یعنی استفہامِ انکاری کے اسلوب میں شفاعت کی نفی کی گی ہے، جیسے فرمایا:

﴿اَفَـمَـنْ حَـقَّ عَـلَيْـــهِ كَـلِـمَةُ الْـعَذَابِ اَفَـاَنْـتَ تُـنْـقِذُ مَـنْ فِـى النَّارِ٥﴾ (الزمر۔ آیت:19)

''(اے نبی!) اس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس پر عذاب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو، کیا آپ اُسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟''۔

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَـغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم٥ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ... ﴾ (المائدہ: 118)

''اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور تُو انہیں بخش دے تو بے شک تُو غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا یہ تو وہ دن ہے جس دن سچوں کو انکی سچائی ہی فائدہ دے گی۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اُصولی جواب دیں گے کہ اس دن یہاں شفاعت کی بجائے، عقیدہ وعمل ہی کام آئے گا۔

مزید یہ کہ دیگر آیات کی طرح درج ذیل آیت کریمہ میں بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے:

﴿وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ٥﴾ (زخرف:43: آیت:86)

''جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، مگر جو حق کی گواہی دیں اور وہ جانتے بھی ہوں (یعنی گواہی علم کی بنیاد پر ہو)۔''

یعنی شفاعت کرنے کیلئے شفاعت کیے جانے والے کی زندگی کے شب و روز، خلوت و جلوت، سینوں کے راز..... کا پورا تفصیلی علم چاہیے۔ اور ظاہری بات ہے کہ علم کی مذکورہ صفت صرف ''الہٰ'' کی ہے نہ کہ مخلوق کی۔ چنانچہ بروز قیامت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کھڑا کر کے انکی امت کے شرک کرنے کی بابت سوال کریں گے، تو وہ امت کے افعال سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ میں تو ان میں موجود رہنے تک گواہ ہوں، اسکے بعد کی مجھے کوئی خبر نہیں:

﴿...... وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ٥﴾ (المائدہ: 117)

''میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں موجود رہا۔ پھر جب تُو نے مجھے اٹھا لیا تو تُو ہی ان پر مطلع رہا۔ اور تُو ہر چیز پر گواہ ہے۔''

مزید یہ کہ اللہ کے اذن و مشیت کے حوالے سے ایک مزید نکتہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ:

قرآن کا ایک اہم اسلوب یہ ہے کہ کہ جب کوئی قانون بیان کیا جائے تو اس جملے میں (الا باذنه یا الا ماشاء الله) سے اس قانون کا کوئی استثناء نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت اور حکومت کا بیان ہوتا ہے، جسے ''الا منقطع'' کہا جاتا ہے۔ اور اس ''الا'' کے بعد جو مضمون آتا ہے وہ پہلے بیان کردہ قانون کو ہی تقویت دیتا ہے، جیسے فرمایا گیا:

﴿سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی ٥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ٥﴾ (سورۃ الاعلیٰ:87:6-7)

''ہم تجھے پڑھائیں گے تو پھر آپ نہ بھولیں گے، مگر جو کچھ اللہ چاہے، وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔''

یعنی اگر اللہ چاہے تو بھلا دے۔ یعنی آپ ﷺ ہرگز نہیں بھولیں گے بلکہ یاد رکھیں گے لیکن اللہ نے اپنی طاقت وقدرت کا بیان کیا ہے کہ اگر یاد رکھنے پر اللہ کی ہی تائید نہ ہو، تو پھر الگ بات ہے۔ یہی اسلوب سورہ اعراف، آیت: ۸۹ میں اور کئی دیگر آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

نتیجہ: بلاشبہ مذکورہ استدلال میں بھی وزن ہے۔ لیکن شفاعت پر اذن کی آیات پر غور کیا جائے تو جائز شفاعت کے تصور کا جواز بھی موجود ہے، جیسے فرمایا:

☆ ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِىَ لَهٗ قَوْلًاo﴾ (طٰہٰ:159)

''اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔''

☆ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًاo ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا o﴾ (النباء۔9۔38)

''جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک کرے۔''

یعنی جس کو رحمٰن اجازت دے، اور شفاعت کی بابت، اللہ جسکی بات کو پسند فرمائے اور وہ بات بھی درست کرے یعنی حقیقی اہل ایمان فرمانبرداروں کے حق میں شفاعت کی دعا کرے۔ باقی جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ، کسی کی خلوت وجلوت کے بارے میں یقینی اور کلی علم، اللہ کے سوا کسی کو نہیں، تو اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرآن حکیم سے شفاعت کا جو حقیقی تصور سامنے آتا ہے، وہ کسی کے ایمان وتقویٰ کی گارنٹی دے کر، اسکی شفاعت کا استحقاق نہیں۔ بلکہ یہ تو حقیقی اہل ایمان کی بابت اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ، جو بھی فرمانبردار ہیں انکی بخشش کیلئے اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے جو بطور

اعزاز دی گئی ہے، جسے اللہ تعالیٰ حقیقی اہل ایمان کے حق میں قبول فرمائیں گے۔لہٰذا شفاعت کے اس جائز تصور کا جواز قرآن میں موجود ہے۔

قرآن مجید سے نتیجہ

قرآن یقینی صداقت اور حرف آخر ہے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا اولین منبع بھی قرآن حکیم ہے۔جس نے قرآن کی صراحت کو ماننے میں تردد کیا وہ ایمان سے دور ہو کر ابدی ہلاکت کا شکار ہو گیا۔چنانچہ شفاعت کے ضمن میں روایات سے وضاحت سے قبل،اس حوالے سے قرآنی آیات سے اخذ ہونے والا نتیجہ ذہن نشین کرلیں، جو کہ یہ ہے:

''بروز قیامت ایمان اور عمل کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا نہ کہ نسبت اور تعلق داری پر۔اس دن بخشش کا سارا دارومدار اللہ پر ہوگا۔اللہ کی بارگاہ میں کسی کیلئے شفاعت کی دعا صرف وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔اجازت بھی صرف انہیں کو ہی ملے گی جو بات بھی درست کریں یعنی نافرمانوں کے حق میں دعا کرنے کی بجائے، نیک لوگوں کے حق میں اللہ سے دعا کریں۔شرک سمیت دیگر کبائر میں ملوث لوگوں کیلئے ہرگز کوئی شفاعت نہ ہوگی۔دعائے شفاعت کا دروازہ ہمارے پیارے رسول ﷺ پر کھلے گا اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بلند مقام یعنی مقام محمود (تعریف کیا گیا) پر فائز فرما کر انبیاء علیہم السلام کو حقیر جاننے ،دولت وشہرت پر گھمنڈ کرنے والے کفار و مشرکین پر ایمان و اسلام کی حقیقت آشکارا کردیں گے۔''

یعنی:

(i) شفاعت اللہ جل جلالہ کے اِذن سے ہوگی

(ii) اسی کی ہوگی جس کے اعمال اس قابل ہوں گے کہ اسکی شفاعت کی جاسکے

(ii) اُسی کی ہوگی جس پر اللہ جل جلالہ راضی ہوں گے۔

اگر مذکورہ بالا شرائط کو ہٹاتے ہوئے حد سے تجاوز کیا جائے تو عقیدہ آخرت کی نفی لازم آئے گی

کہ دنیا میں جس طرح چاہیں زندگی گزاریں بالآخر ہمیں اللہ کی پکڑ سے چھڑا لیا جائے گا۔

عقل و بصیرت کی رُو سے

شفاعت کے ضمن میں روایات سے استفادہ سے قبل عقل و بصیرت کی رو سے دیکھا جائے تو:

(۱)۔شفاعت کے غلط تصور سے قیامت کے جزا و سزا اور اللہ کے عادل ہونے کا تصور مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۲)۔اگر کسی طالب علم کا پرچہ کسی اور نے دینا ہو تو کیا وہ طالب علم امتحان کی تیاری کرے گا؟

(۳)۔جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مجھے اللہ کے سوا کسی اور نے بخشوا لینا ہے، کیا اسے:

- تعلق باللہ نصیب ہو سکتا ہے؟
- وہ گناہوں سے کنارہ کش ہو کر عمل صالح پر کاربند رہ سکتا ہے؟

(۴)۔کیا اللہ کے سوا مخلوقات کے تمام احوال سے ہر لمحہ کوئی باخبر رہ سکتا ہے اور زندگی بھر کے پورے تفصیلی ریکارڈ کی پوری خبر رکھ سکتا ہے، جو بروز قیامت کسی کی پاکبازی کی گارنٹی دے سکے؟

(۵)۔فرض کریں بروز قیامت ایک گروہ جس نے جرم کئے، اسکو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور ایک اور گروہ جس نے دوزخ میں ڈالے جانے والے گروہ سے بھی بڑے جرم کئے ہوں، اُسے کسی کی شفاعت سے جنت کا پروانہ مل جائے، تو پہلے گروہ کو دوزخ میں ڈالنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے۔؟

(۶)۔وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا، تمام نعمتیں عطا کیں، بخشش و شفاعت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ سمجھ کر اسکی بندگی اختیار کرنا وفاداری ہے یا اسکے برعکس اللہ سے بے نیاز ہو کر دوسروں کو بخشش و شفاعت کا اختیار دے کر ان پر بھروسہ کرنا وفاداری ہے۔؟

معلوم ہوا کہ عقل و بصیرت کی رُو سے بھی شفاعت کے غلط تصور کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔

احادیث سے رہنمائی

نبی کریم ﷺ کا حکم مبارک بھی حجت اور حرف آخر ہے، لیکن جو بات ہم تک پہنچ رہی ہے، اسکی تصدیق کیلئے کہ واقعی یہ حضور ﷺ کی بات ہے یا نہیں؟ محدثین نے ''صحتِ روایت'' پر جہاں جرح وتعدیل (اسماء الرجال، سند میں موجود راویوں کی چھان پھٹک) کے سخت ضوابط مقرر کیئے، وہیں ''درایت ومتن''، یعنی عبارت کے درست ہونے پر بھی سخت اصول بنائے گئے۔ صحابہ کرامؓ سے روشنی لیتے ہوئے، درایت ومتن کے اصولوں کی بنیاد ''امام ابوحنیفہؒ '' نے رکھی جنہیں امام جعفر صادقؒ، امام مالکؒ نے اور اسکے بعد دیگر محدثین نے اپنایا۔ درایت کے ان اصولوں کی ایک اہم بنیاد یہ تھی کہ عبارت قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے دیگر صحیح السند فرامین، سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے اس اصول کے مطابق، روایت کی سند درست ہونے کے باوجود بھی قابل قبول نہ ہوگی اگر وہ قرآن اور سنت مشہورہ کے خلاف ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا خلق مبارک یعنی طرز عمل قرآن ہے (کان خلقہ القرآن) اور قرآن کا ابلاغ ہی آپ ﷺ کا نصب العین ہے۔ آپ ﷺ قرآن کے خلاف کیسے بات کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ایسی بات آتی ہے تو ظاہر ہے وہ آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب ہوگی۔ بات راویوں پر ہی جاتی ہے۔ غلط راوی بھی سند کے فلٹر کو پاس کر سکتے ہیں اور سچے راویوں کو بھی خطا لگ سکتی ہے، کیونکہ وہ معصوم نہیں۔

اس بنیادی وضاحت کے بعد، اگر روایات کو دیکھا جائے تو ہر قسم کی روایات موجود ہیں، یعنی عین قرآن کی ترجمان بھی اور اس سے ہٹ کر بھی۔ پہلے وہ رویات ملاحظہ کرتے ہیں جو قرآن کی موید (تائید میں) ہیں:

قرآن کی تائید میں روایات

(ا)۔ <u>شفاعت صرف شرک سے پاک لوگوں کی ہوگی:</u> ، رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''ہر پیغمبر کی ایک دُعا لازماً قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی مستجاب دعا مانگنے میں جلدی

کی اور اُنھوں نے اپنی دُعا دنیا میں ہی مانگ لی ،مگر میں نے وہ دعا اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں محفوظ کر لی ہے۔میری وہ دُعا اُمت کے ہر اس شخص کو نصیب ہوگی:((من مات من امتی لا یشرک باالله شیئا)) ''جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ جل جلالہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنایا''

(صحیح بُخاری:6304، مُسلم)

(۲)۔ ''بروز قیامت سب سے زیادہ شفاعت سے فیضیاب وہ شخص ہوگا جو سچے دل سے:لا الٰہ الا للہ کہے گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب العلم، رقم:99)

زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا تو بہت آسان ہے لیکن اس کلمہ کو تسلیم کرنا کوئی آسان کام نہیں، جو اس کلمے کو حقیقی معنوں کو تسلیم کر جائے، وہ واقعی شفاعت کا حقدار بن جاتا ہے۔

اس کلمے کی تفہیم کیلیئے دیکھئے ہماری تحاریر: ''توحید کا جامع تصور''

(۳)۔ اہل بدعت کی شفاعت سے محرومی:

بدعت یعنی نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو تبدیل کر کے شریعت سازی کا مرتکب ہونا بھی ایسا جرم ہے کہ جس پر انسان شفاعت سے محروم ہوجائے گا۔اس فعل پر نبی کریم ﷺ نے انتہائی سخت تنبیہات نازل فرمائیں، ارشاد فرمایا:

''جو شخص یہاں (مدینہ میں) کوئی بدعت جاری کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔'' (متفق علیہ)

شفاعت تو دور کی بات ہے بروزِ قیامت نبی کریم ﷺ بدعتیوں سے شدید بیزاری کرتے ہوئے انہیں حوض کوثر کے پانی سے بھی محروم کر دیں گے۔جیسا کہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں حوضِ کوثر پر تمھارا پیش رَو ہوں گا، جو وہاں آئے گا پانی پیئے گا اور جس نے ایک بار پی لیا

اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے۔ پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا اے محمد(ﷺ) آپ نہیں جانتے آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی بدعتیں رائج کیں۔ پھر میں بھی کہوں گا (**سحقا سحقا لمن غیر بعدی**)۔ دوری ہو دوری ہو ان سے جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔'' (بخاری رقم:6583: مسلم:2290)

نوٹ: یہاں صحابہ سے مراد وہ نئے اسلام میں داخل ہونے والے لوگ ہیں، جن میں ایمان ابھی پوری طرح راسخ نہ ہوا تھا، جن میں سے بعض نے زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

(۴)۔ حقوق العباد میں حق تلفی پر شفاعت نہ ہوگی: بروز قیامت حقوق العباد میں حق تلفی کرنے والوں کی شفاعت نہ ہوگی، رسولُ اللہ ﷺ کا واضح اعلان:

''میں تم میں سے کسی کو بھی قیامت کے دن اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ چلا رہی ہو یا اسکی گردن پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ چلا رہا ہو اور وہ شخص مجھ سے کہے کہ: ((**یا رسول اللہ اغثنی**)) اے اللہ کے رسول ﷺ میری مدد فرمائیے، ((**فا قول لا املک لک شیئاً، قد ابلغتک**)) تو میں کہ دوں گا کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتا، میں تو اللہ کا پیغام تم تک پہنچا چکا۔'' (صحیح بخاری:3073، مسلم)

اس ضمن میں درج ذیل مزید روایات بھی ملاحظہ فرمائیں:

i۔ درج ذیل روایت کی روشنی میں ایک صحابی جس نے غزوہ خیبر میں کفار کے ساتھ لڑتے ہوئے اپنی جان دے دی لیکن وہ محض ایک چادر چوری کرنے کی وجہ سے جہنم میں چلے گئے:

''جب خیبر والا دن ہوا (یعنی جنگ خیبر ہوئی) تو اصحاب رسول میں سے کچھ آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شہید ہے، حتیٰ کہ ایک آدمی کے پاس سے وہ گزرے تو کہا: فلاں بھی شہید ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، میں نے ایک چادر کی

وجہ سے، جو اس نے چرائی تھی، اسے جہنم میں دیکھا ہے۔" (مسلم، الایمان، رقم:114)

ii۔ "جو شخص وارث کو میراث سے محروم کردے گا تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسکو جنت کی میراث سے محروم کردے گا۔" (ابن ماجہ:2703)

یعنی وراثت ہتھیانے والوں کی نہ بخشش ہوگی اور نہ شفاعت۔

iii۔ درج ذیل روایت کی روشنی میں جھوٹی قسم کے ذریعے کسی کا حق غصب کرنے پر جہنم واجب اور جنت حرام ہوجائے گی، یعنی نہ بخشش ہوگی اور نہ ہی شفاعت۔

"جس نے کسی مسلمان آدمی کا حق قسم کے ذریعے سے قطع کرلیا (ناحق لے لیا) یقیناً اللہ نے اس پر جہنم کی آگ واجب اور جنت حرام فرمادی۔ ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول چاہے وہ تھوڑی سی چیز ہو؟ فرمایا: اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی ہو۔"

(مسلم، الایمان:137)

جنت حرام ہونے کا مطلب ہے، جنت میں داخلے کا امکان ختم ہوگیا۔

(۵)۔ <u>بے عملی و نافرمانی کی راہ پر شفاعت نہ ہوگی:</u> آپ ﷺ نے اپنی عظیم بیٹی سیدہ فاطمۃ الزاہرہ رضی اللہ عنہا سمیت اپنے خاندان کو متنبہ فرمایا:

"قریش کی جماعت اپنی جانوں کو بچاؤ، میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا، بنو عبدمناف! میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا، عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا، رسول اللہ (ﷺ) کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا، فاطمہ بنت محمد! (ﷺ) میرے مال میں سے جو چاہو لے لو، میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔" (بخاری، کتاب الوصایا، مسلم۔۵۰۱)۔

قابل غور: وہ وسوسہ بھی ختم ہوگیا کہ قرآن کی شفاعت پر تردید و سختی صرف کفار کیلئے ہے۔ جنہیں پیارے رسول ﷺ متنبہ فرما رہے ہیں وہ تو آل رسول ﷺ ہیں۔

(۶)۔ <u>معیار تقویٰ ہے نہ کہ حسب ونصب:</u> نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

''جس کو اسکا عمل پیچھے چھوڑ گیا اسکا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا)

یعنی حسب ونصب اور نسبت اسی وقت فائدہ دیتی ہے جب اطاعت وفرمانبرداری ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر جب امامت کا تاج رکھا گیا تو انھوں نے اپنی اولاد کے متعلق یوں عرض کی:

﴿وَ اِذِابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ﴾ (البقرہ:2:124)

''اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں، تب فرمایا رب نے کہ بے شک میں بنانے والا ہوں تمھیں لوگوں کا امام۔ عرض کیا، کیا میری اولاد میں سے بھی امام بنایا جائے گا؟ ،فرمایا: ظالموں کیلئے میرا کوئی وعدہ نہیں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسے بلند مرتبہ پیغمبر کے حوالے سے اللہ کے قانون کی یہ صورت حال ہے تو پھر غیر نبی کیلئے گنجائش کہاں؟ اللہ نے بغیر تقویٰ جب پیغمبرزادگی کی جڑ کاٹ دی ہے، تو پھر بغیر تقویٰ پیرزادگی اور صاحبزادگی کی رب کے ہاں کیا حیثیت ہوگی......؟

(۷)۔((لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر)) (مسلم، الایمان، رقم:91)

''وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔''

تکبر سے مراد حق بات کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

برعکس روایات

محکم آیات کی روشنی میں واضح قرآنی ضابطے اور اسکی تائید میں پیش کی گئیں کئی روایات سے ہٹ کر بہت سی دیگر روایات بھی ہیں جن سے نہ تو قرآنی احکامات اپنی جگہ پر قائم رہ پاتے ہیں اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے قرآن کے موید فرامین ہی۔ درایت ومتن (یعنی قرآنی احکامات اور قرآن کے موید سنت مصطفیٰ ﷺ) کو خیر باد کہنے اور بلا تطبیق ایسی روایات کو حتمی معیار بنا کر بخشش وشفاعت کے غلط

تصور کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جانا ،مسلمانوں کے اخلاقی زوال اور بد عملی کی بنیادی وجہ ہے۔اسی بنا پر ابلیس نے مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں تاریک کی ہیں۔

نـــوٹ: نبی کریم ﷺ قرآنی ضابطہ سے ہٹ کر بات کریں، ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا، ظاہر ہے ،بات راویوں پر ہی جاتی ہے۔غلط راوی بھی سند کے فلٹر کو پاس کر سکتے ہیں اور سچے راویوں کو بھی خطا لگ سکتی ہے۔یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس قسم کی روایات پر کلام نبی کریم ﷺ کی بات پر کلام نہیں (نعوذ باللہ آپ ﷺ کی بات پر کلام کرنے کا تو کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم آپ ﷺ کے فرمان پر کلام کریں) بلکہ متن و درایت کے اصولوں کی روشنی میں راویوں پر کلام ہے، جو کہ صحابہؓ،تابعین اور تبع تابعین کے ادوار سے چلتا آرہا ہے،تا کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ منسوب کرنے سے بچا جاسکے۔جسکی بنیاد امام ابو حنیفہؒ نے اسوہ صحابہؓ کی روشنی میں رکھی۔لیکن افسوس کہ امت امام مالکؒ کے بعد اس عظیم اُصول کو صحیح معنوں میں روا نہ رکھ سکی،اور محض سند پر ہی اکتفا کرلیا،جیسا کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے نشاندہی کی:

''اصولِ درایت کو اصولِ حدیث میں شامل تو کرلیا گیا ،لیکن ارباب روایت نے اسے بہت کم برتا اور آج ان گنت روایتیں درایت کے خلاف قبول عام ہیں۔''

(علامہ شبلی نعمانی،سیرۃ النعمان)

چونکہ درایت و متن کے اس عظیم اُصول کو دوسری صدی ہجری کے بعد سے (الا ماشاء اللہ) چھوڑا جا چکا ہے۔اس کو چھوڑے ہوئے چونکہ صدیاں بیت چکی ہیں،اسلئے اب ایسی بات سننے کیلئے الا ماشاء اللہ کوئی آمادہ ہی نہیں ہو پاتا۔اور قرآن کی صراحت پر مبنی درجنوں محکم آیات اور پیارے رسول ﷺ کے قرآن کے موید درجنوں فرامین کے ہوتے ہوئے بھی ، برعکس آنے والی روایات کی قرآن اور سنت متواترہ کے تحت تاویل کرنے کی بجائے ، دیگر روایات کو حتمی مان کر قرآن اور سنت متواترہ کو ایسی روایات کے تابع کیا جاتا ہے۔اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(امت مسلمہ کا اخلاقی زوال)

ایک غلط فہمی کا ازالہ: ''سورۃ النساء: آیت۔48'' کے تحت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔لہٰذا شرک کے علاوہ دیگر کبائر میں ملوث لوگ شفاعت سے چھوٹ جائیں گے۔ بلاشبہ،شرک کے علاوہ ہر گناہ کی معافی کی گنجائش اللہ نے رکھی ہے لیکن یہ معافی بھی اوپن نہیں بلکہ اللہ کے اپنے قواعد وضوابط کے تحت ہے،جیسا کہ خالق نے اپنا ضابطہ واضح کیا:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾ (نساء:17-18)

''اللہ کے ہاں تو توبہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے،جن سے گناہ سرزد ہو گیا جہالت میں، پھر اسکے فوراً بعد انہوں نے توبہ کر لی (یعنی گناہ کو چھوڑ دیا)۔تو یہ ہیں وہ لوگ جن کی توبہ اللہ قبول کرے گا،اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔اور <u>ان لوگوں</u> کی تو کوئی توبہ نہیں جو گناہوں پر کاربند رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے،تو وہ کہتا ہے میں بھی اب توبہ کرتا ہوں۔<u>اور نہ ہی ان لوگوں</u> کی توبہ ہے جو حالت کفر میں مریں۔یہ ہیں وہ لوگ کہ تیار کر رکھا ہے جن کیلئے ہم نے دردناک عذاب۔''

یہاں اللہ نے اپنا قانون ہر لحاظ سے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ: زندگی کے شب روز گزارتے ہوئے حالات کے تناظر میں کہیں انسان سے بھول چوک ہو سکتی ہے،جس سے فوراً تائب ہونا ہے، نہ کہ گناہوں کو اختیار کر کے زندگی بسر کرنی ہے اور اللہ کی بخشش کی بے جا امید رکھنی ہے۔مزید یہ کہ یہاں کفار اور غیر کفار کا الگ الگ تذکرہ کیا گیا ہے۔یعنی وہ لوگ جو کافر تو نہیں ہیں،لیکن دیدہ دلیری سے گناہوں پر کاربند ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو کافر ہیں اور حالت کفر میں مرتے ہیں۔دونوں کا ایک

جیسا انجام بتلایا گیا ہے۔

پروردگار نے اپنے قانون کو مزید واضح کیا کہ وہ کس کیلئے بخشنہار ہے:

☆ ﴿ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴾

(طٰہٰ:20:آیت:82)

''یقیناً میں بخشنہار رہوں اسکے لئے جو تائب ہو جائے (یعنی گناہ سے پلٹ آئے)، اور ایمان لائے (یعنی بات تسلیم کرے) اور نیک اعمال اختیار کرے اور پھر اس ہدایت پر جم جائے۔''

یہاں بخشش کیلئے بڑی اہم چار شرائط بیان ہوئی ہیں:

(۱)۔ گناہوں سے تائب ہونا۔ (۲)۔ ایمان لانا (یعنی بات کو تسلیم کرنا)، (۳)۔ بُرے اعمال کی بجائے صالح اعمال اختیار کرنا، (۴)۔ پھر اس ہدایت پر جم جانا، کاربند ہو جانا۔''

اسکے برعکس دانستہ دیدہ دلیری سے گناہوں کو اختیار کر کے زندگی بسر کرنا اور اسی حالت پر مرنے پر شفاعت و بخشش کی امید رکھنا دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ اس ضمن میں بہت سی دیگر آیات اور احادیث اس مضمون میں پیش کر دی گئی ہیں۔

اسکے باوجود بھی اگر بروز قیامت معافی کا کوئی امکان ہوا بھی تو حقوق اللہ کے حوالے سے ہونے کا ہی زیادہ امکان ہے، وہ بھی اسکے لئے جو معاف کیے جانے کے قابل ہو، یعنی اللہ جس کو معافی کے قابل سمجھیں۔ باقی وہ لوگ جو شفاعت و بخشش کی امید پر مخلوق کی حق تلفی کرتے ہیں، جنہوں نے لوگوں کا زمین پر جینا حرام کر دیا ہو، انہیں کس بنا پر بخشا جائے گا؟ مزید یہ کہ لافانی اخروی شدید ترین عذاب میں جھونکے جانے اور لافانی عظیم بہاروں سے محرومی پر کیا غفلت و لاپرواہی کا طرز عمل اختیار کر کے بخشش کے چانس پر بیٹھ جانا کیا عقل مندی ہے؟

اس ضمن میں مزید رہنمائی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(''امت مسلمہ کا اخلاقی زوال''، بخشش پر ایک بڑا مغالطہ کے ٹائٹل کے تحت)

شفاعت کیا ہے؟

قرآن وسنت کے دلائل سے آگاہی کے بعد اب ہم شفاعت کا مفہوم سمجھتے ہیں:

شفاعت در حقیقت دعا ہے جو خالق کی بارگاہ میں کی جائے گی۔ جیسا کہ بروز قیامت۔ نبی کریم ﷺ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر خالق سے دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بطور اعزاز واکرام انبیاء علیہم السلام سمیت دیگر نیک لوگوں کو اس دعا کی اجازت دیں گے، اور جس کے لئے چاہیں گے اسکے حق میں اس دعا کو قبول فرمائیں گے۔

<u>غلط نظریہ:</u> اپنے اور رب کے درمیان کسی کو ڈھال بنانا اور اللہ جل جلالہ سے بے نیاز ہو کر اس پر بھروسہ رکھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ جل جلالہ کسی کو عذاب بھی دینا چاہیں گے تو شفاعت سے چھڑا لیا جائے گا۔ یہ عقیدہ عین کفر اور شرک ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے (آمین)۔ یہ غلط نظریہ جہالت کی بنا پر پیدا ہوا۔ یعنی اللہ کو بھی مخلوق پر قیاس کیا گیا کہ اُسے بتانا پڑے گا کہ فلاں نیک ہے اسلئے اس کے بارے میں سفارش قبول کی جائے۔ اللہ کا علم تو اشیاء کے آغاز سے انجام تک ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کس درخت سے کس پتے نے کب گرنا تھا اس نے پہلے ہی لکھ رکھا ہے دیکھیے ''انعام۔59''۔

<u>شفاعت کا حق دار بننے کے لیے:</u> قرآن کی حاکمیت کو من وعن تسلیم کر لیں، شرک سمیت ہر قسم کے کبائر سے اجتناب کریں، آپ ﷺ کی سنت کو اپنائیں، آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجیں اور اللہ جل جلالہ سے شفاعت کی دُعا کریں۔

ایک اہم سوال!

لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر شفاعت نیکو کاروں کی ہی ہونی ہے تو پھر یہ شفاعت کیسی......! بات یہ ہے کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ قرآن مَیں نے تو نہیں بنایا، جو کچھ نازل ہوا ہے من وعن کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہماری کیا حیثیت ہے، جو صاحب قرآن ہیں وہ بھی اللہ کی بات کو تبدیل کرنے کا نہیں سوچ سکتے۔ چنانچہ جب کفار نے شفاعت کے ضمن میں قرآن کی سختی دیکھی، تو انہوں نے اس میں نرمی کا تقاضا کیا، جس پر، پروردگار نے آپ ﷺ سے دوٹوک اعلان کروایا:

﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّ لَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o﴾ (سورہ یونس:15)

”(اے نبی) ان پر واضح کر دیجئے کہ نہیں ہے یہ میرا اختیار کہ میں اس میں تبدیلی پیدا کر دوں اپنی طرف سے۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر (بالفرض) میں بھی اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے خود بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔“

دوسری بات یہ ہے کہ: اللہ کے عدل کا یہ تقاضا ہے کہ اہل تقویٰ کو جزا دے اور نافرمانوں کو سزا۔ اگر نافرمانوں کو سزا کے بغیر شفاعت کے ذریعے معاف کر دیا جائے، تو پھر جزا و سزا کا تصور ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر کس بنا پر لوگوں کو اس روئے زمین پر فسق و فجور سے روکا جائے گا۔ سارا نظام فتنہ و فساد کی نظر ہو کر تباہ ہو جائے گا۔

اللہ ہمیں مکار ابلیس سے بچاتے ہوئے حقیقت تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نسل انسانی کا آغاز اور شرک

یہ بات واضح ہو چکی کہ ظالم شیطان عالی مرتبہ ہستیوں کے مقام و مرتبہ کے ذریعے ہی لوگوں کو شرک وغیرہ میں مبتلا کرتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی اقوام کے شرک میں مبتلا ہونے کی بنیادی وجہ بھی کچھ ایسی ہی نظر آتی ہے۔ آگاہی کے لئے قوم نوح کی صورت حال پیش خدمت ہے۔ چنانچہ قوم نوح نے جن پانچ ہستیوں کی پرستش کی اور انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے فریاد رسی کی وہ نیک بزرگ تھے جسکا تذکرہ کتاب الٰہی میں یوں ہوا:

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا o وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا o مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا

فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴾ (سورہ نوح، آیت:25-23)

''اور کہا انہوں نے کہ ہر گز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ (نوح علیہ السلام نے فرمایا) الٰہی تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار نہ پایا''۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''قوم نوح کے پانچ بت دراصل قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں کو کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو، انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن (یہ مجسمے بنانے والے جب) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے ان کی تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی''۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ نوح)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعدد اسلاف اہل علم کا قول ہے کہ جب وہ فوت ہو گئے تو اولاً یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر انکے مجسمے بنائے، پھر عرصہ دراز گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کر دی۔ اس وضاحت کے بعد ہر اس شخص کو اس قسم کے کاموں سے سخت اجتناب کرنا چاہئے جسے آخرت کا خوف ہے۔

دیگر سابقہ اقوام کے شرک کی صورت حال کی عکاسی قرآن مجید میں یوں کی گئی ہے:

انہیں جب اللہ تعالیٰ اولاد سے نوازتا تو اسے بتوں کی عنایت خیال کرتے :

﴿لَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ (سورۃ الاعراف 191-190)

''تو جب اللہ ان کو تندرست اولاد دیتا ہے تو اس کی عطا کردہ چیز میں وہ اس کے لیے

دوسروں کوشریک ٹھہراتے۔ اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں، کیا وہ ایسی چیزوں کوشریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں''۔

اسی طرح یہ خیال کرتے کہ انہیں جو روزی ملتی ہے وہ بھی بتوں کی عنایت سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط نظریے کو یوں رد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّـذِیۡـنَ تَـعۡـبُـدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لَکُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَ اشۡکُرُوۡا لَهٗ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾(سورۃ العنکبوت 17)

''جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یہ تمھارے لیے رزق پر کوئی اختیار نہیں رکھتے، پس اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کے شکر گزار رہو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ''۔

بت دراصل نیک لوگوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے، چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان مشرکوں نے یہ اصنام اور اوثان اپنے پیغمبروں کی صورتوں پر بنائے تھے اور انھوں نے یہ خیال کیا تھا کہ جب وہ انکی مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اکابر اور بزرگ انکے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرتے ہیں اور اسکی مثال اس زمانہ میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی اس اعتقاد کے تحت تعظیم کرتے ہیں کہ اس طریقہ سے وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں۔'' (تفسیر کبیر، جلد۔۴، ص۔۸۱۸)

قرآن مجید میں مشہور اصنام لات کا ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۲۱ کے تحت: ''یہ ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔'' ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسکی بابت لکھا:

((فلما مات عکفوا علیٰ قبرہ فعبدوہ)) (ابن کثیر ج ۴، ص ۲۵۳)

''جب اسکی وفات ہوگئی تو لوگوں نے اسکی قبر پر اجتماع شروع کر دیا اور اسکی عبادت ہونے لگی۔''

یہ عبادت کس طرح کی تھی، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا قول ملاحظہ کریں:

''اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی تکفیر اسلیئے کی کہ انھوں نے ایک سخی انسان کو جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا منصب الوہیت دے دیا تھا اور تکالیف میں اس سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔'' (بدور بازغہ،ص ۱۲۶)

خالق کائنات کی سخت ترین تردید: لوگوں کے اس گمان کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے بعض کو اختیار دیا ہے کہ انکو پکارنے پر یا ان سے فریاد رسی کرنے پر وہ مشکلات دور کرتے ہیں یا یہ کہ اللہ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت انداز میں ایسے تمام غلط نظریات کی سختی سے یوں تردید فرمائی۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾

(سورۃ السباء آیت:22)

''فرما دیجیے کہ اللہ کے علاوہ جن جن پر تمہیں زعم ہے (ان سب کو) پکارو، ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمین میں سے ایک ذرہ کا اختیار نہیں، نہ اس میں انکا کوئی حصہ ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''

☆ اصل بات یہی ہے کہ ہمیں اللہ کو پکارنا ہے وہ چاہے تو کسی انسان یا فرشتے کے ذریعے ہماری مدد فرمائے کیونکہ غائب سے بلا اسباب ہماری فریاد سننے کی قدرت صرف اللہ میں ہے۔

سابقہ اقوام کا شرک اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تبصرہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے زمانہ جاہلیت کے مشرکین کی بابت یہی صراحت بیان کی ہے کہ وہ خدا کی بنیادی صفات کے قائل تھے، آپ نے لکھا:

''حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ خلق اور تدبیر ہی وہ صفتیں ہیں جو استحقاق عبادت کا موجب ہوسکتی ہیں۔ یہ صفات اور عبادت آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہی دوصفتوں کا بار بار مختلف پیرایوں میں ذکر فرما کر انہیں الزام دیا کہ ادھر تو یہ

مانتے ہو کہ یہ دونوں صفتیں خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور پھر عبادت میں دوسروں کو بھی اس کے ساتھ شریک بنالیتے ہو۔شرک کے خلاف یہ ایک زبردست دلیل ہے جو کلام مقدس میں پیش کی گئی ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول،ص 244،مترجم،مطبوعہ الفیصل ناشران،اگست،2006)

انکے شرک کی درج ذیل دو شکلوں کا بالخصوص آپؒ نے ذکر کیا ہے:

(۱): غیر اللہ کو پکارنا (یعنی ان سے دعا کرنا):

''من جملہ مظنہ ہائے شرک کے ایک یہ ہے کہ مشرک لوگ قضا و حوائج کے لئے غیر اللہ کو پکارتے تھے (یعنی ان سے دعا کرتے تھے) اور انہیں سے شفاء مریض اور افلاس دور ہونے اور دوسری تیسری مرادیں مانگتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے لئے منتیں مانتے اور تبرک کے طور پر ان کے نام جپتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس مشرکانہ عقیدہ کو مٹانے کے لئے کہ حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں بلکہ ہر ایک رکعت میں یہ کہا کریں ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن﴾ تاکہ توحید کا صحیح مفہوم ہر وقت ان کے پیش نظر رہے''

(۲): اپنے آپ کو غیر اللہ کا عبد بتانا:

''من جملہ ان کے یہ کہ وہ اپنے بیٹوں کا نام عبد العزیٰ اور عبد الشمس وغیرہ رکھا کرتے تھے، سورۃ الاعراف کا آخری رکوع: **ھو الذی خلقکم من نفس واحدہ** ... اسی بارے میں نازل ہوا ہے.............بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ جس کا نام اسلام سے پہلے عبد العزیٰ اور عبد الشمس وغیرہ تھا اس کو رسول خدا نے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن وغیرہ سے بدل دیا۔ بہر کیف یہ تمام باتیں جو مذکور ہوئیں شرک کا مظنہ اور اسکے اشباح و قوالب ہیں اور اسی حقیقت کو ملحوظ رکھ کر شرح نے ان کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول،ص 247،مترجم،مطبوعہ الفیصل ناشران،اگست،2006)

نوٹ: سورۃ الاعراف کے آخری رکوع کی چند آیات ملاحظہ کریں:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَالَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ٥﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: 191-189)

''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمھیں تن واحد سے اور اسی سے اسکا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے سکون حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اٹھالیا اس نے ہلکا سا بوجھ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو انکا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ تو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ پاک ہے انکے شرک سے۔ کیا ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو تخلیق نہ کر سکیں بلکہ خود ہی تخلیق کئے گئے ہوں'

ہندوؤں کا شرک

موجودہ اقوام میں سے ہندو سب سے زیادہ شرک کرتے ہیں اس لیے ان کے متعلق تھوڑی سی وضاحت پیش خدمت ہے۔ عام لوگوں کا سابقہ اقوام کی طرح ان کے متعلق بھی یہی خیال ہے کہ یہ خدا کو نہیں مانتے اس کے برعکس بتوں کو خدا مانتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہندو جو اپنے مذہبی عقائد اور اپنی مقدس کتابوں کا علم نہیں رکھتے وہ ایک سے زیادہ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کی مذہبی کتابیں صرف اور صرف ایک خدا پر یقین کی دعوت دیتی ہیں اور یہی نقطہ نظر باشعور ہندوؤں کا ہے۔ عام ہندو کے نزدیک سورج، چاند، درخت، گائے، سانپ سب دیوتا ہیں لیکن عالم و فاضل ہندو کہے

گا صرف اور صرف ایک ہی خدا کی پوجا کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہندوؤں کی چند مستند مذہبی کتابوں میں خدا کے متعلق درج ذیل عقیدہ ملتا ہے۔

☆ (اکم ایوادیتم)۔ ''خدا ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں'' (اپنشد، باب 4، حصہ دوم)

☆ (خدا کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس جیسا نہیں، کوئی ثانی نہیں۔ اسکی تصویر نہیں، اسکا تصور نہیں، اسکا عکس نہیں، اسکا مجسمہ یا مورتی نہیں، اسکا بت نہیں)

(سویدہ سوتیرا اپنشد، باب۔6، آیت۔19)

☆ (کوئی خدا کو دیکھ نہیں سکتا) (اپنشد، باب۔4، سطر 20)

☆ (وہ تمام لوگ جن کی فہم و فراست مادی خواہشات نے سلب کر لی ہے بہت سے خداؤں کی پوجا کرتے ہیں'' (بھگوت گیتا، باب۔7)

☆ (اگم ست و پراا بھدا او دیانتی) ''سچ ایک ہے، خدا ایک ہے۔ اسکے بندے اسکو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں'' (رگ وید، کتاب۔2، دعا نمبر۔164، منتر۔ 46)

<u>وقت کے ساتھ تبدیلی</u>: جیسے جیسے وقت گزرتا ہے مذہب کی اصل تعلیمات پس پشت ڈل جاتی ہیں، شیطان کو موقع مل جاتا ہے اور نظریات میں بگاڑ آ جاتا ہے۔ ایسا صرف ہندوؤں کے ساتھ ہی نہیں ہوا بلکہ ہر مذہب میں ایسا ہوا ہے اسی لیے خدا اور اسکے پیغمبر سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی شخصیات اور انکی کتابوں کی بجائے تعلیمات وحی کو معیار بنانا چاہیے جو کہ ہدایت پر رہنے کا واحد راستہ ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں خدا کے متعلق تبدیلی کی صورت حال کچھ یوں ہے۔

ہندوؤں کے عصر حاضر کے مایہ ناز مذہبی سکالر سری سری روی شنکر اپنی مشہور کتاب میں ہندوؤں کے عقائد کی ترجمانی یوں کرتے ہیں۔

''ایک خدا پر ایمان (رکھا جائے)'' پھر آگے چل کر اسکی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

''مشترک واحدانیت پر یقین رکھا جائے اگر چہ دھنک روشنی کے سات رنگوں سے مل کر تشکیل پاتی ہے مگر یہ سب رنگ روشنی کی سفید شعاعوں یا کرنوں سے وجود

پاتے ہیں، اسی طرح 33 کروڑ دیوی دیوتا ایک ہی خدا کی نوری کرنیں ہیں جو عظیم ہے، علیم ہے‘‘

(Hinduism & Islam The Common Thread, Part-1, Page-2)

اسی کتاب کے حصہ سوم میں ’’عبادت کے طریقے‘‘ کے عنوان کے تحت وہ بتوں کی پوجا کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھاتے ہیں۔

’’کسی شخص کی تصویر وہ شخص نہیں ہوتا (یعنی تصویر بذاتہ وہ شخص نہیں ہوتا بلکہ عکس ہوتا ہے)، کسی کا وزٹنگ کارڈ اسکی شخصیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح بت صرف خدا کے وجود کا شعور اور ترجمان ہے اسکی تصویر یا وزٹنگ کارڈ ہے (یعنی یہ علامت یا استعارہ ہے)‘‘

<u>بتوں کی توجیہ:</u> دیگر ہندو مذہبی محققین نے بتوں کی توجیہ یوں کی ہے۔

’’بتوں کی پوجا ہندوازم میں ایک غلط بات ہے لیکن نچلی سطح پر (یعنی ابتدا میں جب انسان کامل نہ ہو) انسان کو پوجا کے لیے کسی ظاہر علامت یعنی ’بت‘ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اعلیٰ سطح پر اسے اسکی ضرورت نہیں ہوتی‘‘

(مناظرہ ڈاکٹر ذاکر نائیک وروی روی شنکر: اسلام اور ہندومت میں تصور معبود)

اصل تعلیمات کی تاویلات سے مذکورہ تبدیلی تو اہل علم ہندوؤں میں آئی جبکہ عام ہندو ان دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش سے رفتہ رفتہ خدائے واحد سے غافل ہو گیا اور مصائب و آلام سے نجات کا سبب انہیں بتوں کو سمجھنا شروع کر دیا۔ اس مختصر وضاحت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ باشعور ہندو ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اور بتوں اور دیوتاؤں کو خدا کا عکس، اوتار، اسی ایک کی کرنیں یا علامت تصور کرتے ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی صورت حال الاماشاءاللہ مسلمانوں کی ہے۔

<u>امت کے متعلق نبی کریم ﷺ کی انتہائی اہم پیشین گوئی:</u> شرک کے متعلق مذکورہ اہم ترین وضاحت کے بعد یہ ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خوفناک پیشین گوئی سے آگاہی حاصل کر لی جائے تاکہ ہم میں اپنا محاسبہ اور ظالم دشمن شیطان سے بچنے کی فکر پیدا ہو سکے۔ چنانچہ سیدنا ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

﴿لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتىٰ لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قلنا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن؟﴾

(صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام'' حدیث نمبر 3456 ، صحیح مسلم ''کتابُ العلم'' حدیث نمبر 6781)

ترجمہ: ''یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا (بےہودہ اور فضول) کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ مراد نہیں تو اور کون مراد ہیں۔۔ ؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کون سابقہ اقوام وملل کے طریقوں پر چلتے ہوئے شرک کا مرتکب ہو رہا ہے اور کون نہیں اس میں الجھنا ہمارا مقصد ہرگز نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے اور شرک کی جتنی اقسام سابقہ اقوام میں پائی جاتی تھیں افسوس کہ ان کا بڑا حصہ مسلمانوں میں موجود ہے۔ صرف شکلوں میں تبدیلی ہوئی ہے لیکن ظالم شیطان نے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو بھی اس ظلم میں ملوث کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس غلاظت کو پہچان کر اس سے اپنا دامن پاک کیا جائے۔ آئیں ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کریں اور محتاط رویہ اپناتے ہوئے زندگی بسر کریں اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

<u>اسباب اختیار کرنا شرک نہیں:</u> اُمورِ زندگی چلانے کے لیے اللہ نے بے شمار اسباب پیدا فرمائے ہیں جن کو اختیار کیے بغیر زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ اللہ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے اپنی مشکلات، مصائب و آلام اور مسائل کے حل کے لیے ان ظاہری اسباب کی طرف رجوع کرنا بالکل درست اور عین شریعت کے مطابق ہے۔ بلکہ مشکل مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنا اللہ کی

رضا حاصل کرنے کا آسان ترین ذریعہ ہے۔ لیکن بھروسہ رب پر رکھا جائے اور لوگوں سے بار بار سوال نہ کیا جائے۔ مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔ ان کی عزت وتکریم کی جائے اور اُنھیں اللہ کی طرف سے ذریعہ اور وسیلہ سمجھا جائے۔ جواز کے طور پر چند آیات ملاحظہ کریں:

- ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَان﴾

''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم تعاون نہ کرو۔'' (المائدہ۔آیت:2)

- ﴿وَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّة﴾ (الکھف۔آیت:95) ''تو میری طاقت سے مدد کر''

- ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّه﴾ (آل عمران۔آیت:81)

''تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا''۔

اس میں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس ﷺ کی مدد کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اسباب و ذرائع استعمال کرنا ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز و مستحسن ہے اور ہر بندہ اپنے دائرہ کار کے اندر اندر مدد کر سکتا ہے یہ شرک نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں وہ چیزیں جن کے غلط مفہوم سے ابلیس شرک میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

(i) مافوق الاسباب امور (معجزہ/ کرامت) ، (ii) شفاعت

<u>یاد رکھیں!</u> ابلیس انہیں چیزوں میں حد سے تجاوز کروا کر شرک میں مبتلا کرتا ہے جہاں کچھ تصرف و اختیار دیا گیا ہو، اس لئے ایسی چیزوں کو انکی اصل حدود و قیود کے ساتھ سمجھنا بہت ضروری ہے۔

مافوق امور کے متعلق حقائق سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور، باب ۱۱)

باب ۵

شرک فی الحقوق: ﴿دعا یعنی پکارنا﴾

اللہ کے حقوق میں شراکت شرک فی الحقوق کہلائے گی۔ اس میں دو چیزیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

(i) عبادت میں شرک (ii) اطاعت میں شرک

شرک فی العبادت

عبادت صرف اللہ کا حق ہے جس میں شراکت بدترین شرک ہے۔ غیر اللہ کی عبادت پر سخت ترین وعیدیں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل، آیت: 23-22)

"اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا ورنہ بیٹھا رہ جائے گا تو ملامت زدہ اور بے یار و مدد گار ہو کر اور فیصلہ کر دیا ہے تیرے رب نے کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اسی کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"

عبادت کی وہ شکلیں جس میں شیطان نے لوگوں کو دھوکے سے شرک میں مبتلا کیا وہ دو ہیں:

(i) دُعا (ii) نذر و منت

عبادت؟

جن وانس کی تخلیق کا مقصد ہی رب کی عبادت ہے۔ دین کی حقیقت خدائے واحد کی بندگی کا نام ہے۔عبادت کا معنی ہے بندگی، پوجا و پرستش ،اسکے فہم کیلئے درج ذیل آیت پر غور کریں:

﴿وَ لَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ﴾

(سورۃ النحل: آیت۔36)

’’اور تحقیق ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا (یہ حکم دے کر) کہ صرف اللّٰہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔‘‘

یہاں عبادت کے مدمقابل طاغوت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔طاغوت کا اطلاق چونکہ شیطان پر بھی ہوتا ہے جسکی بنیادی صفات سرکشی، تمرد، استکبار وغیرہ ہیں اور ان صفات کی ضد عاجزی و پستی ہے۔ اہل لغت نے عبادت کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں، جس میں ائمہ لغت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں:

((اصل العبودیہ الخضوع التذلل))۔(عبادت اصل میں عاجزی و پستی کا نام ہے)

(لسان العرب:۹/۱۰)

نوٹ......: عبادت کس چیز کا نام ہے، اس ضمن میں ضروری دلائل پر مبنی ہماری مختصر تحریر ’’عبادت کا معنی و مفہوم‘‘ سے استفادہ کریں۔

شرک فی الدُعا

عربی ڈکشنری القاموس کے مطابق دعا کے معنی: پکارنا، بلانا، سوال کرنا یا مدد کے لیے بلانا ہے اور اصطلاح شریعت میں ہر حال اور بالخصوص مصیبت و پریشانی میں اللّٰہ سے سوال کرنا یا اُسے پکارنا ہے۔ غائب سے ایسی ہستی کو پکارنا اس یقین کے ساتھ کہ وہ میرے حالات سے واقف ہے اور مصائب و آلام دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے دُعا کہلاتا ہے اور یہ اللّٰہ کے ساتھ خاص ہے۔

غائبانہ پکار یا فریاد رسی کرنا عبادت کی وہ قسم ہے جسے اللہ نے قرآن مجید میں الفاظ بدل بدل کر دلائل سے بیان فرمایا ہے اور اسے اپنی عبادت اور حق قرار دیا ہے۔قرآن وسنت کے واضح دلائل کے باوجود بھی لوگ شرک کی اس بدترین شکل میں مبتلا ہیں۔مشکل ومصیبت کے حل وغیرہ کے لیے جو ہستی بظاہر آپ کے سامنے موجود نہ ہو ظاہری اسباب کے بغیر اُسے پکارنا یا فریاد رسی کرنا بدترین شرک ہے چاہے ہاتھ اُٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اُٹھائے۔مزید گفتگو کرنے سے پہلے ہم اپنے آپ کو قرآن وسنت پر پیش کرتے ہیں۔ اللہ حضور ﷺ کی اُمت کی حفاظت فرمائے۔(آمین)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ o﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:186)

”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں پس انھیں چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں“۔

دُعا کرنا اللہ کو بہت پسند ہے اس لیے یاد دہانی کے طور پر اسے فاتحہ میں شامل کیا گیا جس میں بندہ اپنے رب سے عہد کرتا ہے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o﴾ ”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور صرف تجھی سے (دعا کی صورت میں غائبانہ فریاد رسی یا) مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے“۔نَعْبُدُ اور نَسْتَعِیْنُ دونوں مضارع کے صیغے ہیں جن میں حال اور مستقبل کا معنی پایا جاتا ہے۔یوں پروردگار نے عبادت اور غائب سے مدد مانگنے کو ہم وزن قرار دیا تا کہ شک کی گنجائش نہ رہے۔نماز میں تو یہ عہد سب کرتے ہیں لیکن نماز کے بعد اس سے منحرف نظر آتے ہیں۔

اللہ کے سوا پکارنے (دعا کرنے) پر کفر کی وعید: پروردگار نے مخلوقات کو پکارنے یعنی ان سے دعا کرنے پر سخت ترین وعید یوں نازل فرمائی:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِى النَّارِ﴾

(سورۃ الاعراف،آیت۔39-37)

’’اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کردے یا اللہ کی سچی باتوں کو جھٹلائے۔ان لوگوں کو نصیبوں کا لکھا ہوا تو ملتا رہے گا۔یہاں تک کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے آئیں گے اور پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے تھے؟ لوگ جواب دیں گے کہ وہ سب ساتھ چھوڑ گئے۔یوں وہ اپنی ہی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کفر کرتے رہے تھے۔حکم ہوگا کہ تم بھی جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ واصل جہنم ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں‘‘

امام ابن کثیر رحمہ نے پکارے جانے والوں سے مراد بت یا مورتیاں نہیں بلکہ ذی روح لیا ہے۔

خالق کائنات کی سخت ترین تردید: لوگوں کے اس گمان کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے بعض کو اختیار دیا ہے کہ انکو پکارنے پر یا ان سے فریاد رسی کرنے پر وہ مشکلات دور کرتے ہیں یا یہ کہ اللہ کے مددگار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت انداز میں ایسے تمام غلط نظریات کی سختی سے یوں تردید فرمائی۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾

(سورۃ السباء آیت:22)

”فرمادیجیے کہ اللہ کے علاوہ جن جن پر تمہیں زعم ہے (ان سب کو) پکارو، ان میں سے
کسی کو آسمانوں اور زمین میں سے ایک ذرہ کا اختیار نہیں، نہ اس میں انکا کوئی حصہ ہے،
نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے“
خدا کی پناہ کہ صراحت پر مبنی قرآن حکیم کی شدید تنبیہات کے باوجود انسان ایسے قبیح فعل کا اعتراف کرے۔

عقلی دلائل کی بنیاد پر:

ہم میں سے بعض لوگ قرآنی آیات کی بجائے عقلی دلائل کی بنیاد پر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کو پکارا یعنی اس سے دعا کی جاسکتی ہے۔ جبکہ قرآن وسنت میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ قرآن مجید میں یہ وعید ہر طرح سے آئی ہے بغیر معبود قرار دیئے ہوئے اور معبود سمجھ کر پکارنے پر اس لیے کہ یہ کام صرف مشرکین کرتے تھے اور وہ جن کو پکارتے تھے، انھیں معبود بھی سمجھتے تھے۔ انشاء اللہ ہم قرآن وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات کھول کر بیان کریں گے کہ غائب سے اپنے مصائب وآلام کے حل کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا شرک اکبر ہے۔

واضح رہنمائی: امام کائنات سید الاولین والاخرین ہمارے غمخوار آقا ﷺ نے اس ضمن میں اُمت کی واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿**الدعآء هو العبادة**﴾ ”دُعا عبادت ہی ہے یا دعا ہی اصل عبادت ہے“۔

(جامع ترمذی ”کتاب الدعوات“ حدیث نمبر 3372، سُنن ابی داوٗد 1479، سُنن ابن ماجہ 3828)

یہ جملہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ٥﴾ (سورۃ المومن۔ آیت:60)

”اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا، بے شک جو

لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے ذلیل ہوکر''۔

یہاں بھی صراحت کے ساتھ پکارنے کے فعل کو عبادت قرار دیا گیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

((الدعاء صلاح المومن و عماد الدين))(مستدرک،ص492،قال الحاکم والذھبی صحیح)

''پکارنا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور اسکی جڑ ہے۔''

((افضل العبادة هو الدعآء))، ''پکارنا افضل عبادت ہے۔''(مستدرک،ص491،قال الحاکم والذھبی صحیح)

مسائل: (i) اُدْعُوْنِیْ (ندا یا پکار) کو عَنْ عِبَادَتِی یعنی اپنی عبادت قرار دیا۔

(ii) حضور ﷺ نے خود اس بات کی تصدیق کردی کہ دُعا عبادت ہے تاکہ شیطان کا چور دروازہ بند ہوجائے۔

(iii) جو اللہ کو نہ پکاریں انھیں سرکش قرار دیا گیا اور دوزخ کی وعید سنائی گئی۔

<u>دعا صرف معبود سے کی جاتی ہے:</u> اِس حقیقت کو کہ دُعا صرف اُس سے کی جاتی ہے جو معبود ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو جھنجھوڑتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ دُعا صرف اور صرف معبودِ حقیقی یعنی اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ٥﴾(سورۃ النمل۔آیت:62)

''بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد کو جب وہ اُسے پکارتا ہے؟ اور (پھر کون ہے جو) دور کردیتا ہے اس کی تکلیف کو؟ اور (کون ہے جس نے) تمہیں زمین میں (اَگلوں کا) خلیفہ بنایا؟ کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ تم لوگ بہت کم ہی غور وفکر کرتے ہو!'

خلیفہ: مراد ایسی مخلوق پیدا کرنا جسے ارادہ و اختیار کی دولت دی جائے اور وہ اللہ کے احکامات نافذ کرے دیکھیے سورہ ص: آیت:26۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''سختیوں اور مصیبتوں کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے۔ بے کس ، بے بس لوگوں کا سہارہ وہی ہے۔ گرے پڑے، بھولے بھٹکے مصیبت زدہ اسی کو پکارتے ہیں، اسی کی طرف لو لگاتے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ تمھیں جب سمندر کے طغیان زندگی سے مایوس کر دیتے ہیں تو تم اسی کو پکارتے ہو، اسی کی طرف گریہ زاری کرتے ہو اور سب کو بھول جاتے ہو۔ اسی کی ذات ایسی ہے کہ ایک بیقرار وہاں پناہ لے سکتا ہے، مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت اسکے سوا کوئی بھی دور نہیں کرسکتا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا حضور ﷺ ، آپ ہمیں کس کی طرف بلا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی طرف جو اکیلا ہے، جسکا کوئی شریک نہیں، جو اس وقت تیرے کام آتا ہے جب تو کسی بھنور میں پھنسا ہوا ہو۔ وہی ہے کہ جب تو جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارے تو وہ تیری رہنمائی کردے۔ تیرا کوئی کھو گیا ہو اور تو اس سے التجا کرے تو وہ اسے تجھ کو ملا دے۔ قحط سالی ہوگئی ہو اور تو اس سے دعائیں کرے تو وہ موسلا دھار مینہ تجھ پر برسا دے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

بھائیو!: کیا اب بھی شک کی گنجائش باقی ہے۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور ابلیس لعین کی مکاریوں اور عیاریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ عربی گرائمر کی رُو سے ''دُعا'' مصدر یعنی فعل ہے جس کے ماضی اور مضارع کے چند صیغے یہ ہیں:

ماضی: دَعَا: اس نے پکارا، دَعَوْا: انہوں نے پکارا، دَعَوْتَ: تم نے پکارا

مضارع: يَدْعُوا: وہ پکارتا ہے یا پکارے گا، يَدْعُوْن: وہ پکارتے ہیں، پکاریں گے وغیرہ۔

بڑی غلط فہمی کا ازالہ

پکارنے یعنی غیر اللہ سے دعا کرنے کے حوالے سے مسلمانوں میں پائی جانے والی بڑی غلط فہمی کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں رفع فرمایا:

''من جملہ مظنہ ہائے شرک کے ایک یہ ہے کہ مشرک لوگ قضا و حوائج کے لئے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور انہیں سے شفاء مریض اور افلاس دور ہونے اور دوسری تیسری مرادیں مانگتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے لئے منتیں مانتے اور تبرک کے طور پر ان کے نام جپتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس مشرکانہ عقیدہ کو مٹانے کے لئے کہ حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں بلکہ ہر ایک رکعت میں یہ کہا کریں ﴿اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ ﴾ تا کہ توحید کا صحیح مفہوم ہر وقت ان کے پیش نظر رہے''

مزید فرمایا:

''آیت کریمہ (فلا تدعوا مع الله احدا)' اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس دُعا کے معنی عبادت کے ہیں۔ اِن کا یہ قول محض غلط ہے، دُعا کا لفظ اپنے اصلی مفہوم پکارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور آیت کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ قضا و حوائج یعنی مرادیں مانگنے کے لیے سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو مت پکارو''۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص244، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

<u>قرآن مجید سے واضح تصدیق:</u> شاہ صاحب کی پیش کردہ وضاحت کی تصدیق قرآن مجید میں کئی جگہ بیان ہوئی ہے۔ ایک مقام پر مذکورہ بات کو بالکل صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے تا کہ شک کی گنجائش نہ رہے، پروردگار نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ﴾ (سورہ یونس، آیت:22)

''وہی اللہ ہے جو تمھیں لیے پھرتا ہے خشکی اور تری میں۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہواور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور انھیں موجیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ گھیرے گئے۔ (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس (طوفان) سے بچالے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے''

ابوداؤد حدیث نمبر:۲۶۸۳ اور سنن نسائی کی روایت کے مطابق یہ آیت کریمہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ فرار ہو گئے راستے میں دریا کو عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے۔ جب کشتی طوفانوں کی زد میں آ گئی تو ملاح نے کہا کہ آج خدائے واحد سے فریا دکرو اسکے سوا تمھیں اس طوفان سے کوئی نجات دینے والا نہیں، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے اور یہی بات (حضرت) محمد ﷺ فرماتے ہیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ آج اگر وہ بچ گئے تو واپس جا کر اسلام قبول کرلیں گے، چنانچہ واپسی پر وہ آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

نوٹ: یاد رہے لفظ (دُعا) قرآن مجید میں کئی اور معنی جیسے دین کی طرف بلانا (سورۃ نوح آیت: 6-5)، جنت کی طرف بلانا (یونس آیت: 25)، کسی کو خطاب کرنا (آلِ عمران: 153) وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن ممانعت صرف غائب سے فریاد رسی کرنے یعنی اپنے مصائب و آلام کے حل کے لیے اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنے یعنی دعا کرنے پر آئی ہے جس کی تفصیل بیان

کی جائے گی۔اسی طرح لفظ استغاثہ کی ممانعت بھی صرف غائب سے فریاد رسی کرنے پر ہے اس کے علاوہ باقی صورتوں میں اگر حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے تو جائز و مستحسن ہے۔

ابلیس کا دھوکہ: موجودہ دور کے لوگوں کو دو طرح سے دھوکہ دیا اولاً یہ کہ ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہ'' صرف بتوں کے لیے ہے۔اس کی وضاحت پیچھے گزر چکی اور دوم یہ کہ اگر کسی کو معبود سمجھ کر پکاریں تو شرک ہوگا جبکہ حقیقت یہ نہیں۔آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ پکار کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اسے عبادت قرار دیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ کے علاوہ معبود بنالیا گیا تو پھر پکارنے پر ہی کیوں شرک ہوگا بلکہ معبود قرار دینے پر ہی شرک ہو جائے گا۔ایسا کرنا دراصل اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔بہرکف کوئی جواز نکلتا بھی تو محتاط رہنے کی ہی ضرورت تھی کیونکہ اس پر شرک اور کفر کی وعید ہے۔

چند مزید آیات ملاحظہ کریں

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا o اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا o﴾

(بنی اسرائیل۔آیت:7-56)

''فرما دیجیے اللہ کے سوا جن پر تمہیں مان ہے، جنھیں تم پکار رہے ہو نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اُسے بدل سکتے ہیں۔جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کے لیے وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے، وہ تو خود اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

نتائج: (i) جن کو غائب سے پکارا جاتا یعنی دعا کی جاتی ہے ان کے اختیار کی نفی کر دی گئی ہے کہ پکارنے پر نہ تو وہ تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ حالات بدل سکتے ہیں (ii) وہ مقربین اس شرک سے

پاک ہیں، وہ تو خود نیک اعمال کے ذریعے اپنے رب کے قرب اور رحمت کے امیدوار ہیں (iii) پکارنے والے پرسخت وعید فرمادی گئی۔

وضاحت: اسی آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِن پکارے جانے والوں سے مراد وہ جنات ہیں جن کو لوگ جنگلات میں مدد کے لئے پکارتے تھے حالانکہ وہ جن خود مسلمان ہو چکے تھے۔"

(صحیح بُخاری ''کتابُ التفسیر'' حدیث نمبر 4714 ،صحیح مسلم ''کتابُ التفسیر'' حدیث نمبر 7555)

ثابت ہوگیا کہ پکارنے پر وعید محض بتوں، مورتیوں پر نہیں بلکہ ذی روح پر بھی آئی ہے۔ جنات میں تو تصرف کی طاقت بھی ہوتی ہے اس کے باوجود وعید آئی ہے۔ کیا روزِ روشن کی طرح عیاں حقیقت دیکھ کر بھی توبہ نہ کی جائے گی؟ اس آیت پر سوچیں اور ہزار بار سوچیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

نوٹ : تمام مفسرین جیسے روح المعانی، قرطبی، مظہری، ابن کثیر، مدارک، بیضاوی، خازن وغیرہ کے نزدیک یہاں '' من دون الله'' سے مراد بت نہیں بلکہ ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام سب مراد ہیں۔

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

(سورۃ المائدۃ، آیات نمبر 76 تا 75)

'' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو نہیں تھے مگر ایک رسول ہی بیشک اُن سے پہلے بھی بہت رسول گزرے ہیں اور اُنکی ماں ایک سچی عورت تھی۔ وہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے (یعنی اِنسان تھے)۔ دیکھو تو ہم اَپنی آیات کیسے کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں اور پھر اُن (مشرک عیسائیوں) کی طرف بھی دیکھو کہ کیسے اُلٹے پھرے جاتے

ہیں (اَے محبوب ﷺ) تم فرماؤ ! کیا تم اللہ کے علاوہ اُن (ماں بیٹا) کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کا اِختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع کا۔ اور اللہ ہی (ہر پُکار) سننے والا علم رکھنے والا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی، نبوت کے درجے سے معبود تک نہ پہنچاؤ جیسے کہ تم جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلطی کر رہے ہو، اور اسکی کوئی اور وجہ نہیں بجز اسکے کہ تم اپنے پیروں، مرشدوں، استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو، وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن۔'' (تفسیر ابن کثیر)

نوٹ: مندرجہ بالا آیت میں اللہ نے نہ صرف عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اور اُنکی والدہ کو ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللہ﴾ فرمایا بلکہ غائب سے فریادرسی کے حوالے سے اُنکے مُشکل کُشا اور حاجت روا ہونے کی بھی نفی فرمادی۔

چند مزید آیات

﴿وَ اَعۡتَزِلُکُمۡ وَ مَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَکُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّاo﴾ (سورہ مریم۔ آیت:48)

''میں (ابراہیم) تو تمھیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دُعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔''

انبیاء علیہم السلام صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے: تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے مصائب و آلام میں صرف اللہ ہی کو پکارا جس پر کئی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ وضاحت کے لیے

ایک آیت پیش ہے:

﴿ اِنَّھُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَ یَدۡعُوۡننا رَغَبًا وَّ رَھَبًا وَ کَانُوۡا لَنَا خٰشِعِیۡنَ o﴾ (سورۃ الانبیاء۔آیت:90)

''بے شک وہ لوگ (انبیاء کرام) بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے اور اُمید اور خوف کی حالت میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع وخضوع اختیار کرتے تھے۔''

<u>غیر اللہ کو پکارنا اور رسول اللہ ﷺ کی شرک سے پاک دعوت:</u> ایک آدمی نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی دعوت کیا ہے؟ فرمایا:

﴿ادعو الی اللہ وحدہ الذی ان مسک ضر فدعوتہ کشف عنک والذی ان ضللت بارض قفر دعوتہ رد علیک والذی ان اصابتک سنة فدعوتہ أنبت علیک﴾۔ (مسند احمد،64/5،صحیح الجامع الحدیث نمبر 98)

''ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اگر تجھے تکلیف پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہی تیری تکلیف دور کر دے گا، اگر ویران زمین میں گم ہو جائے اور تو اس کو بلائے تو واپس لا دے گا، اگر تجھے قحط سالی پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیرے لیے اُگائے گا۔''

کیا اب بھی کوئی شک باقی ہے؟

<u>سخت مشکل میں انسان کا اپنی فطرت پر آ جانا:</u> انسانی فطرت میں چونکہ ایک ہی خدا ہے۔ چنانچہ دردناک صورت حال میں مشرکین مکہ بھی صرف ایک اللہ کو پکارتے اور باقی خداؤں کو بھول جاتے۔ اِس حقیقت کو پروردگار نے یوں بیان فرمایا:

﴿ قُلۡ اَرَءَ یۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ اَوۡ اَتَتۡکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیۡرَ اللّٰہِ تَدۡعُوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ o﴾ (سورۃ الانعام۔آیت:40)

’’آپ فرما دیجیے کہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟‘‘

﴿ بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡہِ اِنۡ شَآءَ وَ تَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِکُوۡنَ ﴾ (سورۃ الانعام۔آیت۔41)

’’بلکہ خالص اُسی کو پکارو گے پھر جسے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو مصیبت رفع کر دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔‘‘

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’آسمانی سزاؤں کے آپڑنے پر تم اپنے تمام شریکوں کو بھول جاتے ہو اور صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ اللہ کے ساتھ اسکے کچھ شریک بھی ہیں تو ایسے کٹھن موقعوں پر ان میں سے کسی کو کیوں نہیں پکارتے؟ بلکہ صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو اور اپنے تمام معبودانِ باطل کو بھول جاتے ہو۔ چنانچہ (ایک) اور آیت میں ہے کہ سمندر میں جب ضرر پہنچتا ہے تو اللہ کے سوا ہر ایک تمھاری یاد سے نکل جاتا ہے۔‘‘

(تفسیر ابن کثیر)

﴿وَ اِذَا غَشِیَھُمۡ مَّوۡجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لہ ا لدین﴾

(سورہ لقمان۔آیت:32)

’’اور جب ان (مشرکین) پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتیں تو خالص یقین کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے۔‘‘

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

’’اللہ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے۔ اگر وہ پانی میں کشتی کو تھامنے کی اور کشتی میں پانی کو کاٹنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمھیں

اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے۔ مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ان کفار کو سمندر میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور انکی کشتی ڈگمگانے لگتی ہے اور موجیں پہاڑوں کی طرح اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو اپنا شرک و کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر)

<u>اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ:</u> جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے بروز قیامت جب اللہ ان برگزیدہ بندوں سے سوال کرے گا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ یہ لوگ پکاریں تو وہ برگزیدہ لوگ پکارنے والوں کے خلاف ہو جائیں گے اس پر کئی آیات ہیں صرف ایک پیش کی جاتی ہے:

﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝﴾

(سورہ احقاف۔ آیت:6)

''اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ لوگ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر دیں گے۔''

اس سے پچھلی آیت نمبر 5 میں پکارنے کا ذکر آیا اس کے بعد اس آیت میں اسے عبادت قرار دیا گیا۔ خدا کی پناہ کہ انسان ایسے قبیح جرم کا ارتکاب کرے جسے اللہ کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔ ان آیات سے محض بے جان بت مراد نہیں کیونکہ بے جان کا دوستی اور دشمنی سے تعلق نہیں، ویسے بھی حشر جن وانس کا ہی ہوگا۔ واللہ اعلم

<u>مخلوق سے دعا/التجا و فریاد رسی کی ممانعت کی وجہ؟</u>

(۱)۔ دُعا صرف اس سے کی جا سکتی ہے جو معبود ہو۔ جس کو کبھی نیند نہ آتی ہو، کبھی اونگھ نہ آتی ہو، ہر زبان جانتا ہو، تمام مخلوقات کے احوال سے ہر وقت آگاہ ہو، دِلوں کے خطرات تک سے واقف ہو، ایک سیکنڈ کے لیے بھی کبھی غافل نہ ہوتا ہو، ہر قسم کے حالات بدلنے کی پوری قوت رکھتا ہو۔ چونکہ اللہ کے سوا ایسی صفات کسی میں نہیں اسلئے اللہ کے سوا کسی سے ایسا تعلق روا نہیں۔

(۲)۔دوسری بات یہ ہے کہ ﷲ تو ہمیں نظر نہیں آتا۔اس پر ہمارا غائب پر ایمان ہے۔اس کی بارگاہ میں دعا،التجاو فریاد رسی اس ذات کے ساتھ تعلق و وابستگی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔جب اس میں میں بھی بے جا مخلوقات کو شریک کر لینا ہے تو اللہ کے ساتھ شرک سے پاک خالص مظبوط تعلق کیسے نصیب ہوگا۔؟

اگر اس کام کی اجازت ہوتی تو بارش کیلئے حضرت میکائیل علیہ السلام اور درازی عمر کیلئے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے درخواست کی جاتی۔کیا صحابہ کرامؓ،تابعین تبع تابعین،آئمہ محدثین میں سے کسی نے یہ کام کیا؟ یا حضور ﷺ نے ایسی کوئی تعلیم فرمائی..........................؟ ﷲ ہمیں ظالم ابلیس سے بچائے۔(آمین)

مخلوقات کو پکارنے کی بنیادیں؟

جیسا کہ اس تحریر میں قرآن وسنت کے ٹھوس دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ پکارنا یعنی دعا کرنا عبادت ہے اور یہ صرف اللہ کا حق ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام اور انکے پیروکار صرف اور صرف اللہ ہی سے دعا کرتے تھے۔اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ دین میں اتنی بڑی تبدیلی کس بنا پر کی گئی؟ قرآن اور صحیح السند احادیث سے حقائق واضح ہو جانے کے بعد توبہ کرنے کی بجائے اپنے فرقے اور سابقہ بزرگوں کو بچانے کی خاطر درج ذیل بنیادوں پر حقیقت کا انکار کیا گیا:

<u>(۱)۔ضعیف و موضوع روایات:</u> پکارنے سمیت تقریباً ہر موضوع پر قرآن حکیم اور صحیح السند روایات کے خلاف ان گنت روایات گھڑی گئی ہیں اور تیسرے، چوتھے اور پانچویں درجے کی کتب احادیث میں ایسی روایات کی بھرمار ہے۔اس بڑے فتنے کو امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کیا۔بطور عبرت ان میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرما کر غلط روش سے توبہ کریں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: ”آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے،وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے،پس اپنے آپ کو ان

سے اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھیو تا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔'' (صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 16)

کیا حضور ﷺ کی اس تلقین کا ہمیں کوئی لحاظ ہے......؟

(۲)۔واقعات: صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ ومحدثین رحمہم اللہ کے بعد بہت سے بزرگ حضرات کی بابت اللہ کے سوا لوگوں کو پکارنے کے واقعات کتابوں میں درج ہیں۔جن کے مطابق لوگ اللہ کے سوا دوسرے لوگوں کو زندگی بھر پکارتے رہے اوران کے گمان کے مطابق انکے مسائل حل ہوتے رہے۔جیسے میاں محمد بخش صاحبؒ کی طرف منسوب اشعار جن کے مطابق سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مصائب وآلام سے چھٹکارہ کے لئے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے فریاد رسی کرتے رہے، حالانکہ اس وقت پیران پیرؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔چنانچہ میاں صاحب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی مدح میں لکھتے ہیں:

سو برساں دے موئے جوائے سکے نیر وگائے کھسے روح فرشتے ہتھوں لکھے لیکھ مٹائے

غوثاں قطباں دے سر میراں قدم مبارک دھریا جو دربار انہاں دے آیا خالی بھانڈا بھریا

نبیاں تے جدوکڑ آئی روح میراں داپہتا مشکل حل کرائی ہر دی قرب شاہاں دا بہتا

ایک معمولی عقل والا انسان بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی بجائے اس غیر نبی سے مشکل کشائی کرواتے رہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے..........؟ اسکے برعکس اللہ کی کتاب سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بابت دوٹوک الفاظ میں سچائی کچھ یوں بیان فرماتی ہے:

﴿ ...اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ o﴾ (سورۃ الانبیاء۔آیت:90)

''...بے شک وہ لوگ (انبیاء کرام) بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے اور اُمید اور خوف کی حالت میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع وخضوع اختیار کرتے تھے۔''

اسی طرح حضرت سلطان باہو صاحب ؒ کی طرف منسوب درج ذیل شعر جس میں پیران پیر ؒ سے فریاد رسی کی گئی ہے کو لوگ دلیل بناتے ہیں۔

سن فریاد پیراں دیا پیرا تے میری عرض سنیں کن دھر کے ہو

بیڑا میرا وچ کپھراں دے جتھے مچھ وی نہ بیندے ڈردے ہو

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس چیز کو حضور ﷺ عبادت قرار دے رہے ہیں، اور مشرک بھی ایسے حالات میں اپنے معبودوں کو بھول کر صرف خدائے واحد سے فریاد رسی کرتے تھے۔ اسی چیز کا جواز دیگر لوگوں سے مل رہا تو خدا اور سول ﷺ کی بات کو تسلیم کیا جائے گا یا لوگوں کی طرف منسوب بات کو؟ حالانکہ ہوسکتا ہے ایسی باتیں ان بزرگوں نے نہ کہیں ہوں بلکہ لوگوں نے انکی طرف منسوب کر دی ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان کے ایمان کی پرکھ ہوتی ہے کہ وہ خدا اور سول ﷺ کو فوقیت دیتا ہے یا ان پر لوگوں کو ترجیح دیتے ہوئے شرک کا ارتکاب کرتا ہے؟ یہی چیز سابقہ اقوام کی بربادی کی وجہ بنی۔ اسی ضمن میں غیر اللہ کو پکارنے پر اللہ رب العالمین کی شدید ترین گرفت کے باوجود اور خود شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ایسی چیزوں سے شدید نفرت کے باوجود عین شرکیہ ﴿نماز غوثیہ﴾ آپ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حاجت پوری ہونے کے لیے صلوٰۃ الاسرار بھی نہایت مؤثر ہے..... اِسے نمازِ غوثیہ بھی کہتے ہیں...... اِس کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نمازِ مغرب سنتیں پڑھ کر دو رکعت نفل پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں گیارہ بار قل ھو اللہ احد پڑھے، سلام کے بعد اللہ کی حمد وثنا کرے، پھر نبی ﷺ پر گیارہ مرتبہ درود وسلام عرض کرے...... پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر کہے:

﴿یا غوث الثقلین و یا کریم الطرفین اغثنی و امددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات﴾ (بہارِ شریعت، حصہ چہارم، صفحہ 263)

''اے جنوں اور انسانوں کے فریاد رس اور اے ماں باپ کی طرف سے بزرگ میری

فریاد کو پہنچیے اور میری حاجت میں میری مدد کیجیے اے حاجتوں کے پورا کرنے والے....''

جبکہ اللہ نے اولیاء اور بزرگانِ دین وغیرہ کو پکارنے یعنی ان سے دعا کرنے والوں کا انجام بھی ذکر فرما دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝﴾ (سورہ احقاف:ایت 6)

''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو (دُعا کے لیے) پکارتا ہے جو قیامت تک اُس کی پکار نہ سُن سکیں بلکہ اُس کے پکارنے سے بے خبر ہوں اور جب (قیامت میں) لوگوں کو جمع کیا جائے تو وہ ہستیاں اُس کی دشمن ہو جائیں اور اُس کی پکار سے صاف انکار کر جائیں۔''

امت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بہت بلند مرتبہ ہے، اگر اللہ کے علاوہ کسی کی نماز ہوتی تو صحابہ اکرامؓ اپنی حاجات اور مشکلات سے نجات کے لئے نماز صدیقی ضرور پڑھتے لیکن ان عظیم بندگان خدا نے اللہ ورسول ﷺ کی پیروی کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھا اور یہی اس بات کی علامت ہے کہ انھیں سب سے بڑھ کر اللہ ورسول ﷺ سے محبت تھی۔

(۳)۔ <u>قرآن کی بعض آیات کی غلط تاویل وتحریف:</u> شخصیت پرستی اور فرقہ پرستی کی خاطر قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح السند احادیث کے خلاف نتیجہ نکالنے کیلئے کئی دیگر آیات (جنہیں اگلے باب میں بیان کیا جائے گا) کی غلط تاویل وتحریف کے ذریعے پکارنے کا جواز نکالنا۔ حالانکہ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ قرآن وسنت ایک طرف اسی فعل کو عبادت قرار دیں اور دوسری طرف اللہ کے سوا عبادت کا حکم دے؟ جس نے دانستہ طور پر ذرہ برابر بھی اللہ کی آیات کے ساتھ پنجہ آزمائی کی وہ ہلاک ہوگیا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا ؕ اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴾

(سورہ حم السجدہ، آیت:40)

"بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات میں تحریف کرتے ہیں (معنی کو اسکے اصل مفہوم سے ہٹاتے ہیں) وہ ہم سے مخفی نہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جانے والا ہے اچھا ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آنے والا ہے؟ تم جو چاہو کرو (لیکن یاد رکھو) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے یقیناً دیکھنے والا ہے"۔

فرقہ پرستی نے علماء حضرات سے یہ کام خوب کروایا ہے:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے بنا سکتے ہیں قرآن کو پازند
ہوئے کس قدر بے توفیق پاسبانِ حرم خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

(علامہ اقبالؒ)

یوں قرآن وسنت میں صراحت کے ساتھ آنے والا دین تبدیل و ہو چکا ہے:

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلہ گیا آ کے ہندوستان میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی آخر کھو بیٹھے مسلماں

(مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ)

لجپال یا حاجت روا کہنا کیسا!

اللہ نے مخلوقات اور اسباب کو مصائب و آلام دور کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔محتاط طریقہ یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ نے فلاں کو مشکل دور کرنے کا ذریعہ بنایا اور یوں کہنا کہ فلاں کے ذریعے

سے مشکل دور ہوئی یا فلاں نے میری مدد کی وغیرہ درست ہے جبکہ حقیقی فاعل اللہ کو سمجھا جائے لیکن اللہ کے علاوہ کسی کے لیے لجپال، فریادرس، داتا، حاجت رواوغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے کے حوالے سے چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں:

نمبر ۱: ایسے الفاظ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، آئمہ سلف وغیرہ نے اللہ ہی کے لیے استعمال فرمائے۔

نمبر ۲: پھر ایسے الفاظ کا اطلاق ہر چیز پر ہوگا کیونکہ ہر چیز اپنے حلقہ اثر میں مشکل کشا اور حاجت روا ہوگی اور سب سے بڑا مشکل کشا سورج ہوگا جس سے فصلیں، پھل اور تمام اقسام کے رزق تیار ہوتے ہیں وغیرہ۔

نمبر ۳: یہ آیت کہ ﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ اللہ کے رستے میں کون ہے میرا مددگار؟ ﴿قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ کیا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اللہ کے مشکل کشا ہیں؟

نمبر ۴: ایسا کرنے سے مجاز حقیقت میں بدل جائے گا اللہ کا تصور کمزور ہوتا چلا جائیگا اور رفتہ رفتہ شیطان ایسی حالت پر لے آئے گا کہ اللہ کے نام اور ذکر سے نفرت پیدا ہوجائے گی (نعوذ باللہ) اسطرح بالآخر انسان شرک میں مبتلا ہوجائے گا۔

اللہ ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ ہمیں معاف فرمائے اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی صحیح معنوں میں پیروی نصیب کرے۔ (آمین)

✪✪✪✪✪

باب ٦

استعانت (پکارنے/دعا کرنے) پر اشکالات

شرک فی الحقوق کے ضمن میں پکارنے یعنی غائب سے فریادرسی پر ضروری دلائل کی بنا پر وضاحت باب ۵ میں بیان کردی گئی ہے تاہم اس ضمن میں ابلیس کی طرف سے پیدا کئے گئے بہت سارے اشکالات میں سے کچھ اہم کو واضح کیا جارہا ہے۔ جہاں تک معاملہ مغالطّوں اور اشکالات میں مبتلا ہونے کا ہے تو صحیح علم سے آگاہی نہ ہونا بھی ایک وجہ ہے لیکن اصل مسئلہ فرقہ واریت کی بنا پر اخلاص سے محرومی ہے۔ظاہر ہے جب انسان اپنی خودساختہ سوچ اور من پسند مسلک کے خلاف حق بات تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا تو پھر وہ حق بات کو جاننے اور ماننے کی بجائے: کتمان حق،چشم پوشی، اعراض و غفلت اور آیات کی غلط تاویل وتحریف کی راہ اپناتا ہے۔مذکورہ حوالے سے اشکالات میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہ بھی یہی ہے۔تاہم اس ضمن میں پیدا کئے گئے اشکالات کو واضح کرنا ضروری ہے تاکہ جو سلیم الفطرت بچنا چاہے اس کے لئے حق کی پہچان کی راہ میں رکاوٹیں دور ہوجائیں۔

دوسری طرف اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ جو چیز شرک نہیں اسے زبردستی شرک قرار نہ دیا جائے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے سمجھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے اور ایسی چیزیں جو شرک میں ملوث کرنے کا باعث بن سکتی ہوں ان سے اپنا دامن بچانے کیلئے چوکنا رہنا چاہئے۔

اب ہم اللہ وحدہ لاشریک کی توفیق سے ان چند بنیادی چیزوں کی حقیقت واضح کرتے ہیں جن میں ظالم شیطان نے مغالطے میں مبتلا کرکے اشکالات پیدا کیئے ہیں۔

(1)۔اللہ کے برابر ٹھرانا شرک ہے/اللہ سمجھ کر پکارنا شرک ہے

بروز قیامت شرک کرنے والے اپنے معبودوں سے کہیں گے ہم صریح گمراہی میں تھے کہ:

﴿ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (سورۃ الشعرا:26: آیت:98)

''جب کہ ہم تمھیں اللہ رب العالمین کے برابر ٹھراتے تھے۔''

اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ جب تک کسی کو اللہ کے برابر نہ ٹھرالیا جائے، اس وقت تک شرک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگلا دھوکہ کہ اگر کسی کو اللہ یا معبود سمجھ کر پکاریں گے تو شرک ہوگا جبکہ اللہ یا الٰہ کی بجائے مخلوق سمجھ کر اللہ کے اذن کے تحت پکارنا شرک نہیں۔

<u>ازالہ:</u> اللہ کی کسی ایک صفت میں بھی کسی کو شریک کر لینا اسے اللہ کے برابر کرنا ہی شمار ہوتا ہے۔ اس ضمن بہت سارے دلائل ہیں جنہیں تفصیل سے بیان کیا جائے تو پوری کتاب بن جائے۔ اختصار کی خاطر درج ذیل صرف ایک دلیل (جو باب ۴ میں بھی بیان کی جا چکی ہے) پر غور کرتے ہیں۔ کیونکہ جس نے بات تسلیم کرنی ہو اسکے لئے ایک پختہ دلیل بھی کافی ہوتی ہے اور جس نے نہیں ماننا اس پر پورا قرآن بھی گزار دیں گے تو وہ نہیں مانے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی بابت فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

(سورۃ التوبہ آیت: 31)

''اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم (علیھا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔''

یہاں تصدیق کئے بغیر بلا دلیل علماء حضرات کی اندھا دھند پیروی کرنے کے فعل کو رب کے درجے پر

فائز کرنا قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ اپنے علماء کو رب تو نہیں کہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) روایت کرتے ہیں: قبول اِسلام سے قبل جب میں نے یہی آیت سُنی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے تھے (یعنی انکی عبادت تو نہیں کرتے تھے، پھر اس آیت میں علماء اور درویشوں کو رب بنانا قرار کیوں دیا گیا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات کو دیکھے) اَپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟ '' میں نے عرض کیا جی ہاں اَیسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔'' اِسی ایک جملہ پر (میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ) مطمئن ہوگیا اور فوراََ اِسلام قبول کرلیا۔'' (والحمدللہ)

(جامع ترمذی ''ابوبُ التفسیر'' حدیث نمبر 3095 ، مُسند امامِ احمد حدیث نمبر 378/4)

اگر کسی نے شیطان کے شکنجے سے آزاد ہونا ہو تو اللہ نے یہاں بات بالکل واضح کردی ہے کہ: <u>وہ حقوق واختیارات کسی کو دے دیئے جائیں جو خدا کے لیے مخصوص ہیں تو اس کو خدا تسلیم کرلیا گیا چاہے زبان سے اسے خدا کہا جائے یا نہ کہا جائے۔</u>

- سورۃ جاثیہ۔ آیت 23 کے مطابق خواہش نفس کی پیروی اس طرح کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پس پشت ڈال دیئے جائیں ایسا کرنا نفس کو 'الہٰ' بنانا قرار دیا گیا حالانکہ اپنے آپ کو کوئی بھی خدا نہیں سمجھتا۔
- ان الفاظ کی ادائیگی پر ''جو اللہ چاہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ﴿جعلتنی لِلّٰہ مدا﴾۔ ''تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا'' حالانکہ کہنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے برابر نہیں کیا تھا۔ (مُسند احمد حدیث نمبر 2611)

- مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی انکی صفات کو ذاتی سمجھتے تھے بلکہ اللہ کی طرف سے عطائی مانتے تھے، اسکے باوجود بھی انہیں مشرک قرار دیا گیا۔

دوران طواف یوں کہتے:

((قالو لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک اِلا شریکا ھو لک تملکه و ما ملک)) (صحیح مسلم ''کتاب الحج''، رقم:2815)

''کہتے اے اللہ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں''۔

مذکورہ حقیقت واضح ہو جانے بعد اگلا دھوکہ کہ اگر کسی کو اللہ یا معبود سمجھ کر پکاریں گے تو شرک ہوگا جبکہ اللہ یا الہٰ کی بجائے مخلوق سمجھ کر اللہ کے اذن کے تحت پکارنا شرک نہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل آیت کو دلیل بنایا جاتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ o﴾ (سورۃ المومنون:23:117)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اسکے پاس دلیل نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہوگا۔ بلاشبہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔''

یہاں ممانعت اسی بات پر آئی ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ دیگر معبودوں کو پکارنا۔ یہاں تو صراحت سے یہ بات بیان نہیں ہوئی کہ اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا فعل ہی درحقیقت اسے معبود بنانا ہے لیکن دیگر آیات میں صراحت سے بیان کر دیا گیا، جیسے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَo﴾ (سورۃ النمل۔آیت:62)

”بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد کو جب وہ اُسے پکارتا ہے؟ اور (پھر کون ہے جو) دور کر دیتا ہے اس کی تکلیف کو؟ اور (کون ہے جس نے) تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ بنایا؟ کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللّٰہ کے ساتھ (جو یہ سب کچھ کر سکتا ہو) ؟ تم لوگ بہت کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔“

یہاں پروردگار نے مکمل صراحت کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ: بلا اسباب غائب سے فریاد رسی کرنا ہی درحقیقت کسی کو معبود کے درجے پر فائز کرنا ہے۔یعنی اس فعل کو ہی عبادت کرنا یا الٰہ بنانا قرار دیا گیا ہے۔یہی بات کو نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے:

﴿**الدعآء هو العبادة**﴾ ”دُعا (یعنی پکارنا) عبادت ہی ہے یا دعا ہی اصل عبادت ہے“۔

(جامع ترمذی ”کتاب الدعوات“ حدیث نمبر 3372 ،سُنن ابی داوٗد 1479 ،سُنن ابن ماجہ 3828)

یعنی اللہ کے سوا جسے مذکورہ حوالے سے پکارا جا رہا ہے، حقیقت میں اسکی عبادت کی جا رہی ہے یعنی اسے معبود بنایا جا رہا ہے۔پھر مزید یہ کہ انسان کو جھنجوڑنے کیلئے سوالات کے انداز میں بھی اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ بلا اسباب غائب سے مشکل کشائی اور حاجت روائی اللہ کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔اگلی اہم بات یہ کہ وہ سب سے بڑا جرم جس کی بنا پر بروز قیامت بخشش کے دروازے بند ہو جانے ہوں، شفاعت نہ ہونی ہو، زندگی بھر کے سارے نیک اعمال اکارت ہو جانے ہوں......!اس کو انتہائی سنجیدہ لیتے ہوئے تو اگر کہیں جواز کی گنجائش ہو بھی تو اپنا دامن بچانا ہوتا ہے یا دور دور تک گنجائش نہ نکلتی ہو تو زبردستی غلط گنجائش پیدا کر کے ہلاکت کی راہ اپنانی ہوتی ہے؟

(2)۔ اللہ کے اذن سے مشکل کشائی

مخلوقات سے فریاد رسی، مشکل کشائی و حاجت روائی کرنے والے کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ مخلوقات اللہ کے اذن سے مشکل کشائی کرتی ہیں، بغیر اللہ کے اذن سے کوئی کسی کو کوئی فائدہ و نقصان نہیں دے سکتا تو

ایسی فریادرسی خواہ کسی زندہ سے ہو یا فوت شدہ سے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر فریادرسی کرنے والا ایسی مخلوق سے فریادرسی کرے جو نفع نقصان نہ دے سکے یا مشکل کشائی نہ کر سکے تو ایسا کرنے والے کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اسے غلط فہمی ہوئی لیکن اس پر شرک کا الزام تو عائد نہیں کیا جا سکتا۔

<u>ازالہ:</u> اس ضمن میں دو اصطلاحات بیان ہوئی ہیں:

(۱)۔امر، (۲)۔اذن۔ جنکی وضاحت پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔

(۱)۔امر کے معنی تو بالکل واضح ہیں: ''حکم'' یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی کام کے کرنے کا حکم ارشاد فرمانا جیسا کہ وہ ''امر'' دے کر فرشتوں کو مختلف کاموں کی انجام دہی کے لیے مامور فرماتا ہے۔

(۲)۔''اذن'' کا معنی ہے 'اجازت' یعنی اللہ کی طرف سے کسی صلاحیت یا کام کی اجازت مل جانا۔ جس کام یا صلاحیت کا اللہ کی طرف سے اذن ملے اس فعل کی انجام دہی کی توفیق بھی اللہ کے ذمے ہوتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں انسان کو اپنی فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں کی اجازت دی لیکن فرشتوں کو نافرمانی کا اذن نہ دیا۔ اس ضمن میں ماتحت اور مافوق امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

<u>ماتحت:</u> وہ امور جنہیں اللہ نے اپنے مستقل امر کن کے ذریعے جاری وساری اور ہمارے تابع کر دیا ہے۔ ان اسباب کا اذن ہر کسی کیلئے عام ہے۔ اللہ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے ان اسباب سے مستفید ہونا درست ہے۔

<u>مافوق امور:</u> جو ہمارے تابع نہیں کئے گئے جیسے معجزہ، کرامت۔ ان کے اجرا کیلئے قانون فطرت کو توڑنے کیلئے الگ سے اللہ کے امر کن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ کا اپنا فعل ہوتا ہے جسکا سبب مخلوقات بنتیں ہیں۔ جن حدود و قیود کے تحت اللہ کا امر کن ہو صرف اسی حد تک اذن ملتا ہے۔ اپنی مرضی سے دائرہ کار کو بڑھایا نہیں جا سکتا۔ ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ اذن خود عطا فرماتا ہے یا اسکی بارگاہ میں دعا کے ذریعے التجا کی جا سکتی ہے جیسا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی بہت سی دعائیں اللہ

تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ لیکن اللہ پر کوئی بھی کسی کام کے کروانے یا رکوانے یا اذن لینے کے لیے دباؤ نہیں ڈال سکتا۔

یہ بات درست ہے کہ اللہ کے اذن کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی سے مدد لینا شرک نہیں۔لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ مشکل کشائی کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اسکی شریعت میں اجازت ہے بھی کہ نہیں۔یعنی اللہ نے اذن دیا بھی ہے کہ نہیں۔اگر اللہ نے ہی اذن نہ دیا ہو بلکہ سختی سے ممانعت فرمائی ہو تو ایسے طریقے پر عمل کرنے سے اللہ کے اپنے نازل کردہ احکامات کی خلاف ورزی ہوگی اور ایسے امور کے متعلق بلا دلیل اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ انکا اللہ نے اذن دیا ہے تو پھر نافرمانی کے ساتھ ساتھ اللہ پر جھوٹ باندھنے کا ارتکاب بھی ہو جائے گا۔

پس سابقہ اقوام جنکا اپنے نبیوں، نیک بزرگوں، فرشتوں اور جنات وغیرہ کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ انہیں دنیاوی مصائب و آلام سے بچانے کی بھرپور طاقت رکھتے ہیں، اسلئے غائب سے مشکل مصیبت میں انہیں پکارتے ،انکی دہائی دیتے۔ پروردگار نے انکے اس فعل کو عبادت قرار دیا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسکی وضاحت اس تحریر میں پیش کردی گئی ہے۔

<u>دوسرا مغالطہ:</u> کہ اگر فریاد رسی کرنے والا ایسی مخلوق سے فریاد رسی کرے جو نفع نقصان نہ دے سکے یا مشکل کشائی نہ کر سکے تو ایسا کرنے والے پر شرک کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔

ہمیں کسی پر فتویٰ لگانے کا کوئی اختیار نہیں مگر جب پروردگار نے ایسا کرنے والے کی خود گرفت فرمائی ہو تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اسے بری ءالذمہ قرار دیں۔بطور عبرت چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَ لَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ (سورہ یونس آیت:106)

"اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمھارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے۔اگر ایسا کروگے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

﴿لَـهٗ دَعۡـوَةُ الۡحَقِّ ؕ وَ الَّـذِيۡـنَ يَـدۡعُـوۡنَ مِـنۡ دُوۡنِـهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِـطِ كَـفَّيۡـهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَـا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ۝﴾ (سورۃ الرعد آیت: 14)

''سودمند پکارنا تو اسی کا ہے اور جن کو یہ لوگ اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کسی طرح قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تا کہ (دور ہی سے) اس کے منہ تک آ پہنچے حالانکہ وہ (اس تک کبھی بھی) نہیں آ سکتا اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بیکار ہے۔''

بتوں سمیت دیگر مخلوقات پر پروردگار عالم کی شدید وعیدوں کے پیش نظر اہل ایمان صحابہ کرامؓ سمیت تابعین و تبع تابعین سب سے صرف خدائے واحد کو پکارنے کا ہی ثبوت ملتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے جو امور کائنات پر مامور ہیں ان سے بھی کسی نے فریاد رسی نہیں کی، کیونکہ وہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ انہیں حکم دے گا تو ہماری مدد کو پہنچیں گے۔

(3)۔نماز، صبر اور فرشتوں وغیرہ کا مددگار ہونا

بعض لوگ ناسمجھی کی بنا پر چند آیات سے یہ رزلٹ نکالتے ہیں کہ فرشتوں کو پکارا جا سکتا ہے، مثلاً:

﴿ وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:45)

''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔''

اسی طرح:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝﴾ (سورۃ التحریم۔آیت:4)

''پس ان کا (یعنی رسول کا) مددگار اللہ ہے اور جبرائیل اور مؤمنین اور اس کے فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں''۔

ازالہ: صبر اور نماز سے مدد کا معنی تو بالکل واضح ہے کہ مشکلات کے حل کے لیے اللہ کی نصرت حاصل کرنے کے لیے نماز کی طرف رجوع کیا جائے یعنی صبر سے کام لیا جائے اور نماز کو ذریعہ اور وسیلہ بنایا جائے جیسے بارش کے لیے نمازِ استسقاء کے ذریعے اللہ سے سوال کیا جاتا ہے۔ ایک عام انسان بھی اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکالے گا کہ اس سے مراد صبر اور نماز کو مدد کے لیے پکارنا ہے یعنی اے صبر یا نماز میری مدد کرو وغیرہ۔

نماز اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

☆ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے 3۔بار پوچھا کہ مجھے وہ کام بتایئے جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہو اور مجھے جنت میں لے جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سجدے بہت زیادہ ادا کیا کرو کہ ہر سجدہ سے اللہ تیرا ایک درجہ بلند اور تیرا ایک گناہ معاف کرے گا۔'' (صحیح مُسلم ''کتابُ الصلوٰۃ''رقم:1093)

☆ سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسولُ اللہ ﷺ کے پاس رہا کرتا اور آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی اور حاجت کا پانی لایا کرتا۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: '' مانگ کیا مانگتا ہے۔'' میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''اور کچھ۔'' میں نے عرض کیا بس یہی کافی ہے آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: '' اچھا تو پھر کثرتِ سجود (یعنی نفلی نمازوں کے ذریعے) سے میری مدد کر۔''

(صحیح مُسلم ''کتابُ الصلوٰۃ''رقم:1094)

سورۃ تحریم کی آیت مبارکہ میں اللہ نے اپنے علاوہ جبرائیل علیہ السلام ، مومنین اور فرشتوں کو رسول اللہ ﷺ کا مددگار کہا تو اس سے واضح مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جانثار ساتھی عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں فرشتوں کو مامور فرمایا۔کیا اس آیت کے نزول پر آنحضور ﷺ فرشتوں کو پکارتے تھے یا یہ کہتے تھے (المدد یا میکائیل علیہ السلام بارش برسادو)، المدد یا شھدائے بدر و اُحد، المدد یا

ابوبکروعمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ایک عام فہم انسان بھی ایسا معنی مرادنہیں لے گا۔حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں، بارش کے لیےاوردرازئ عمر کے لیےفرشتوں کونہیں بلکہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے ۔یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ فرشتوں کا مددگار ہونا اور چیز ہےاوران کومدد کے لیے پکارنا وغیرہ اور چیز۔ غائب سے صرف اللہ کو پکارا جائے گا، اُسی سے فریادرسی کی جائے گی وہ چاہے تو فرشتوں کے ذریعےمشکل دُورفرمائے یا کوئی اورسبب بنائے یہ اس کی مرضی ہے۔پکارا صرف اُسے جاتا ہے جومعبود ہواوروہ اللہ کی ذات ہے۔

(4)۔ بعدازوفات روح کا تصرف

موت جسم پرآتی ہے نہ کہ روح پراس لیے مرنے کے بعدروح سے فریادرسی کی جاسکتی ہے۔

ازالہ: روح کے حوالے سے تو شک کی گنجائش موجود ہے کیونکہ ایسی کوئی سند نازل نہیں ہوئی کہ ایسے امور پرروح کی ڈیوٹی لگائی گئی ہو،لیکن فرشتوں کے بارے میں توکسی کوشک نہیں۔تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا میکائیل علیہ السلام اولوالعزم فرشتہ ہےاور اللہ نے اس کی ڈیوٹی بارش پر لگائی ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ: **المدد یا میکائیل** علیہ السلام **بارش برسا دو** ؟---------------

یا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے پکارا بلکہ اِس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے اللہ کو ہی پکارا چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:'جب بارش نہ ہوتی تو آپ نماز استسقاء پڑھتے پھر اللہ سے دُعا کرتے تو بارش نازل ہوجایا کرتی۔

(صحیح بُخاری''کتاب الاستسقاء'' حدیث نمبر 1014، صحیح مُسلم''کتاب الاستسقاء'' حدیث نمبر 2078)

اسی طرح کیا ہم عزرائیل علیہ السلام سے درازئ عمر کی درخواست کرسکتے ہیں؟ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی تعلیم فرمائی............؟ اللہ ہمیں ظالم ابلیس سے بچائے۔(آمین)

(5)۔ اولیاء اللہ کو نہ پکارنا محرومی کا باعث

اولیاء اللہ کو نہ پکارنا ان کے فیوض و برکات سے محرومی ہے اور ایسا شخص رفتہ رفتہ خسارے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سادہ لوح مسلمانوں کو عام خطبا حضرات ڈرانے کے لیے ایک حدیث قدسی پیش کرتے ہیں کہ:

''جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے''۔

ازالہ: اولیاء اللہ سے ہمارا جو درست تعلق ہونا چاہیے اُسکی درج ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(i) انکی عزت وتکریم کی جائے، (ii) جو چیزیں شریعت کے مطابق ہیں ان سے مستفید ہوا جائے اور اسکے برعکس دوسری چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ (iii) اگر دعوت کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے تو ان کا ساتھ دیا جائے۔ (iv) باہمی تعاون اور حسن سلوک کیا جائے۔ (iv) ان کے لیے دُعا کی جائے۔

حقیقی اولیاء اللہ تو دعوت ہی قرآن وسنت کی دیتے ہیں لہذا اُن کو ماننے کے ساتھ ساتھ اُن کی بات بھی تسلیم کی جائے اور قرآن وسنت کی دعوت پر لبیک کہیں۔ اگلی بات یہ ہے کہ کیا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنا بھی بدبختی ہوگا یا نہیں؟

سب سے زیادہ پکاری جانے والی شخصیت! اولیاء اللہ میں سے وہ برگزیدہ ہستی جن کو سب سے زیادہ پکارا جاتا ہے وہ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ہیں۔ اب ذرا ان کی رائے بھی معلوم کرتے ہیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں! ان کے وہ مواعظ جو ان کی مستند اور شہرۂ آفاق کتب فتوح الغیب اور الفتح الربانی میں درج ہیں۔ ان میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ یہ مواعظ ان کے وہ خطابات ہیں جو آپ رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے بغداد کے منبر پر 40 سال تک لوگوں کو تعلیم فرمائے جو آج بھی کتابی صورت میں موجود ہیں۔

فتوح الغیب۔ مقالہ-62: ''تو اس کی طرف دیکھ جو تجھے دیکھتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جو تیری

طرف متوجہ ہے، اپنا ہاتھ اسے دے جو تجھے گرنے سے بچاتا ہے...... یہ عادت کب تک، مخلوق کب تک، خواہش کب تک، سرکشی کب تک، اللہ کے غیر کب تک؟ اشیاء کے خالق سے کدھر منہ اٹھا کر جاتا ہے؟

الفتح الربانی:13 ''بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ سے پاک کر لیا اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا......شریعت اس کے ظاہر کو مہذب کرتی ہے اور توحید باطن کو۔''

اسی کتاب میں وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبدالوہاب کو وصیت:

''اللہ سے ڈرنا لازم پکڑ اور اللہ کے سوا کسی سے بھی نہ ڈر، اللہ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھ، اپنی حاجات کو اللہ کے سپرد کر دے، اُس پر ہی اعتماد کر اور ہر چیز اُسی سے طلب کر، اللہ کے غیر پر یقین نہ رکھ توحید کو لازم پکڑ توحید کو لازم پکڑ''۔

غور فرمائیں: جو کچھ ہم ان کے ساتھ کر رہے ہیں کیا بروز قیامت وہ برداشت کریں گے؟

(6)۔ قرآن سے انبیاء علیہم السلام کو پکارنے کا جواز؟

قرآن تو خود درس دیتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پکارا جائے، جیسے:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا٥﴾ (سورۃ النساء آیت:64)

''اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔''

بعض لوگوں (بالخصوص اہل تشیع) نے مذکورہ آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید چونکہ

قیامت تک کیلئے ہے لہٰذا قیامت تک لوگ نبی کریم ﷺ سے اپنے گناہوں کی معافی سمیت ہر قسم کی فریادرسی کر سکتے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں پروردگار جو بات بیان فرمانا چاہتے ہیں اسکے صحیح مفہوم کی طرف جانے سے پہلے چند باتیں ذہن نشین رہیں:

(i) غائب سے فریادرسی پر محتاط رویہ صرف اسی لئے اپنایا جارہا ہے کہ قرآن وسنت کے محکم دلائل نے اس فعل کو عبادت قرار دیا ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے بھی دعا ومناجات کو عین عبادت قرار دیا ہے اور قرآن مجید نے اس فعل پر کثرت سے ممانعت کی ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے۔

(ii) رب کریم نے دعا ومناجات کو سننا اور مشکل کو رفع کرنا صرف اپنی خاص صفت قرار دیا ہے اور مخلوقات کیلئے اسکا اذن نہیں دیا۔

(iii) پیارے رسول ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام خود ہمیشہ اللہ ہی سے فریادرسی کرتے رہے اور اپنے پیروکاروں کو سختی سے اسی کی دعوت دیتے رہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرے گا اللہ اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔

(v) الحمد للہ ہم پیارے رسول ﷺ کی اعلیٰ ترین برزخی حیات کے قائل ہیں لیکن آپ ﷺ کی اپنی تعلیمات صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے اور صرف اسی کو پکارنے اور اسی سے فریادرسی کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔

(vi) ہمارا سلام اور درود پاک اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم اسلام تک پہنچا دیتا ہے بلکہ صحیح بُخاری کتابُ الاذان، حدیث نمبر 831 کے مطابق فرمان رسول ﷺ ہے کہ:

”جب بندہ نماز میں ((السلام علینا و علی عباد اللہ الصلحین)) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان وزمین میں موجود ہر نیک بندے کو یہ سلام پہنچا دیتا ہے۔“

(vii) باقی پیارے رسول ﷺ کی عزت وآبرو پر ہماری جان قربان ہو ہم تو آپ ﷺ کے احکامات کے پابند ہیں۔ اگر وہ خود ہی اسے عبادت قرار دے کر خدائے واحد کے ساتھ مخصوص کردیں تو کیا ہم آپ ﷺ کی نافرمانی کریں۔؟

صحابہ کرامؓ کا اسوہ:

صحیح السند احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ کے تربیت یافتہ جلیل القدر جان نثاروں کا اسوہ بھی صرف اور صرف خدائے واحد سے دعا ومناجات کا درس دیتا ہے۔ حقیقت حال سے آگاہی کیلئے صرف تین واقعات پیش خدمت ہیں:

نمبر ۱: رسول اللہ ﷺ نے دس آدمیوں کا ایک گروہ کسی علاقہ کی طرف بھیجا اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کا سردار مقرر کیا۔ جب یہ قافلہ مقام ہداہ پر پہنچا تو کفار نے گھیرے میں لے لیا، مسلمانوں نے اونچے ٹیلے پر پناہ لی تب حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کی: **((اللهم اخبرعنا نبيك))**

ترجمہ: اے اللہ ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے حال کی خبر کردے۔"

(صحیح بُخاری "کتاب المغازی" حدیث نمبر 4086)

یعنی غائب سے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کیونکہ ایسا کرنا عبادت ہے۔

نمبر۲: "بئر معونہ کے کچھ لوگ (منافقین) آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے چند آدمی ہمارے ساتھ روانہ کردیں جو ہمیں قرآن وحدیث سکھلا دیں۔ (جب کہ ان کا مقصد صحابہؓ کو قتل کرنا تھا)۔ آنحضور ﷺ نے بنوسلیم کے 70۔ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم (جو قاری بھی تھے) ان کے ساتھ روانہ کیے۔..... چنانچہ وہ بئر معونہ کے مقام پر رکے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں تبلیغ شروع کی...... ابھی وہ قبیلہ کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنا ہی رہے تھے کہ قبیلہ والے (بدبختوں) نے (پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت) قبیلہ کے ایک آدمی عامر بن طفیل کو اشارہ کیا اور اس نے صحابی (رضی اللہ

عنہ) کے جسم پر برچھا پیوست کر دیا جو آر پار ہو گیا۔اس وقت انکی زبان سے نکلا اللہ اکبر میں کامیاب ہو گیا کعبہ کے رب کی قسم! اسکے بعد قبیلہ والے (بدبخت) لوگ دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف بڑھے (جو ستر کی تعداد) میں تھے اور ان سب کو شہید کر دیا ......اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور مذکورہ واقعہ کی خبر دی کہ آپ کے ساتھی اللہ سے جا ملے ہیں۔ پس اللہ خود بھی ان سے خوش ہے اور انہیں بھی خوش کر دیا ہے...... نبی کریم ﷺ نے چالیس دن تک ان (بدبخت) لوگوں کیلئے فجر کی نماز میں بدعا فرمائی۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الجھاد حدیث نمبر: 2801, مسلم، کتاب الامارہ، حدیث نمبر 4917)

صحیح مسلم کی روایت نمبر (4917) کے مطابق ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوت ہوتے وقت کہا:

((اللھم بلغ عنا نبیک انا قد لقیناک فرضیناعنک ورضیت عنا))

''اے اللہ ہمارے حال کی خبر ہمارے نبی ﷺ کو پہنچا دے کہ ہم تجھ سے مل گئے ہیں۔ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے (اور اللہ نے جبرائیلؑ کے ذریعے یہ خبر آپ ﷺ تک پہنچائی)۔''

یعنی غائب میں نبی کریم ﷺ کی حیات میں بھی براہ راست آپ ﷺ کو مخاطب نہیں کیا بلکہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی جو کہ اصل دین ہے۔ چہ جائیکہ کہ آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد آپ کو پکارا جائے۔

نمبر۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب لوگ قحط سالی کا شکار ہو جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے: اے اللہ بے شک پہلے پہل ہم اپنے نبی ﷺ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ کے طور پیش کرتے تھے اور (اُنکی دُعا کی برکت سے) تو ہم پہ بارش برسا دیا کرتا تھا۔ (آپ ﷺ کی وفات کے بعد) اَب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ کے طور پر لے کر آئے

ہیں۔پس(اُنکی دُعا کی برکت سے) ہم پر بارش نازل فرما۔(سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پس یوں اُن پر بارش برس پڑتی۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الاستسقاء'' حدیث نمبر 1010)

دنیوی زندگی میں موجود لوگوں سے دعا کروانا جائز وسیلہ کی شکل ہے جسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا۔آپ رضی اللہ عنہ نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پہ جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا نہیں کروائی۔اور یوں اَپنے اِس عمل سے اُس صحیح طرزِ عمل کی تائید کردی کے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ برزخی حیات کے باوجود بھی قبر مبارک پہ جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کروانا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿غائب میں مدد کیلئے پُکارنا ہی ہے﴾ جو کہ عبادت ہے اور صرف اللہ کیلئے خاص ہے۔

شرک جیسا ناقابلِ معافی گناہ ہے۔۔۔﴿نَعُوذُ بِاللّٰہِ﴾۔کیا انکے اس عمل پر ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے ایسا کر کے (نعوذ باللہ) گستاخی کی ہے؟

اس وضاحت کے بعد اب ہم مذکورہ آیت کریمہ کے صحیح مفہوم کی طرف آتے ہیں۔لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ اپنے غلط نظریات،خواہش نفس،پسندیدہ مسلک و اکابرین کی خاطر،اللہ جو بات بیان کرنا چاہتا ہے،اسکی بجائے اسکا غلط مفہوم لینا بہت بڑا جرم اور رب بننے کے مترادف ہے۔جو ایسا کرے گا،وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہو کر ہدایت جانچنے کی صلاحیت سے محروم ہو کر مردود ہو جائے گا۔

اب ہم مذکورہ آیت کریمہ کا ٹھیک ٹھیک معنی سمجھتے ہیں:

مذکورہ آیت کریمہ میں اس دور کا بیان ہے جب مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور مسلمانوں کے تمام معاملات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہو کر طے پانے اور نافذ ہونے لگے تھے لیکن ساتھ یہود کی متوازی حکومت بھی موجود تھی۔چنانچہ منافقین یہودیوں سے اپنے تعلق قائم رکھنے اور رشوتیں دے کر اپنے موافق فیصلے کرانے کی غرض سے یہودیوں کی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے۔اگر آپ آیت:۶۰ تا ۶۵ کا مطالعہ کریں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔انکے اس طرزِ عمل

کو پروردگار نے طاغوت کی پیروی یعنی شرک جیسے ظلم سے تعبیر فرمایا:

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر اتاری گئی ہے اوراس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہے لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی طرف اوراس کے رسول کی طرف تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ آپ سے کترا جاتے ہیں''۔ (سورۃ النساء، آیت: 60-61)

چنانچہ اسکے بعد ان پر یہ واضح کر دیا گیا کہ جب تک یہ دل و جان سے اپنے تمام تنازعات میں آنحضور ﷺ کو حاکم تسلیم نہیں کر لیتے یہ ایمان والے نہیں ہوسکتے جسکا تذکرہ یوں ہوا:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ○ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَ يُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا﴾

(سورہ النساء آیت۔64-65)

''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں حاکم تسلیم نہ کرلیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر اسے سر بسر تسلیم کرلیں۔''

پس مذکورہ آیت کریمہ آج بھی اپنے صحیح مفہوم کہ:

''ہمیں اپنے تمام تنازعات واختلافات میں سید الانبیاء ﷺ کی تعلیمات کو حجت بنانا چاہئے اور اپنی خواہش نفس کو آپ ﷺ کے احکامات پر قربان کر دینا چاہئے جو کہ سچا مومن ہونے کی علامت ہے۔''

اس آیت کریمہ کا یہ غلط مفہوم کہ قیامت تک نبی کریم ﷺ سے اپنے گناہوں کی معافی سمیت ہر قسم کی فریاد رسی کی جاسکتی ہے، بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل آیت کریمہ پر غور فرمائیں۔

﴿یاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ (سورۃ النساء آیت:59)

''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم سے جو حاکم ہو اسکی۔ اگر تمھارے (حاکم اور عوام کے) درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم (واقعی) اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طرز عمل خیر والا اور اچھے انجام والا ہے۔''

اگر اس آیت کریمہ کا اُسی آیت کی طرح غلط مفہوم لیا جائے، تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ حاکم (امیر لمومنین) اور عوام کے مابین کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے، تو اللہ و رسول ﷺ کی طرف لوٹا جائے۔ کیا صحابہ کرامؓ جن کے مابین آنخضور ﷺ کی وفات مبارک کے بعد کثیر اختلافات ہوئے، یہاں تک کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ میں ہزاروں صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین شدید خونریزی ہوئی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خاندان ظلم کا نشانہ بنا............ ان حالات میں یہ انتہائی ضروری تھا کہ ایسے شدید اختلافات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لوٹا دیئے جاتے، تاکہ صحابہ کرامؓ خونریزی سے بچ جاتے........ ایسا اسی لئے نہ کیا گیا کہ وہ لوگ قرآن کی آیات کا صحیح مطلب سمجھتے تھے کہ اس کا مطلب اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا ہے، جو کہ بعد میں کیا گیا۔ اگر

کسی نے بات تسلیم کرتے ہوئے ابلیس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں پوری رہنمائی موجود ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی اور دیانتداری پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(7)۔ جب بندہ خدا کا مظہر بن جائے تو اسے پکارنے میں حرج نہیں

اس حوالے سے ایک حدیث قدسی ملاحظہ کریں:

((وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به، و بصره الذی ینصر به، و یده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها، و ان سالنی لاغطینه ، ولئن استعاذنی لاعیذنه)) (صحیح بُخاری ''کتاب الرقاق'' حدیث نمبر 6502)

''اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادت کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔''

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ بندہ اللہ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اس لیے اسے مصیبت و مشکل کے حل کے لیے پکارا جا سکتا ہے بالکل غلط ہے۔مذکورہ حدیث کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اُس بندے کو اللہ کی تائید حاصل ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے اعضاء شریعت کے احکامات کے تابع ہو جاتے ہیں۔اگر حدیث مبارکہ کے آخری حصہ پر غور کریں یعنی:

''اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر پناہ طلب کرتا ہے تو اسے اپنی حفاظت میں لیتا ہوں۔''

بات بالکل واضح ہوگئی کہ وہ بندہ تو خود اللہ سے سوال کرے گا اور اگر اُس کے اعضاء خدا کی صفات

کا مظہر بن چکے ہیں تو پھر ﷲ سے سوال کرنے کا کیا مطلب ہوا۔ مذکورہ غلط استدلال کا معنی تو یہی بنتا ہے کہ انسان الٰہ کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے (نعوذ باﷲ)۔ اُمید ہے بات سمجھ آ چکی ہوگی۔

(8)۔ اسباب کو ندا بالغیب کے لیے دلیل بنانا

لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ٹیلیفون پر بات کرنا شرک نہ ہوگا؟

ازالہ: ٹیلیفون پر بات اسباب میں داخل ہے اور اسباب کو اختیار کرنے کا خود پروردگار نے حکم دیا ہے۔

﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ﴾ (المائدہ۔آیت:2)

”نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم تعاون نہ کرو۔“

بغیر اسباب وذرائع سے فریادرسی کرنے اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بغیر اسباب کے فریادرسی کرنے سے ”دُعا“ کی صورت بن جاتی ہے جس کی ممانعت ﷲ ورسول ﷺ نے کی ہے۔ بغیر اسباب کے جس سے مشکل کشائی کی جاتی ہے اس کو اس بات پر قدرت ہونی چاہیے کہ کائنات کی ہر چیز کے احوال سے ہر وقت آگاہ ہو، کبھی سوتا نہ ہو، کبھی اُسے اُونگھ نہ آتی ہو، دلوں کی حالت سے ہر وقت واقف ہو اور ہر قسم کے حالات تبدیل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو کیونکہ کسی وقت بھی کوئی پکار سکتا ہے۔ یہ صفت یقیناً اسی کی ہو سکتی ہے جو الٰہ ہو اور وہ صرف اور صرف اﷲ رب العالمین ہے۔

(9)۔ اگر فوت شدہ جواب نہیں دیتے تو ﷲ بھی تو نہیں دیتا (نعوذ باﷲ)

ازالہ: محترم بھائیو! یہ بات بعض کتب میں لکھی ہوئی ہے جب میں نے پہلی مرتبہ یہ بات پڑھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ ابلیس کتنا بڑا لعنتی اور دشمن خدا ورسول ﷺ اور دھوکے باز ہے کہ ایسی بات لوگوں کے منہ سے نکلوا دی جس کا کلمہ گو تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہرکیف اس حوالے سے چند

ضروری باتیں ملاحظہ کریں:

(i) اللہ جل جلالہ پر ہمارے ایمان کی بنیاد ہی غیب پر ہے (یومنون بالغیب)

(ii) اس طرح کے سوالات آپ ﷺ سے کفار و مشرکین کرتے رہے ہیں جن کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے جیسے: وہ لوگ یہ کہتے کہ اگر اللہ ہے تو سامنے آئے (دیکھیے فرقان، آیت:21) اِسی طرح یہ کہتے جب تک فرشتے وغیرہ ہم خود نہ دیکھ لیں گے ہم ایمان نہ لائیں گے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ﴾

''اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اِن پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیجتے تو اِن کا قصہ ہی تمام کر دیا جاتا پھر اِن کو ذرا مہلت نہ دی جاتی''۔

اس سے بڑی بات یہ کی گئی ہے کہ جس طرح اللہ جل جلالہ دُعاؤں کو سنبھال کر رکھتا ہے مناسب وقت پر قبول کرتا ہے اسی طرح اولیاء کرتے ہیں۔ محترم بھائیو! غور کریں ایسی بات کرنے سے اللہ کو بندوں پر اور بندوں کو اللہ پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ محترم بھائیو! ہوش کریں ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے اللہ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہونا؟

(10)۔ پکارنے پر انتہائی غلط جواز

نوٹ: مذکورہ غلطی کی نشاندہی کا مقصد کسی گروہ کو غلط ثابت کرنا نہیں، ہر گروہ میں اچھائی اور خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ غیر نبی سے خطا واقع ہو سکتی ہے۔ اللہ و رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ عامی مسلمانوں کیلئے اس غلطی کی نشاندہی کی جائے تاکہ لوگ تحریف قرآن و سنت اور اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ پھر بھی اگر کسی کی دل آزاری ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا پکارنے پر ''عجائب القرآن و غرائب القرآن'' نامی کتاب میں قرآن مجید کی انتہائی غلط تفسیر بیان ہوئی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى

وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴿٥﴾ (سورۃ البقرہ ،آیت:260)

''اور جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کردے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں؟ جواب دیا کیوں نہیں لیکن میرے دل کی تسکین ہوجائے گی۔فرمایا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لو، پھر انکا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ تو وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔''

مذکورہ کتاب میں اسکی تفسیر یوں کی گئی:

''اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ مردوں کو پکارنا شرک نہیں ہے۔کیونکہ مردہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے پکارنے کا حکم صادر فرمایا اور ایک جلیل القدر پیغمبر نے ان مردوں کو پکارا تو ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہوسکتا۔کیونکہ خداوند کریم کبھی بھی کسی کو شرک کا حکم دے گا نہ کوئی نبی ہرگز ہرگز شرک کا کام کرسکتا ہے۔تو جب مرے ہوئے پرندوں کو پکارنا شرک نہیں تو وفات پائے ہوئے خدا کے ولیوں اور شہیدوں کو پکارنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے؟ جو لوگ ولیوں اور شہیدوں کو پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور یا غوث کا نعرہ لگانے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔انہیں تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچنا چاہیئے تا کہ اس قرآنی واقعہ کی روشنی میں انہیں ہدائت کا نور نظر آجائے اور وہ اہل سنت کے طریقے پر صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں۔(واللہ الموفق)''

(عجائب القرآن،علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی،ص۔38-37)

قابل توجہ:

(i) پکارنے پر قرآن مجید میں کثرت سے محکم آیات ہیں جن میں خود پروردگار نے اپنے سوا

پکارنے پر سخت وعیدیں نازل فرمائی ہیں (دیکھئے بنی اسرائیل: ۵۶ تا ۵۷، سورہ یونس، آیت: ۲۲، مریم: ۴۸، الانبیاء: ۹۰، لقمٰن: ۳۲، نمل آیت: ۶۲ وغیرہ)، ان میں سے کچھ آپ ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

(ii) نبی کریم ﷺ نے پکارنے کو عین عبادت قرار دیا ہے اور یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

(iii) قرآن اور اللہ پر ایمان ہر انسان سے یہ بنیادی تقاضا کرتا ہے کہ آیات کے معنی و مفہوم میں ذمہ داری اور بہت احتیاط برتی جائے۔ قرآن وسنت کے دیگر محکم دلائل کی موجودگی میں ایسا غلط جواز جو مذکورہ کتاب میں بیان کیا گیا اسکا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محکم احکامات کا خود رَد نہیں کرتا۔

(iv) پکارنے کے حوالے سے جس بات پر اللہ و رسول ﷺ نے گرفت فرمائی ہے وہ یہ کہ: ''دنیاوی اسباب کے بغیر غائب سے اللہ کے سوا کسی کو اپنی مشکلات وحاجات پیش کرنا اور اس سے انکے رفع کی امید رکھنا جو کہ ''دعا'' ہے اور یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

(v) نبی کریم ﷺ نے اس فعل کو عین عبادت قرار دیا ہے اور قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ ان خصوصیات کی حامل ذات کو الٰہ (معبود) قرار دیا اور یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے جسکا اذن اللہ نے اپنے سوا کسی اور کیلئے بیان نہیں فرمایا۔

(vi) اس آیت کریمہ کا صاف اور سیدھا مفہوم بالکل واضح ہے کہ: اپنے پیغمبر کی خواہش پر انکے یقین میں اضافہ کیلئے معجزانہ طور پر پرندوں پر اپنا حکم جاری فرماتے ہوئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر انہیں زندہ کر دیا۔ جواز تو تب بنتا جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام پرندوں سے مصائب وآلام کے رفع کیلئے دعا کرتے۔!

(vii) یہ خرق عادت کام اللہ کے امر واذن سے ہوا، جو معمول کیلئے دلیل نہیں اور نہ سلف اہل علم میں سے کسی نے ایسے خودساختہ غلط مفہوم کی بنیاد پر اللہ کی بجائے پرندوں یا دیگر فوت شدہ کو پکارنا شروع کیا۔ اگر یہی طرز عمل دیگر معجزات کیلئے اختیار کیا جائے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ

السلام کیلئے پتھر سے ۱۲ چشمے جاری ہوئے تو کیا پتھروں سے پانی مانگنا شروع کر دیا جائے گا......؟

(viii) قرآن مجید کی مذکورہ غلط تفسیر کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ دین، محدثین ومفسرینؒ میں سے کس نے قرآن مجید کی سینکڑوں دیگر محکم آیات جن میں پکارنے کی سخت ممانعت ہوئی ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ کے سوا فریادرسی ومشکل کشائی کا جواز پکڑا۔؟

ہم تمام اہل علم سے گذارش کرتے ہیں کہ اللہ کے کلام کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بہت احتیاط کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے پسندیدہ گروہ کے دفاع کی خاطر ہم درج ذیل وعید کی زد میں آجائیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

(سورہ حم السجدہ، آیت:40)

''بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات میں تحریف کرتے ہیں (معنی کو اسکے اصل مفہوم سے ہٹاتے ہیں) وہ ہم سے مخفی نہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جانے والا ہے اچھا ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آنے والا ہے؟ تم جو چاہو کرو (لیکن یاد رکھو) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے یقیناً دیکھنے والا ہے''۔

اللہ ہمیں معاف فرمائے۔(آمین)

(11)۔ قرآن کی وعیدیں بتوں کی پرستش پر

سابقہ کفار ومشرکین جنکا تذکرہ قرآن مجید میں آیا وہ بتوں سمیت دیگر مخلوقات جیسے انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، جنات اور نیک لوگوں کی عبادت کرتے، مصائب وآلام میں انھیں پکارتے اوران سے فریادرسی کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی وعیدوں کا اطلاق بتوں سمیت دیگر مخلوقات پر ہوا ہے تفصیل کیلئے پچھلا باب دوبارہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

(12)۔ مستقل بالذات کا مغالطہ

توحید وشرک کے ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ کہ: ''اگر یہ عقیدہ ہو کہ مخلوقات اللہ کے اذن سے مشکل کشائی کرتی ہیں، بغیر اللہ کے اذن سے کوئی کسی کو کوئی فائدہ ونقصان نہیں دے سکتا تو ایسی فریاد رسی خواہ کسی زندہ سے ہو یا فوت شدہ سے کوئی حرج نہیں، شرک تب ہوگا اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہ اپنے افعال میں خودمختار اپنی زندگی کا خود (مستقل بذات یا بذاتہ) مالک ہے۔''

ازالہ: الحمدللہ پوری دنیا میں کوئی ایک کلمہ گو اہل قبلہ مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی غیر اللہ کو اپنے افعال میں بغیر اذن اللہ کے خودمختار یا مستقل بالذات سمجھتا ہو۔قرآن وسنت میں مشرکین کی جتنی بھی مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ سب اللہ کو مانتے تھے۔اور اپنے معبودوں کے اختیارات اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ تسلیم کرتے تھے۔اللہ کو سب سے بڑا جبکہ دیگر معبودوں اللہ کے نیچے مانتے تھے۔وہ یہ خیال کرتے تھے کہ انکے معبود انکی اللہ کی بارگاہ میں سفارش یا شفاعت کریں گے یا انکے ذریعے سے اللہ کا قرب نصیب ہوگا (دیکھئے سورہ زمر، آیت۔۳)۔قرآن وسنت میں انکے درج ذیل افعال و عقائد کی بنا پر شرک کی وعیدیں آئیں:

بغیر دلیل وسند اپنے بعض معبودان لات وعزیٰ وغیرہ کو مافوق الاسباب امور کا حامل ٹھہرانا، انکی عبادت جیسے:

> ''سجدہ، طواف، نذرومنت، انکے لئے قربانی کرنا، بغیر اسباب انہیں پکارنا یعنی دعا والتجا کرنا جسکا اذن اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا کیونکہ یہ عین عبادت ہے، بعض کو اللہ کا بیٹا اور بیٹیاں قرار دینا وغیرہ۔''

یہ بات قابل غور ہے کہ مشرکین اگر چہ صالحین، جنات، انبیاء اور بتوں کو الہٰ مانتے تھے۔مگر ان کو مستقل بالذات یا ذاتی حیات واقتدار کا مالک نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ خدائے بزرگ وبرتر کا انکی بابت ارشاد ہے۔

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿ (سورہ یونس۔آیت:31)

''(ان سے) پوچھیے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ کون مالک ہے تمہارے سننے اور دیکھنے کی ''قوتوں'' کا؟ اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے اور کون تدبیر کرتا ہے اُمور کی تو وہ ضرور کہیں گے اللّٰہ ، پھر ان سے پوچھیے تم ڈرتے کیوں نہیں؟''

درج بالا آیت پر مغالطہ: بعض کتب میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اگر مشرکین اللہ تعالیٰ کو واقعتاً رب مانتے تھے تو پھر درج ذیل آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ سے مشرکین کے لئے یہ اعلان کیوں کروایا کہ:

''کہو کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے۔''

(سورۃ الانعام آیت:165)

یہ مغالطہ رب کے مفہوم میں لگا ہے۔ رب کا اصل مفہوم پرورش کرنے والا ہے اسی لئے رب کا ترجمہ پروردگار کیا جاتا ہے۔ پھر اسی سے تصرف، خبر گیری اور اصلاح حال کا مفہوم اس میں پیدا ہوا۔ اسی بنیاد پر اس کا مفہوم مالک ہونے کے ہم معنی ہو گیا۔ اوپر آیات سے واضح ہے کہ مشرکین اصلاً اپنا مالک، روزی رساں، خالق اور مدبر اللہ کو مانتے تھے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ان صفات میں اُس کے بندوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ گویا اسطرح وہ اللہ کے ساتھ اور رب یعنی آقا بھی مانتے تھے۔ اس پس منظر میں کہا گیا کہ:

''کہو کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے''

(سورۃ الانعام آیت165)

گویا وہ مشرکین اللہ کو رب تو مانتے تھے مگر تنہا اور اکیلا رب نہیں مانتے تھے۔ بلکہ اس کی ربوبیت میں اور ہستیوں کو شریک سمجھتے تھے۔

مشرکین اپنے معبودوں کو ذاتی اختیار کا مالک نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں رب کی صفات میں شریک کرتے تھے۔اس بات کی تائید آنحضور ﷺ نے بھی فرمائی چنانچہ دوران طواف جب تلبیہ پڑھتے تو صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کرتے کہ انکی صفات عطائی ہیں، دوران طواف یوں کہتے:

((قالو لبیک اللهم لبیک لبیک لا شریک لک اِلا شریکا ھولک تملکه وما ملک))(صحیح مُسلم ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 2815)

''کہتے اے اللہ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں''۔

بلکہ مشرکین ان نیک لوگوں یا جنات جنکی وہ پوجا کرتے تھے انہیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی یا قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ان کے اس عقیدے کو پروردگار نے واضح طور پر بیان فرمایا، ارشاد ہوا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (سورۃ الزمر۔3)

''اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (وہ یہ کہتے ہیں) کہ ہم انکی عبادت صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔''

یوں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مشرکین اپنے معبودوں کو اپنے افعال میں خودمختار یا اپنی زندگی کا خود (مستقل بذات یا بذاتہ) مالک نہیں سمجھتے تھے۔ایسی مطلق صفات کا حامل وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے اور اپنے معبودوں کو اسی کے تابع سمجھتے تھے۔

بہر کیف حقیقت حال سے آگاہی کے لئے ''باب ۴'' میں بیان کردہ ہندوؤں کے شرک کی نوعیت پر غور کریں۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہی دین رہا ہے جسے قرآن وسنت سے اس تحریر میں بیان کیا گیا۔کتاب

اللہ اور پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنا پر دین میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے آپ اس تحریر میں آگاہ ہو چکے ہوں گے۔ ہماری کمال رہنمائی کی خاطر انہیں تبدیلیوں کی نشاندہی مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے یوں فرمائی ہے:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر　　　جو ٹھرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر　　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　　شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل آئے اس سے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں　　　ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں　　　وہ بدلہ گیا آ کے ہندوستان میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی آخر کھو بیٹھے مسلماں

(مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ)

آخری سوال!

اگر کوئی پوری زندگی سوائے اللہ کے کسی بھی اور ہستی کو نہ پکارے تو دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا اللہ اسے اس بات پر پوچھے گا یا گرفت فرمائے گا کہ تو نے اللہ کے ساتھ دیگر بزرگان دین کو کیوں نہیں

پکارا..................؟

اوراگر

اللہ کے ساتھ اور ہستیوں سے کو بطور مدد پکارا اور اللہ نے قیامت کے دن پوچھ لیا تو کیا جواب دینگے.............................؟

خلاصہ: شرک فی الدعاء

(۱) اللہ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے مصائب و آلام کے حل کے لیے جائز اسباب اختیار کرنا مستحن ہے لیکن بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھا جائے۔

(۲) بغیر ظاہری اسباب کے مشکل و مصیبت کے لیے غائبانہ کسی سے فریادرسی کرنا اللہ ورسول ﷺ کے نزدیک 'دُعا' ہے اور 'دعا' کو عبادت قرار دیا گیا ہے جو کہ اللہ کا حق ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے ساتھ ایسا فعل بجالانا کرنا شرک ہے۔

(۳) غائبانہ فریادرسی پر وعید پکارنے پر ہے نہ کہ معبود سمجھنے پر۔ اگر کسی کو معبود قرار دے دیا تو بغیر پکارے ہی شرک کا ارتکاب ہو گیا۔ پکارنے پر وعید ہر طرح سے آئی ہے یعنی معبود قرار دے کر یا بغیر معبود قرار دیئے۔

(۴) تمام انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ و تابعین، آئمہ وسلف صالحین صرف اور صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا مشرکین کا فعل تھا۔ مشرکین جب بھی بڑی مصیبت میں پھنستے تو اپنے معبودوں کو بھول کر خالص اعتقاد کے ساتھ صرف اور صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے۔

(۵) مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کو اختیارات اللہ نے عطا کیے ہیں اور یہ اللہ جل جلالہ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ قادر مطلق ہونا اور کائنات کو تخلیق کرنا یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

(٦) اللہ کے جن محبوب بندوں کو پکارا جاتا ہے وہ بروز قیامت برأت کا اظہار کریں گے اور جو لوگ انہیں پکارتے تھے ان کے دشمن ہوجائیں گے۔

(٧) بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جو اہل قبور سے نہ تو فریاد رسی کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں لیکن انکے تمام امور خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔ یقیناً انکے کام ایک اللہ ہی تو کررہا ہے جس پر وہ بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

۞۞۞۞۞

باب ۷

شرک فی الحقوق: ﴿قبروں کے احکام﴾

جیسا کہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ بغیر اسباب کو اختیار کئے ہوئے اللہ کی مخلوقات سے کی گئی غائب سے فریادرسی یا استمداد عبادت میں داخل ہے جسکی تین صورتیں کتاب الٰہی میں مذکور ہوئی ہیں: (1) ایسے شخص سے فریادرسی کرنا جو زندہ ہو (2) جو فوت ہو چکا ہو۔ (3) فوت شدہ کے بت بنا کر جسکا ذکر سورہ نوح آیت ۲۳ تا ۲۵ میں بیان ہوا۔ سابقہ اقوام میں غیر اللہ کی پرستش کی یہ تینوں صورتیں پائی جاتی تھیں جن کا بیان باب ۵ اور ۶ میں کر دیا گیا ہے۔ فریاد سن کر مشکل کشائی یا حاجت روائی کرنا تو دور کی بات ہے۔ پروردگار نے انکی بابت ہماری فریادوں کو سننے کی ہی نفی فرما دی ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (سورۃ النمل: آیت: 65)

”فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب کا علم نہیں رکھتا، انہیں (قبروں میں مدفون لوگوں کو) یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کب (قبروں سے) اٹھا کھڑا کیا جائے گا“

اسکی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”سنو اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے، انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا وقت بھی نا معلوم ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر)

چونکہ اس حوالے سے اکثریت حقیقت سے آگاہ نہیں اسلئے یہ ضروری ہے کہ سچ بات کو واضح کیا جائے۔ اب ہم اپنے آپ کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور زیارت قبور کے متعلق اللہ

اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے رہنمائی لیتے ہیں۔ انشاء اللہ ہر چیز کے دونوں پہلو بیان کیے جائیں گے یعنی جہاں تک کسی چیز کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اور جس کام سے روکا گیا ہے وہ بھی۔

زیارت قبور۔ جائز پہلو

آپ ﷺ نے ابتداء میں قبروں کی زیارت سے روک دیا تھا جس کی دو وجوہات تھیں۔

نمبر ۱: قبریں ہمیشہ سے شرک کا ذریعہ رہی تھیں اور سابقہ اُمتوں کے شرک کی بڑی وجہ قبریں ہی تھیں جو رفتہ رفتہ بت پرستی میں تبدیل ہو گئیں۔

نمبر ۲: ابتداء میں توحید کا شجر اتنا پختہ نہ تھا اس لیے خدشہ تھا کہ لوگ جو نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں ابلیس انھیں شرک میں مبتلا نہ کر دے۔ جب ایک اللہ کا یقین راسخ ہو گیا اور شرک سے نفرت پیدا ہو گئی تو آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی لیکن عورتوں کے لیے ممانعت فرما دی۔ چنانچہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اَب اُن کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔''

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 2259 ، سُنن ابن ماجہ ''حدیث نمبر 1572'')

اسی طرح اور احادیث میں والدین کی قبروں پر جانے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اہلِ قبور کے لیے دُعا تعلیم فرمائی۔ چنانچہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں قبرستان جا کر پڑھنے کیلئے یہ دُعا تعلیم فرمائی:

﴿السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانشاء الله بکم للا حقون۔ نسال الله لنا ولکم العافیه﴾

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 2257 ، سُنن ابن ماجہ حدیث نمبر 1547)

''سلامتی ہو گھر والوں میں سے مومنین اور مسلمین تم پر۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ

ملنے والے ہیں۔ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں‘‘

مقصد: آپ ﷺ نے اجازت دی اور ساتھ ہی اجازت دینے کا مقصد بھی بیان فرمادیا کہ دنیا سے دِل اچاٹ ہو اور آخرت کی طرف رجحان پیدا ہو، یا اہل قبور کی سلامتی، عافیت اور مغفرت کے لئے دعا کی جائے۔قبروں پر جانے کا مقصد آپ ﷺ کی طرف سے صراحتاً بیان ہو جانے کے بعد کسی بھی اہل ایمان کے لئے اس مقصد سے ہٹ کر کوئی اور غلط مقصد بنانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پس قبروں کی زیارت کو جانا، ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنا، سلامتی کی دُعا کرنا، قبروں کا احترام کرنا، ان کے اوپر پاؤں نہ رکھنا وغیرہ بالکل درست ہے۔لیکن جو کچھ آج ہو رہا ہے بہت افسوسناک ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔

زیارت قبور۔شرکیہ امور

محترم بھائیو!اس چیز پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس کے نزدیک بہت عزت اور قدر والے ہیں۔ایسے لوگوں کی صحبت اور نسبت باعث خیر و برکت ہے۔ان کی تعظیم اور ادب و احترام کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اللہ کے وہ بندے جنہوں نے دین کی خاطر زندگی بسر کی خود بھی شرک سے بچے اور لوگوں کو بھی بچایا۔ایسے لوگ اللہ کو بہت محبوب ہیں اور اللہ ان کا بڑا لحاظ اور اکرام کرتا ہے لیکن ابلیس لوگوں کو برباد کرنے کے لیے مقربین کو ہی ڈھال بناتا ہے۔چنانچہ ذرا گہری بصیرت سے دیکھیے گا کہ نبی کریم ﷺ نے کس بڑے خطرے کی نشاندہی فرمائی ہے اور اپنی اُمت کی خیر خواہی فرماتے ہوئے کس قدر سختی سے روکا ہے۔آپ ﷺ کی زندگی کی آخری وصیتیں ملاحظہ کریں اور عبرت حاصل کریں:

آنحضور ﷺ کی زندگی کی آخری وصیتیں

نمبر ۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرضِ وفات میں مبتلا تھے تو بار بار اپنی چادر کو اپنے چہرہ مبارک پہ ڈالنا شروع کر دیا۔اور جب چادر کی وجہ سے

گھبراہٹ شروع ہو جاتی تو اُسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے اور اسی حال میں فرماتے جاتے:((**لعنت الله علی الیهود وا لنصاریٰ اتخذو قبور انبیا ئهم مساجدا**)) (اللہ کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں (عیسائیوں) پر کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا تھا)۔

اِسی روایت کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پہ لوگ سجدے شروع کر دیں گے تو آپ ﷺ کی قبر (مبارک) کو (زائرین کی زیارت کیلئے) کھلا چھوڑ دیا جاتا۔مگر آپ ﷺ کو یہی خوف تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اِس عمل سے بچنے کی تلقین کر رہے تھے۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 1390، صحیح مُسلم ''کتابُ المساجد'' حدیث نمبر 1183)

نمبر ۲: سیدنا جُندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے 5۔ دن قبل آپ ﷺ کو یہ بات اِرشاد فرماتے ہوئے سُنا۔۔۔: '' خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے۔خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔بے شک میں تمہیں اِس حرکت سے منع کرتا ہوں۔''

(مُسلم ''کتابُ المساجد'' نمبر 1188)

نمبر ۳: سیدنا امام مالک رحمہ اللہ مشہور تابعی عطا بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:((**اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب الله علی قوم اتخذو قبور انبیا ئهم مساجدا**)) (اَے اللہ میری قبر کو ایسا بُت نہ بنانا کہ اُسے پوجا جانے لگے۔ اللہ کا غضب نازل ہو اُن لوگوں پر جنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا تھا)

(الموطاء للمالک ''کتابُ قصر الصلوۃ فی السفر'' حدیث نمبر 416)

نمبر ٤: سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں (کوفہ کے پاس شہر) ''حیرہ'' پہنچا

تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ تو اس چیز کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُنھیں سجدہ کیا جائے۔ میں واپس آیا تو سارا واقعہ بیان کر کے سجدے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''اگر تم میری قبر سے گزرو گے تو کیا اُسے بھی سجدہ کرو گے؟'' میں نے عرض کیا نہیں! تو اِس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا مت کرو۔ اگر میں کسی کو اللّٰہ کے علاوہ سجدہ کرنے کا حُکم دیتا تو بیویوں کو حُکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ اللّٰہ نے اُنھیں بیویوں پر حق دیا ہے۔'' (سُنن ابی داود ''کتابُ النکاح'' حدیث نمبر 2140)

نمبر ۵: عن جابر رضی الله عنه ((نهیٰ رسول الله ﷺ أن يحصص القبر و أن يقعد عليه و أن يبنى عليه))

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''منع فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے:

(1) قبروں کو پکا کرنے سے اور (2) اِن پر عمارت بنانے سے۔ اور (3) اِن پر بیٹھنے سے اور (4) اِن پر لکھنے سے۔

(نوٹ: آخری جملہ نمبر (4) ''جامع ترمذی'' میں موجود ہے)

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث 2245 ، جامع ترمذی 1052، نسائی 2027، ابن ماجہ 1562)

نمبر ٦: سیدنا ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ہی اُنکی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔''

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 2250 ، سُنن ابی داود 3229، جامع ترمذی 1050)

نمبر ۷: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی اُن میں نوافل ادا کیا کرو) اور ﴿**لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْداً**﴾ (میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنالینا)۔ اور (ہر جگہ سے) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (سُنن ابی داود ''کتابُ المناسک'' نمبر 2042)

نمبر ۸: ((لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسراج))(سُنن ابی داود "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 3236 ، ترمذی "حدیث نمبر 320)

" لعنت فرمائی ہے رسولُ اللہ ﷺ نے (1) قبروں کی زیارت (کثرت سے) کرنے والی عورتوں پر اور (2) اِن پر سجدہ کرنے والی عورتوں پر اور (3) اِن پر چراغ روشن کرنے والیوں پر۔"

نمبر ۹: مشہور تابعی ابوھیاج اسدی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((ألا أبعثك على ما بعثنى عليه رسول الله ﷺ أن لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويتَه)) (صحیح مُسلم "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 2243، ترمذی" نمبر 1049)

" کیا میں تمھیں اُس کام کے لئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھے خود رسولُ اللہ ﷺ نے مامور فرمایا تھا اور وہ یہ کہ تم ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کردو۔"

نمبر ۱۰: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسولُ اللہ ﷺ کے سامنے اِیک گرجے کا ذکر کیا جو اُنھوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا اور اُسے "ماریہ" کہا جاتا تھا۔ اور اُنھوں نے اُس گرجے میں لٹکی ہوئی کچھ تصاویر کا ذکر بھی رسولُ اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو رسول اُللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ لوگ ایسے تھے کہ جب اُن میں سے کوئی نیک آدمی مرجاتا تو وہ اُسکی قبر پر مسجد بنالیتے اور پھر اُس میں اُسکی تصویریں لٹکا دیتے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہونگے۔"

(صحیح بُخاری "کتاب الجنائز" نمبر 1341، صحیح مُسلم "کتاب المساجد" نمبر 1180)

نمبر ۱۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

"بے شک (قیامت کے دن) لوگوں میں سے بدترین وہ لوگ ہونگے جن پر قیامت قائم

ہوگی۔اور وہ ایسے لوگ ہونگے جو قبروں پر مسجدیں بنائیں گے۔''

(**نوٹ** : آخری جملہ مُسند امامِ احمد ، صحیح ابنِ خزیمہ اور صحیح ابنِ حبان میں موجود ہے)

(صحیح بُخاری ''کتابُ الفتن '' حدیث نمبر 7067، صحیح مسلم ''کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 7402)

(مُسند امامِ احمد حدیث 3921 ، صحیح ابنِ خُزیمہ حدیث 767 , صحیح ابنِ حُبان حدیث 6973)

فیصلہ آپکے ہاتھ! یہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے یہ میری باتیں نہیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی آخری وصیتیں ہیں۔انھیں بار بار پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ہمارے خیال میں یہ وصیتیں انسان کے ایمان کے لئے آزمائش ہیں کہ وہ عملاً آپ ﷺ کی باتوں کو اپنے خودساختہ نظریات پر ترجیح دیتا ہے یا اسکے برعکس کرتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے آئمہ وسلف کی رائے بھی پیش کر دیتے ہیں:

آئمہ وسلف صالحین کی رائے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔150 ھ): امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا نری ان یزاد علی ما خرج منه و نکره ان یحصص او یطین او یجعل عنده مسجدا او یکتب علیه و یکره الاجر ان یبنی به او یدخل القبر ولا نری برش الماء علیه بأساً وهو قولُ اَبی حَنیفة رحمة الله علیه)) (کتاب الآثار، باب تسنیم القبور وتجسیسھا، صفحہ:126)

''اورنہیں دیکھتے ہم یہ کہ زیادہ کیا جائے اس چیز پر جو کہ اس سے نکلے۔یعنی جو مٹی قبر سے نکلی اس کے سوا اور مٹی اس میں نہ ڈالی جائے۔اور مکروہ رکھتے ہیں ہم یہ کہ گچ (چونے سے پکا کرنا) کی جائے یا مٹی سے لیپی جائے یا اس کے پاس مسجد بنائی جائے یا نشان بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے اور مکروہ ہے پکی اینٹ کہ اس سے قبر بنائی جائے یا قبر میں داخل کی جائے اور ہمارے نزدیک قبر پر پانی چھڑکنے میں کچھ گناہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔''

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔1270ھ):

''اِس بات پر اجماعِ اُمت ہے کہ سب سے بڑا حرام اور شرک کے اسباب کی چیزوں میں سے مزاروں کے پاس نماز پڑھنا، اور اُن پر مسجدیں یا عمارتیں بنانا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ''مسجد ضرار'' (جسے گرانے کا حکم خود اللہ نے دیا تھا) سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔اِس لئے کہ اِن کی بنیادیں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر رکھی گئی ہیں۔اور قبروں پر ہر قندیل اور ہر چراغ بجھا دینا بھی واجب ہے اور کوئی جواز موجود نہیں ہے اِنکے وقف کرنے اور نذر ماننے کا۔''

(روح المعانی'' حوالہ:15 / 238 ، مکتبہ امدادیہ،ملتان)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔561ھ)

((و یرفع القبر من الارض قدر شبر و یرش علیه الماء و یوضع علیه الحصا و ان طین جاز وان جصص کره))(غنیۃ الطالبین،صفحہ 640)

''قبر زمین سے ایک بالشت بلند کی جائے،اوراس پر پانی چھڑ کا جائے اوراس پر سنگریزہ رکھ دیں اور اگر لیپ کر دیں تو جائز ہے مگر گچ (چونے سے پکا کرنا) سے بنانا مکروہ ہے۔''

نوٹ: آئمہ وسلف کے نزدیک مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفیٰ۔1176ھ)

''**حجة الله البالغه**'' میں رقم طراز ہیں کہ:((جولوگ حاجتیں طلب کرنے کے لیے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور بدکاری کا گناہ اس سے کم تر ہے۔آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں کیا فرق ہے؟ جولوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن لوگوں کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُن کے برعکس اِن لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں))۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول،ص 51،مترجم،مطبوعہ الفیصل ناشران،اگست،2006)

تمام سلف صالحین کی رائے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہے

سلف صالحین کی رائے کے حوالے سے چند عبارات پیش کر دی گئی ہیں یہی موقف باقی آئمہ وسلف صالحین کا ہے۔حوالے کے طور پر چند بزرگان دین کے نام اور وہ تصانیف جن میں ان کی رائے موجود ہے اختصار کی خاطر پیش کی جاتی ہیں موقعہ ملے تو ضرور مطالعہ کریں:

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ، صاحب ہدایہ۔ ہدایہ مع فتح القدیر 100/2 ، علامہ قاضی خان رحمہ اللہ۔فتاویٰ قاضی خان رحمہ اللہ، فتاویٰ عالمگیری: 166/1؛ علامہ علاؤ الدین الحصکفی رحمۃ اللہ۔الردالمختار: 125/1 ، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ۔الردالمختار: 601/1، علامہ عینی حنفی ، رمز الحقائق: 67/1، علامہ طحاوی حنفی رحمۃ اللہ، طحاوی علی مراقی الفلاح: 335، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ۔ مالا بدمنہ: 67 و ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: 414/1، علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ۔کتاب الزواجر فی اقتراب الکبائر: 163 و علامہ عبدالوہاب الشعرانی، کشف الغمۃ: 149/1، امام حسن بصری رحمۃ اللہ، موسوعۃ فقہ الحسن البصری: 773/2 و امام مالک رحمہ اللہ۔المدونۃ الکبریٰ: 170/1، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ۔تہذیب الاحکام: 461/1 وغیرہ۔

ممانعت کس نے کی؟ محترم بھائیو! قبروں کو پکا کرنے، ان پر عمارت تعمیر کرنے انھیں ایک بالشت سے زائد اونچا کرنے، ان پر بیٹھنے، ان پر اکٹھ کرنے، ان پر چراغ جلانے، انھیں سجدہ گاہ بنانے، ان کے قریب مساجد تعمیر کرنے کی ممانعت کس نے کی ہے؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے۔کیوں کی ہے؟ اس لیے کہ سابقہ اُمتوں نے انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں پر مجاوری کی، ان کو عبادت گاہ بنایا اور ان سے حاجتیں طلب کیں اور شرک کا ارتکاب کیا تو کیا ہم آپ ﷺ کی بات تسلیم نہ کریں؟۔رسولُ اللہ ﷺ کے واضح احکامات سے آگے بڑھ کر ہمیں بزرگان دین کی رائے بھی لکھنی پڑی تاکہ شاید ہمارے بھائی اس خطرہ سے بچ جائیں۔محترم بھائیو! کیا رسولُ اللہ ﷺ کے واضح

احکامات کو ترک کرنا کیا عقلمندی ہے۔؟

اب ہم اُن باتوں کا جائزہ لیتے ہیں جن کے ذریعے شیطان نے رخنہ اندازی کی اور لوگوں کو دھوکہ دیا۔

آنحضور ﷺ کے احکام کی غلط تاویلیں

اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنے امتیوں کو شرک سے بچانے کے حوالے سے کوئی کسر تو نہ چھوڑی تھی اس کے باوجود شیطان نے دھوکہ دیا۔ شرک کے سنگین خطرہ کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر کوئی گنجائش نکلتی بھی تو محتاط رویہ اپنایا جاتا لیکن حالات اسکے برعکس ہیں۔ وہ تمام کام جن کے کرنے سے سختی سے روکا گیا وہی سارے کام آج ہو رہے ہیں۔ مزارات پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط، قبروں سے حاجت روائی، مزارات کا طواف، مشکل کشائی، ڈھول ڈھمکے جیسے کام عروج پر ہیں اور وہ شدید خطرات جن کی بابت آپ ﷺ کو اپنی اُمت کے بارے خدشہ تھا آج اُمت مسلمہ اُنھیں کاموں میں ملوث ہے۔ بہر کیف آپ ﷺ کے حکموں کی کس طرح غلط تاویلیں ہوئی ہیں، چند ایک کی حقیقت ملاخطہ کریں۔

<u>رسول اللہ ﷺ کا قبروں کو پست کرنے کا حکم:</u> حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ "ہر تصویر کو مٹا دیں اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دیں" پھر یہی کام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کروایا جس کے متعلق آپ صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث پڑھ آئے ہیں۔ اس کی تاویل یہ کی گئی ہے <u>کہ یہ حکم کفار کی قبروں کے لیے تھا نہ کہ ایمان والوں کی قبروں کے لیے۔</u>

محترم بھائیو! جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ تمام آئمہ و محدثین کے نزدیک قبر کو ایک بالشت سے اونچا کرنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ حکم اس لیے صادر فرمایا تا کہ لوگ سابقہ اُمتوں کی پیروی کرتے ہوئے ان کی پوجا شروع نہ کر دیں۔ اس ضمن میں زیادہ خطرہ تو مسلمانوں کی قبروں سے

ہی تھا۔کون مسلمان ہے جو کفار کی قبروں سے فریادرسی کرتا ہو۔پھر احادیث میں اس کی تخصیص موجود نہیں۔آپ ﷺ کا یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے۔جب آپ ﷺ اپنے بارے میں اللہ سے التجا کر رہے ہیں کہ ''اے اللہ میری قبر کو بت بننے سے بچائیو! بہر کیف اس ضمن میں سند کے طور پر ایک حدیث پیش کر دیتے ہیں تا کہ ابلیس کا رستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

((عن ثمامة بن شفی حدثه' قال كنا مع فضالة بن عبيد بارض الروم برودس فتوفی صاحب لنا فامر فضالة رضی الله عنه بقبره فسدی ثم قال سمعت رسول الله صلى الله عنه وسلم يامر بتسويتها))

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 2242 ، سُنن ابی داود 3219)

''مشہور تابعی ثمامہ بن شفی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سیدنا فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روم کے شہر ''روڈس'' میں قیام پذیر تھے۔اسی دوران ہمارا ایک ساتھی وفات پا گیا تو سیدنا فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے حُکم سے اُس کی قبر کو زمین کے برابر بنایا گیا۔سیدنا فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود رسولُ اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ آپ ﷺ قبروں کو زمین کے برابر بنانے کا حُکم دیا کرتے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کا قبر کو پکا کرنے سے منع کرنا:

اس حکم کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ قبر کو اندر سے پکا کرنا منع ہے نہ کہ باہر سے۔حالانکہ قبر کو پکا کرنے کی ممانعت اس لیے تھی کہ پختہ عمارات کے رُعب اور شان وعظمت کی وجہ سے لوگ ان کی پرستش نہ شروع کر دیں۔ایک دفعہ پھر سے آئمہ دین کی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کس حد تک درست ہے۔؟ تمام آئمہ وسلف صالحین کے نزدیک قبر کو گارے سے لیپ کرنا اور اس پر پانی چھڑکنا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کرو یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں تو آخرت کی یاد تو کچی قبروں سے ہوتی ہے نہ کہ مزین وآراستہ مزارات سے۔

حضور اقدس ﷺ کا قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمانا:

آپ ﷺ کے اس حکم کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ عین قبر کے اوپر عمارت بنانے کی مخالفت ہے قبر کے ارد گرد دیواریں بنا کر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ محترم بھائیو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ تاویل نہیں کی۔ حوالے کے طور پر امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی۔204 ھ) فرماتے ہیں:

((ولم ارقبور المهاجرين والانصار مجصصة (قال الراوی) عن طاوس ان رسول الله ﷺ نهى ان تبنى القبور او تجصص......و قد رايت من الولاة من يهدم بمكة ما يبنى فيها فلم ارالفقهاء يعيبون ذلك))

(کتاب الام: 277/1 باب ما یکون بعد الدفق)

''میں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنھم کی قبروں کو پختہ تعمیر شدہ نہیں دیکھا، طاؤس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارت کی تعمیر یا پختہ کرنے سے منع کیا ہے اور میں نے ان حکمرانوں کو دیکھا ہے جو مکہ میں قبروں پر عمارت کو گراتے تھے اور میں نے اس کام پر فقہاء کو عیب لگاتے نہیں دیکھا۔''

قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت: قبروں کو عبادت گاہ بنانے اور اِن کے قریب مساجد بنانے کا جواز اصحابِ کہف کے واقعے کے حوالے سے درج ذیل آیت سے لیا گیا:

''جن لوگوں نے اِن کے بارے غلبہ پایا وہ کہنے لگے ہم تو اِن کے آس پاس مسجد بنائیں گے''۔ (سورہ کہف۔آیت:21)

چند ضروری باتیں

(1) رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین سلف صالحین اور آئمہ دین

میں سے کسی نے بھی اس آیت سے قبروں کے قریب مساجد بنانے کا جواز نہیں پکڑا۔

(2) یہ اُس دور کے چند طاقتور لوگوں کی ذاتی رائے تھی جو قرآن مجید میں بیان کی گئی نہ کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم۔

(3) جس طرح سجدہ تعظیمی سابقہ اُمتوں میں جائز تھا (دیکھیے سورہ یوسف) ہوسکتا ہے اُس دور میں یہ بات جائز ہو بعد ازاں شرک کی وجہ سے شریعتِ محمد ﷺ میں اِسے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

(4) صالحین کے قبروں کو عبادت گاہ یا مسجد بنانے سے آنحضور ﷺ نے بڑی سختی سے منع فرمایا:

((لعنت الله على اليهود وا لنصارىٰ اتخذو قبور انبيا ئهم مساجدا))

"اللہ جل جلالہ کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں (عیسائیوں) پر کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔"

(صحیح بُخاری "کتابُ الجنائز" حدیث نمبر 1390، صحیح مُسلم "کتابُ المساجد" حدیث نمبر 1183)

<u>قبروں پر خیمے لگانا:</u> اِس کا جواز ایک روایت جس کے مطابق "حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے جن کا نام حسن رحمہ اللہ تھا جب ان کی اہلیہ کی وفات ہوئی تو وہ ایک سال تک قبر پر بیٹھی رہیں۔" یہ حدیث آدھی بیان کی جاتی ہے ذرا پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

"جب حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ فوت ہوئے تو ان کی اہلیہ نے سال بھر کے لیے ان کی قبر پر خیمہ لگا لیا، پھر انھوں نے اُٹھالیا تو انھوں نے کسی پکارنے والے کو سُنا (جس نے کہا) کیا انہوں نے اپنی گم شدہ چیز کو پالیا؟ دوسرے نے جواب دیا نہیں بلکہ مایوس ہو کر واپس ہو گئے۔"

(صحیح بُخاری "کتابُ الجنائز" باب نمبر 61 : ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور)

وضاحت : اسے امام بخاری رحمہ اللہ اس دلیل پر لے کر آئے ہیں کہ: قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اس کام پر طنز کیا کہ ایسا کرنے سے کیا اُنھوں نے اپنے خاوند کو حاصل کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان کی اہلیہ کا اپنا فعل تھا جو آپ ﷺ کے واضح حکموں کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے التحیات میں السلام علی النبی پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ تو پھر بھی جید صحابی تھے جبکہ یہاں معاملہ مختلف ہے۔ پھر دوسرے لوگوں نے اس کام پر طنز بھی کر دیا۔

محترم بھائیو! جن جن چیزوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ چیزیں تاویلوں سے جائز کر لی گئی ہیں۔ بخاری مسلم کی واضح احادیث کے مطابق جن جن کاموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ان کاموں کو کرنے کے حوالے سے دوسری کتابوں میں بہت ساری ضعیف روایات موجود ہیں جن کی تفصیل میں جانے سے یہ مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ بس اصول یاد رکھیں کہ قرآنی احکامات، بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستہ کی صحیح روایات کے خلاف کوئی بھی حدیث ملتی ہے تو وہ قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ اس خطرہ کی پیشگی خبر خود رسول اُللہ ﷺ دے چکے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم: یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات شعائر اللہ ہیں اس لیے ان کی تعظیم صرف وہی کرے گا جس کے دل میں خوف خدا ہوگا۔

محترم بھائیو! جن چیزوں کے شعائر اللہ ہونے کے حوالے سے قرآن وسنت میں سند نازل ہوئی وہ یقیناً شعائر اللہ ہیں جن کا ادب واحترام لازم ہے۔ باقی کون سی چیز شعائر اللہ ہے کون سی نہیں اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔ ہاں عمومی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محترم ہیں۔ باقی رہی بات ادب واحترام کی تو مزارات کے حوالے سے یہ جو بھی چیزیں بیان ہوئی ہیں یہ رسول اُللہ ﷺ کا موقف ہے نہ کہ ہمارا۔ باقی اولیاء اللہ کی قبور پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور ملائکہ کا نزول بھی ہوتا ہوگا لیکن ہمیں جن چیزوں سے اللہ کے

پیارے حبیب ﷺ نے روک دیا ہے ان چیزوں پر عمل پیرا ہونے سے گھاٹے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

باقی مزارات کے لیے گنبد خضریٰ کو دلیل بنانا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسولُ اللہ ﷺ کی قبر پہ لوگ سجدے شروع کر دیں گے تو آپ ﷺ کی قبر کو (زائرین کی زیارت کیلئے) کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ مگر آپ ﷺ کو یہی خوف تھا جس کی وجہ سے رسولُ اللہ ﷺ اِس عمل سے بچنے کی تلقین کر رہے تھے۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 1390، صحیح مُسلم ''کتابُ المساجد'' حدیث نمبر 1183)

محترم بھائیو! اگر آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ پر غور فرمائیں تو بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ آپ ﷺ جو خطرہ محسوس کرتے تھے جس کی بنا پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ﴿اے اللہ میری قبر کو بت بننے سے بچائیو﴾۔ اُسی خطرہ کے پیشِ نظر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو باہر کھلی جگہ پر دفن نہ کیا بلکہ حجرہ کے اندر دفن کیا۔ گنبد خضریٰ کو دلیل بنا کر آپ ﷺ کی درجنوں صحیح احادیث سے پہلوتہی کی جاتی ہے اور بعض لوگ جہالت کی بنا پر مذاق اُڑاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ گنبد بنانے کی ٹیکنالوجی قبل از مسیح علیہ السلام ہونے کے باوجود پہلے 650 سال تک کے مسلمانوں نے رسولُ اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر گنبد بنانے سے متعلق نہیں سوچا کیونکہ اُنھیں رسولُ اللہ ﷺ کی درجنوں صحیح احادیث نے روک رکھا تھا۔ گنبد خضریٰ کی تاریخ کے متعلق مشہور مورخ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی رحمہ اللہ (المتوفی۔911ھ) یوں لکھتے ہیں:

''678ھ میں (یعنی رسولُ اللہ ﷺ کی وفات مبارک کے 667 سال بعد) بادشاہِ مصر منصور بن قلاوون صالحی نے کمال احمد بن برہان کے مشورے سے لکڑی کا گنبد بنوایا اور اُسے حجرہِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چھت پر لگا دیا اور اُس کا نام ''قبہ رزاق'' پڑ

گیا۔'' (''وفاء الوفا'' جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 435)

محترم دوستو! اس کام کو دلیل بنا کر جو آپ ﷺ کی وفات مبارک کے قریباً سات سو سال بعد ہوا آپ ﷺ کے سخت ترین احکامات کی نافرمانی کرنے سے ہمیں تو بہت ڈر لگتا ہے۔آپ ﷺ کی قبر انور ہمیں دل و جان سے زیادہ عزیز ہے اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز ہے۔ مزارات پر عمارات تعمیر کرنا آپ ﷺ نے حکماً منع فرمایا ہے اسلئے آپ ﷺ کے سخت ترین حکموں کی مخالفت کیسے کی جائے............؟ آپ ﷺ کی دُعا کے مطابق اللہ نے آپ کی قبر انور کو شرکیہ افعال سے محفوظ فرمایا ہے۔

نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ کے رسول ﷺ کی مانیں۔ ایمان بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے سامنے اپنی خواہش نفس کو قربان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آ گاہی ہونے پر ہمیں اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی بات تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

<u>مسجد نبوی ﷺ اور قبر مبارک کی حاضری:</u> غیر شرعی افعال سے بچتے ہوئے مسجد نبوی اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک کی حاضری بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف عمل کرنا، عقیدت و محبت میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے شرک و بدعات کا ارتکاب کرنا، آپ ﷺ کو راضی کرنے کی بجائے تکلیف پہنچانے کا باعث ہے۔ حاضری کیلئے مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو دو رکعت نفل پڑھتے، پھر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کرتے:

((السلام علیک یا رسول اللہ))۔ (سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول ﷺ)

(المصنف ابن ابی شیبہ ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر:11793)

قبر مبارک کی حاضری پر آپ ﷺ کی سچی اطاعت و محبت کے عزم اور درود و سلام کے ذریعے، آپ ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق ترو تازہ کرنا چاہیئے۔ اللہ ہمیں یہ سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

<u>مزارات اور مسلمانوں کی موجودہ حالت</u>: اس وقت ہمارے کلمہ گو بھائیوں کی صورت حال یہ ہے کہ:

دنیوی مصائب اور نقصانات کو اصحاب قبور کی ناراضی پر مامور کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ان کو سمیع و بصیر خیال کرتے ہیں، خطرات اور مصائب کے وقت ان کو پکارتے ہیں۔ ان کی خدمت میں مختلف اغراض و مقاصد کے لیے درخواستیں پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض مزارات پر سائلین کی درخواستوں کو پیش کرنے کا باضابطہ اہتمام ہے۔ کیا یہ وہی کام نہیں جن میں شیطان نے سابقہ امتوں کو ملوث کیا تھا، جسکی وجہ سے آپ ﷺ نے آغاز اسلام میں صحابہ کرامؓ کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا؟

نوٹ: اس باب سے اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی پسند اور ناپسند کو لوگوں کے لئے واضح کر دیا جائے تا کہ جو سلیم الفطرت (خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے) لوگ ہیں انکے لئے رہنمائی کا سبب بن جائے۔ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی باتوں کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور اپنی خواہش، گروہ یا اکابرین کو اللہ اور رسول ﷺ پر ترجیح نہیں دیتے۔

باب ۸

شرک فی الحقوق

(برزخی حیات کا تحقیقی جائزہ)

قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی سے آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ مصائب وآلام کے حل کے لئے اللہ کے سوا زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا '**شرک**' ہے کیونکہ یہ فعل 'عبادت' ہے، اور عبادت حق ہے صرف اور صرف خالق کا۔ زندہ وجاوید، عظیم القدرت، طاقتور خالق کی بجائے فوت شدہ لوگوں سے فریادرسی کی بنیادی وجہ ان لوگوں کو دنیا کی طرح زندہ خیال کرنا ہے۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی رو سے قبروں میں زندگی کے متعلق آگاہی حاصل کی جائے۔

جہاں تک معاملہ اہل قبور سے حاجت روائی کا ہے، قرآن وسنت کے ٹھوس دلائل اور جمہور اہل علم کے نزدیک یہ فعل حرام اور شرک ہے۔ لیکن دیگر کئی معاملات جیسے 'سماع موتیٰ' وغیرہ کے حوالے سے اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ انشاء اللہ اخلاص کے ساتھ فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے، سچائی کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسکے باوجود بھی پختہ دلائل کی بنیاد پر اختلاف کا ہر ایک کو حق ہے۔ اگر کمی بیشی نظر آئے تو اہل علم اور اہل اخلاص سے گذارش ہے کہ اصلاح فرمائیں۔

<u>اہم بات:</u> صرف ان دلائل کو بنیاد بنایا جائے گا جو صحیح اور پختہ ہیں، کیونکہ اس ضمن میں صحاح ستہ سمیت دیگر کتب میں بہت ساری کمزور روایات موجود ہیں جو قرآن وسنت کے پختہ دلائل کے مخالف ہیں، جن میں ہر طرح کی باتیں موجود ہیں۔

<u>بات قبر و آخرت کی ہے:</u> معاملہ برزخی حیات کا ہو یا کوئی اور، بات اپنی قبر و آخرت کی فکر کی ہے۔ جسے دوزخ کی ہمیشہ کی آگ کی لپٹ کا ڈر ہے، وہ لازمی سچائی کی پہچان اور اسے تسلیم کرنے کیلئے بہت سنجیدہ ہوگا اور اسی کے لئے نصیحت فائدہ مند ہے۔ لیکن جس کے پیش نظر اپنے پسندیدہ مسلک، علماء و بزرگ اکابرین کا دفاع ہے، اس کے لئے بڑی سے بڑی دلیل بھی بے سود ہے۔ وہ آباؤ اجداد کی خاطر قرآن و سنت کی ہر دلیل سے: چشم پوشی، اعراض یا تاویل و تحریف کرتا جائے گا، یہی شکنجہ ہے جس کے ذریعے ظالم شیطان نے انسانیت کو قابو کیا ہے۔

یاد رکھیں! علم کے سامنے جذبات کی کوئی حیثیت نہیں، جذبات کی خاطر پختہ علم کو ٹھکرانا ہلاکت کی راہ ہے۔ شیطان علم کے مقابلے میں جذبات کے ذریعے انسان کو شکار کرتا ہے۔ چنانچہ سلیم الفطرت خوش نصیبوں کیلئے پختہ علم کی بنیاد پر مذکورہ مسئلہ کا تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے۔

محکم اور متشابہہ: سورہ آل عمران کی آیت۔7 میں محکم اور متشابہہ احکامات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ محکمات کے فہم اور انہیں بنیاد بنانے کا حکم دیا گیا ہے، متشابہات پر ایمان رکھنے لیکن ان کی حقیقت کے کھوج سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ 'عالم برزخ' کا مسئلہ بھی محکمات کے بجائے متشابہات میں داخل ہے جس کا صحیح ادراک عالم برزخ میں جا کر ہی ہوگا۔ اس بات کو خود پروردگار نے (وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ) ''اور تم (شہدا کی برزخی زندگی) کا شعور نہیں رکھتے'' اِرشاد فرما کر واضح کر دیا ہے کہ یہ معاملات متشابہات میں سے ہیں۔ تاہم جہاں تک قرآن و سنت میں اس کی وضاحت موجود ہے، ہمیں وہیں تک رہنا چاہئے اور اس کی حقیقت کے کھوج میں گہرائی میں جانے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ تسہیلِ فہم کے لئے مذکورہ مسئلہ کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1)۔ شہداء کی برزخی حیات

(2)۔ انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات

(3)۔ اجسام کا سلامت ہونا

(4)۔ سماعِ موتیٰ

(5)۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ

(6)۔حاضر وناظر (موجوداور دیکھنے والا)

(1)۔شہداء کی برزخی حیات

اللہ نے شہداء کی برزخی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

☆ ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ٥﴾

(سورۃ البقرہ۔آیت:154)

''اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔''

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ ﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

٥﴾ (سورہ آل عمران:169)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں اُن کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں''

شہداء کی زندگی کو سمجھنے کے لیے درج ذیل احادیث پر غور کریں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے اِس آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(i) جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید کردیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں داخل کر دیں، وہ جنت کی نہروں میں آتے ہیں، جنت کے میوے کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں معلق سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں ۔چنانچہ جب وہ بہترین کھانا پینا اور آرام گاہ پاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہمارے متعلق

ہمارے بھائیوں کوکون بتائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں۔تا کہ وہ بھی جنت کی رغبت رکھیں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری بات اُن تک پہنچاؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (آل عمران۔۱۶۹) نازل فرمائی ۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2520، مسند احمد، 266/1، نمبر 2388)

(ii) ''اِن (شہداء) کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں۔عرش کی قندیلیں اُن کے لیے ہیں۔ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چگیں اور قندیلوں میں آ کر بسیرا کریں۔ اِن کی طرف اُن کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا کچھ چاہتے ہو؟ عرض کرنے لگے اے اللہ تعالیٰ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پیئیں اختیار ہے پھر کیا طلب کریں.. الخ'')

(صحیح مُسلم ''کتاب الامارۃ'' نمبر 1887)

اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی وضاحت سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ شہداء اللہ کے پاس جنت میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جس کا کماحقہ شعور ہمیں اس دنیا میں حاصل نہیں ہوسکتا۔(واللہ اعلم)

(2)۔انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات

شہداء کو برزخی حیات میں جو خصوصی مقام حاصل ہوا وہ اپنی جان اللہ کے لیے پیش کرنے کی وجہ سے ہوا۔انبیائے کرام علیہم السلام کے شب و روز بھی یقیناً اللہ کے لیے ہی صرف ہوتے ہیں ،اسلئے انہیں بھی اعلیٰ وارفع برزخی حیات نصیب ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء)) (فتح الباری جلد۔۶ صفحہ۔۳۷۹)

''اور جب نقل کے لحاظ سے انکا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اسکی

تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شھداء نص قرآن کی رو سے زندہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام تو شھداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔"

اس ضمن میں بنیادی روایت، درج ذیل ہے:

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

﴿ ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء ﴾

(سُنن ابی داود "کتابُ الصلوۃ" حدیث نمبر 1047، سُنن نسائی 1374 ، سُنن ابن ماجہ 1636)

"اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے یا بوسیدہ کرے۔"

برزخی زندگی کے حوالے سے بعض اہل علم کا خیال ہے، جسطرح خواب دیکھنے والا اس زندگی کے مختلف مشاہدات و مناظر میں منہمک ہوتا ہے، اگر کوئی دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اسکے لئے وہ بالکل محسوس نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کے اجسام مبارک ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق میں وہ زندگی غیر محسوس ہے۔ اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اخروی ہے۔ (واللہ اعلم)

(3)۔ اجسام کا سلامت ہونا

اِس ضمن میں چند روایات کا مفہوم ملاحظہ کریں:

(i) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد محترم غزوہ احد میں شہید ہوئے تو دو آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والدِ محترم کے دفن کیے جانے کے چھ ماہ بعد قبر کھودی تو آپ کے والد محترم کا جسم بالکل سلامت تھا جیسے دفنایا گیا تھا بالکل اُسی طرح تھا۔" (صحیح بُخاری "کتابُ الجنائز" حدیث نمبر 1351)

(ii) ''اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے 76 سال بعد مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ کیا۔ دوران توسیع حجرہ مبارک کی دیوار گر گئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں بالکل صحیح حالت میں ظاہر ہوا جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کو 63 سال گزر چکے تھے۔'' (صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 1390)

معلوہوا جن کی زندگی کا مشن، جینا مرنا اللہ رب العالمین کیلئے ہو، اللہ ان کے اجسام کی سلامتی کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(4)۔سماعِ موتیٰ

اس حوالے سے درج ذیل دو پہلوؤں کی وضاحت ضروری ہے:

(a) فوت شدگان کا سمع وکلام

(b) فوت شدگان کا عالم برزخ سے واپس عالم دنیا میں آنا جانا اور میل ملاقات کرن اوغیرہ

قرآن وسنت کے محکم دلائل کے بجائے: متشابہات کی پیروی، ضعیف وموضوع روایات اور پسندیدہ مسالک و اکابرین کے دفاع اور ان کی اندھی پیروی کی وجہ سے سماع موتیٰ کے حوالے سے کثیر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ محکم دلائل کی روشنی میں بات کو واضح کیا جائے۔

(a): فوت شدگان کا سمع وکلام

اس حوالے سے کچھ لوگ تو سماع کی مکمل نفی جبکہ کچھ مکمل اثبات کے قائل ہیں۔ دلائل سے درست بات یہی سامنے آتی ہے کہ: بطور صفت یا عام حالات میں فوت شدہ لوگ ہماری بات نہیں سُن سکتے لیکن مخصوص حالات میں بطور معجزہ اللہ تعالیٰ مردوں کو سنا دیتا ہے۔ درست نتیجے تک پہنچنے کیلئے دونوں قسم یعنی سماعت اور نفی سماعت کے چند ضروری دلائل کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

<u>نہ سننے پر دلائل</u>: فوت شدگان کے نہ سننے کے نقلی وعقلی دلائل کا تجزیہ:

<u>نصوص قرآن سے</u>: ایک مسلمان کیلئے، ہر عقیدہ وعمل کی اولین بنیاد اللہ کی کتاب ہونی چاہیئے، اسلئے سب سے پہلے قرآن مجید سے دلائل پیش خدمت ہیں۔

ضروری نوٹ......: سماع موتیٰ کے قائلین کی طرف سے قرآن مجید کے دلائل پر درج ذیل اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں:

۱۔ نفی سماع پر جن قرآنی آیات کو بنیاد بنایا جاتا ہے ان کا تعلق سماع موتیٰ کے مسئلے سے ہے ہی نہیں۔

۲۔ آیات کا تعلق بت، پتھر، جمادات وغیرہ سے ہے، نہ کہ ذی روح سے۔

۳۔ اگر سلف بزرگان دین نے مذکورہ مسئلہ پر کسی آیت کو دلیل نہیں بنایا، تو آج اسے کیوں دلیل بنایا جائے۔

یاد رکھیں! آیات جو معنی بیان کرتی ہیں، ان سے ہٹا کر غلط معنی پہنانا بہت بڑی تباہی کی راہ ہے، اور آیات سے چشم پوشی کرنا، چھپانا، اعراض کرنا بھی ہلاکت ہے۔ قرآن میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل اور فتنوں کا حل ہے۔ یہ کہنا کہ چونکہ فلاں مسئلے پر سلف نے آیات کو دلیل نہیں بنایا لہٰذا ہم بھی نہیں بنائیں گے، بڑی بدنصیبی ہے۔ ایسے لوگ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

انشاء اللہ مذکورہ مسئلے کی مطابقت میں واضح آیات پیش کی جائیں گی۔

(۱) ﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَكَآؤُكُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَهُمۡ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ فَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ۝﴾ (سورہ یونس:28-29)

''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کرینگے، پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک

اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان میں جدائی ڈال دینگے اور ان کے شریک (ان سے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پس آج تمھارے اور ہمارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے''۔

مشرکین کی عبادت کی شکلیں: قبروں، مورتیوں کا طواف، انکے لئے قربانی، نذر و نیاز، ان سے فریادرسی وغیرہ تھیں۔ اس آیت میں باطل معبود اپنے پجاریوں سے انکی عبادت سے مکمل بے خبری کا اظہار کر رہے ہیں کہ انہیں کچھ بھی علم نہیں ان کے بعد کون کون، کس کس شکل میں ان کی عبادت کرتا رہا۔ یہ آیت صرف جمادات کے متعلق بھی نہیں، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''میدان حشر میں سبھی موجود ہوں گے: مومن، کافر، نیک، بد، جن اور انسان۔ سب میدانِ قیامت میں اللہ کے سامنے جمع ہوں گے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

(۲) ﴿وَ مَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ○﴾ (سورہ فاطر، آیت:22)

''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے، بے شک اللہ جسے چاہے سنا دے اور آپ (ﷺ) نہیں سنا سکتے (ان کو) جو قبروں میں ہیں۔''

اللہ رب العالمین نے بالکل واضح انداز میں بطور صفت اہل قبور کے سماع کی نفی کر دی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''یعنی جسطرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت و دعوت انکے لئے بیکار ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

تمثیل میں صفت کا بدرجہ اتم پایا جانا ناگزیر ہے۔ مثلاً جب کہا جائے فلاں چیز: ''دودھ کی طرح سفید ہے'' تو اسکا یہ مطلب تو نہیں ہوگا کہ دودھ سفید نہیں، بلکہ سفید ہونے کی صفت

دودھ میں بدرجہ اتم پائی جائے گی۔ اسی طرح جب کفار کو مردوں سے تشبیہ دی جائے اور کہا جائے کہ کفار نصیحت حاصل نہیں کرتے، مردوں کی طرح سنتے سمجھتے نہیں........ تو اسکا یہی مطلب ہوگا کہ عدم سماعت کی صفت مردوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اگر کسی نے سچائی کو تسلیم کرنا ہوتو مذکورہ ایک آیت ہی کافی ہے۔

(۳) بروز قیامت جب خالقِ کائنات حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھیں گے، کیا تم نے کہا تھا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر تجھے معبود بنالیں اِس پر وہ فرمائیں گے:

﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًامَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْد﴾ (سورۃ المائدہ، آیت:117)

''میں اِن پر گواہ تھا جب تک اِن میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تُو ہی اُن پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھنے والا ہے''۔

آیت کی تفسیر بخاری شریف سے:

میدان محشر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے، ﴿انک لا تدری ما احدثوا بعدک﴾ (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسی علیہ السلام) کہیں گے:------

﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًامَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ﴾

''میں اِن پر گواہ رہا جب تک اِن میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تُو ہی اُن پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھنے والا ہے''

(صحیح بُخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4625، صحیح مُسلم ''کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا'' حدیث نمبر 7201)

بخاری شریف کی حدیث سے بات بالکل واضح ہو جانے کے بعد غلط عقائد کا چور دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ جب تفسیر رسول اللہ ﷺ سے ہوگئی تو اب اہل ایمان کیلئے کسی شک و شبہہ اور مزید مفسرین کی رائے کی گنجائش نہ رہی۔

(۵) اصحاب کہف قریباً 300 سال سوئے رہے، ان کا رب ان کی کروٹیں بدلتا رہا لیکن جب اُنھیں اُٹھایا گیا تو کہنے لگے ہم نہیں ٹھہرے یہاں: ﴿یوم او بعض یوم﴾ ''ایک دن یا دن کا کچھ حصہ'' (الکھف۔ آیت:19)۔

حالانکہ روح تو زندہ تھی۔

(٦) حضرت عزیر علیہ السلام کو جب سو سال کے بعد اُٹھایا گیا تو پروردگار نے سوال کیا کتنی دیر ٹھہرے رہے تو انھوں نے جواب دیا:

﴿یوما او بعض یوم﴾ ۔''دن یا دن کا کچھ حصہ'' (دیکھئے سورۃ البقرہ۔ آیت:259)

نوٹ: بعض لوگوں نے عقل کی بنیاد پر اس آیت کریمہ کی غلط تاویلات کی ہیں جو کہ بالکل بے بنیاد بلکہ قرآن میں تحریف کے مترادف ہیں۔

عقل کی رو سے دیکھا جائے تو:

انسان جب سو جاتا ہے اُس کی روح کو جسم کے ساتھ رہنے کے باوجود گرد و نواح کی خبر نہیں ہوتی۔ اِسی طرح جن میں قوتِ سماعت یا بینائی نہ ہو وہ جاگتے ہوئے بھی نہ سُن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں حالانکہ رُوح جسم کے اندر موجود ہوتی ہے۔

مذکورہ ٹھوس دلائل انسان کو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ عمومی لحاظ سے فوت شدہ لوگ عالم دنیا میں موجود لوگوں کے حالات سے بے خبر ہیں، انکی بات نہیں سن سکتے، لیکن اللہ جب کسی کو سنانا چاہے سنوا دے۔

<u>**سننے کے دلائل کا تجزیہ :**</u> یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ اثبات بھی کریں اور نفی بھی۔ یہ بھی فرمائیں کہ مردے سنتے ہیں اور یہ بھی کہ نہیں سنتے۔ اصل مسئلہ بات کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کا ہے۔ اِس حوالے سے بہت ساری ضعیف وموضوع روایات ہین جن میں ہر طرح کی بات موجود ہے، یہاں صرف صحیح احادیث کا تجزیہ پیش خدمت ہے:

(1) قلیب بدر میں مارے گئے کفار کی پلید، مردہ اور بدبودار لاشوں کو مخاطب ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے انجام کو پالیا ہے؟ اِس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں یہ کیسے؟ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا تُم اِن سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں اِن سے کہہ رہا ہوں۔''

<u>**قلیب بدر کے مقتولین پر صحابہ کرامؓ کی رائے:**</u>

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کا یہ عقیدہ تھا کہ مُردے نہیں سنتے چنانچہ: ''مذکورہ بات کا ذکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((انما قال النبی: انهم ليعلمون الان انّ ما كنت اقول حق، وقد قال الله تعالیٰ: " انک لا تسمع الموتی"))

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' نمبر 1371، صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' نمبر 2154)

''نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اب یہ مردے یقیناً اِس چیز کو (یعنی عذاب کو) جان چکے ہوں گے جو میں اِن سے کہا کرتا تھا کہ وہ حق ہے۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سورہ روم کی) یہ آیت تلاوت فرمائی: 'بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'۔''

سوچنے کی بات ہے کیا نعوذ باللہ ایسا عقیدہ رکھنا گستاخی ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ایسی چیزوں کی بنا پر لوگوں پر گستاخی کے فتوے لگائے جاتے ہیں؟

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس حوالے سے فرمایا:

((قال قتادہ احیاھم اللہ حتیٰ اسمعھم قولہ توبیخاً و تصغیراً و نقمۃ و حسرۃ و ندماً)) (صحیح بُخاری ''کتابُ المغازی، نمبر:3976)

''قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں (اس وقت بطور معجزہ) زندہ کر دیا تھا تا کہ حضور ﷺ انہیں اپنی بات سنا دیں۔ انکی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت و ندامت کیلئے۔''

اور ظاہر ہے کہ معجزہ معمول کے لئے دلیل نہیں ہوتا اور یہ خاص تھا قلیبِ بدر کے مشرکین کے لیے۔ علمائے اُمت میں سے بعض جیسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے:

''اصل بات یہ ہے کہ عام مردے نہیں سنتے جبکہ مذکورہ کفار کو خاص اُس وقت آپ ﷺ کی بات سُنائی گئی جو کہ بطور معجزہ اور خرقِ عادت تھی''۔ (روح المعانی، 455/6)

کیا صحابہ کرامؓ سے بات واضح ہو جانے کے بعد بھی شک باقی ہے.....؟ یعنی صحابہ کرامؓ کا بھی پختہ نظریہ تھا کہ بطور صفت مردے نہیں سنتے، معجزانہ طور پر انہیں سنایا گیا۔ کیا جید صحابی رسول ﷺ کا فہم معتبر ہے یا بعد کے علماء کا........؟

(2) ایک روایت کے مطابق ''مردہ دفنا کر جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سُن رہا ہوتا ہے کہ سوال و جواب کے لیے منکر نکیر آ جاتے ہیں''۔ سوال و جواب کے بعد مردہ نیک ہو تو اُسے سُلا دیا جاتا ہے بد ہو تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔''

یہ بھی معمول کیلئے دلیل نہیں، بطور حسرت اس خاص موقع پر اسے سنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر روایات میں دفنانے کے بعد قبر پر ٹھہرنا مردے کی قبر کے ماحول سے انسیت کا باعث ہونا بھی معمول کی بجائے خاص موقع کیلئے ہے۔ (واللہ اعلم)

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 1374، صحیح مُسلم ''کتابُ الجنۃ وصفۃ نعیمھا'' حدیث نمبر 7216)

(3) صحیح مسلم کی روایت کے مطابق قبرستان حاضری پر اہل قبور پر سلام بھیجنا وغیرہ۔

اس پر علماء کی مختلف رائے ہے:

بعض کی رائے ہے سلام اسلئے بھیجا جاتا ہے کیونکہ وہ سنتا ہے، سلام کے جواب کیلئے اسکی روح کو لوٹایا جاتا ہے وغیرہ۔

بعض کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ نصوص قرآن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ معمول کے مطابق مردے نہیں سنتے اسلئے یہ سلام 'دعائیہ' ہے یعنی مردوں کی سلامتی کیلئے دعا کی جاتی ہے۔قبرستان داخل ہوتے ہی یہ دعا پڑھی جاتی ہے، سامنے موجود چند قبروں والوں تک تو چلو آواز پہنچ گئی لیکن اکثر قبرستان میلوں احاطے پر مشتمل ہوتے ہیں، جہاں موجود زندے بھی ہمارے سلام کی آواز نہیں سن سکتے، وہاں سلام کے ثمرات بطور دعا و اجر ہی پہنچتے ہیں۔

جیسے نماز میں (اسلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین) کے متعلق آپ ﷺ کی وضاحت کے مطابق، اللہ تعالیٰ سلام کا اجر تمام نیک لوگوں (پوری دنیا) تک پہنچا دیتا ہے۔

حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

احناف کی رائے:

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو کچھ لوگوں کی قبروں کے پاس آ کر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمھارے پاس مہینوں سے آ رہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دُعا کر دو۔ بتاؤ تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا یہ قول سُن کر کہا کہ تجھ پر پھٹکار۔ تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ کسی کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سُن سکتے ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ (سورۃ ناطر، آیت ۲۲)

”کہ اے نبی آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے“

(غرائب فی تحقیق المذاھب وتفہیم المسائل، صفحہ 91-172)

☆ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

”ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک یہ ہے کہ مردہ نہیں سنتا جیسا کہ کتاب الایمان باب الیمین بالضرب میں تصریح کی ہے کہ اگر ایک شخص حلف اٹھاتا ہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا اور مرنے کے بعد اس سے کلام کرتا ہے تو حانث (قسم کو توڑنے والا) نہیں ہوگا اس لیے کہ کلام کا مطلب ہے مخاطب کو سمجھانا اور مردہ نہیں سمجھتا کیونکہ وہ سنتا ہی نہیں“۔

(فتح القدیر 336/1، ردالمختار لابن عابدین 201/3)

اور فقہ حنفی کی ساری معتبر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ مُردے نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں مثلاً:

” اِسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں تم سے کلام نہ کروں گا، یا یوں کہ میں تمھاری ملاقات اور زیارت کو نہ آؤں گا، پھر مَر جانے کے بعد اس کی لاش سے اس نے کلام کیا یا قبر کی زیارت کی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اِس سے روک دیتی ہے“۔ (شامی، ج:3، ص:180)

اِسی قسم کی بات (ھدایہ، جلد۱، صفحہ 484) پر بھی موجود ہے۔ اسی طرح یہ علم کلام اور فقہ کا اصول ہے کہ:

((لانزاع ان المعیّت لا یسمع)).

”اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت قوت سماع سے قطعی محروم ہے“

(شرح المقاصد، جلد 2، صفحہ 33 شرح المواقف، جلد۴ صفحہ 163)

دونوں قسم کے دلائل کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے:

(1) یہ معاملہ متشابہات میں داخل ہے، جس کی حقیقی کیفیت معلوم کرنا ممکن نہیں۔

(2) معمول کے لحاظ سے مردوں کی صفت نہ سننا ہے لیکن مخصوص حالات میں بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو سنا دیا۔ اِس ضمن میں جو چیزیں دلیل کے ساتھ قرآن وسنت میں بیان ہوئی

ہیں صرف وہیں تک محدود رہا جائے ایک قدم بھی اُس سے آگے نہ بڑھا جائے کیونکہ شرک کا خطرہ ہے۔ ویسے بھی ایسی چیزوں کے متعلق بروز قیامت سوال نہ ہوگا۔ وہ کام کیے جائیں جن کا محکم آیات میں حکم دیا گیا ہے۔

اگر کسی نے قرآن وسنت کو رہبر بنانا ہو تو اسکے لئے حق بات بالکل واضح ہے۔

(b): عالم دنیا میں واپس آنا

یہ عقیدہ بہت عام ہو چکا ہے کہ فوت شدہ لوگ بالخصوص اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ جب چاہیں عالم برزخ سے عالم دنیا میں آتے جاتے ہیں۔میل ملاقاتیں کرتے ہیں۔اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام دینی رہنمائی کرتے ہیں۔جیسا کہ ہم اپنی تحریر ''ہدایت'' میں یہ بات واضح کر چکے کہ سلیم الفطرت مخلص شخص تو ہر معاملے میں بہت محتاط رویہ اپنا کر ایک آدھی آیت یا حدیث کی بنا پر حتمی نتیجہ نکالنے کی بجائے کسی بھی موضوع پر دیگر تمام دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے تطبیق کرے گا جبکہ فرقہ واریت کا شکار شخص اپنے خودساختہ ذہن ومسلک کی آڑ میں حقیقت تک رسائی کی کاوش کی بجائے ایک آدھی بات کو بنیاد بنا کر ادھورے نتیجے پر پکا ہو جائے گا۔بہر کیف یہ معاملہ ہر ایک کی اپنی قبر و آخرت کا ہے۔جس نے غلط راہ اختیار کرنی ہے اس کا کوئی علاج نہیں، نہ قرآن کی آیات اور نہ ہی فرامین رسول ﷺ۔

لہٰذا مذکورہ مسئلے پر تجزیہ کیلئے دونوں قسم کے دلائل اور حقائق دیکھتے ہیں:

<u>دنیا میں واپس نہ آنے پر دلائل:</u>

(ا)۔ اس حوالے سے یہ حقیقت ہے کہ فوت ہونے کے بعد جسم عالم برزخ میں اور ارواح اعمال کے لحاظ سے علیین یا سجین میں رکھ دی جاتی ہیں۔عالم دنیا اور عالم برزخ کے مابین 'برزخ' قیامت تک کیلئے ایک پردہ یا آڑ ہے۔اس حوالے سے فوت ہو جانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

☆ ﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (سورۃ المومنون، آیت:99-100)

''اُن کے پس پشت تو برزخ (پردہ) ہے اُن کے دوبارہ اُٹھنے کے دن (قیامت) تک۔''

یعنی فوت ہونے کے بعد عالم دنیا اور عالم برزخ کے مابین قیامت تک کیلئے ایک پردہ یا آڑ ہے جسے برزخ کہا گیا ہے۔

☆ ﴿اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝﴾

(سورہ یٰس، آیت:31)

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ انکی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔''

☆ ﴿وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الانبیاء، آیت:95)

''اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ وہ (واپس آئیں) وہ واپس نہیں پلٹ سکیں گے۔''

یہاں تو حرف آخر کے طور پر انتہائی سخت انداز سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ فوت شدگان کا دنیا میں واپس آنا محال ہے۔ یوں قرآن حکیم سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ فوت شدگان عالم برزخ میں ہیں اور اس دنیا میں واپس آ کر لوگوں سے میل ملاقات کرنا محال ہے۔ مرنے کے بعد ملاقات کا ذریعہ خواب ہیں۔

(۲)۔ اہل علم محدثین کرام رحمھم اللہ کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ فوت ہونے کے بعد انسان نیک ہو یا بد اس کا رابطہ عالم دنیا سے کٹ جاتا ہے اور وہ واپس نہیں آ سکتا۔ اسی لئے ایسی تمام روائتیں جن میں کوئی راوی کسی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد والے ایام میں اس سے ملاقات یا قول نقل کرتا تو محدثین اسے ہرگز قبول نہ کرتے بلکہ اسے منقطع روایت (جس کا سلسلہ عدم ملاقات کی وجہ سے کٹ گیا ہو) قرار دے دیتے۔ بطور دلیل صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام مسلم رحمہ اللہ کی پیش کردہ ایک روایت پیش خدمت ہے۔

''ابونعیم نے ذکر کیا معلّی بن عرفان کا تو فرمایا کہ معلّی نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی ابووائل نے:

((قال خرج علينا ان مسعود بصفين فقال ابو نعيم بعث بعد الموت))

''کہا کہ نکلے ہمارے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صفین میں، ابونعیم نے کہا: شاید موت کے بعد پھر قبر سے اٹھے ہوں گے'' (صحیح مسلم: المقدمہ نمبر۔83)

یعنی ابووائلؒ کے اس بیان پر ابونعیمؒ نے نے طنز کرتے ہوئے اسے رد کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے موت کے بعد قبر سے نکل کر تجھے حدیث سنائی ہوگی۔!

لہٰذا فوت شدگان کے دنیا میں واپس آنے کو مان لیا جائے تو اسماء الرجال پر مبنی سارے دین کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر محدثین کو اسماء الرجال جس کی بنیاد پر صحت حدیث کا دارومدار ہے اس پر زندگیاں کھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ مجھے فلاں راوی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کر کے فلاں حکم کی تصدیق کی ہے........؟ جو کہ بہت سے لوگوں نے دعوے کیے بھی ہیں جنہیں محدثین نے پوری قوت سے رد کیا ہے۔

پس معلوم ہو گیا کہ صحیح السند دلائل کی رو سے صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ میں اس قسم کے باطل نظریات کا شائبہ تک نہ تھا۔ انہوں نے ایسے تمام خیالات کا سختی سے رد کیا ہے۔ غلط عقیدت و محبت اور حد سے تجاوز کی آڑ میں ہی ایسے غلط نظریات وضع کیے گئے ہیں۔

<u>دنیا میں واپس آنے پر دلائل کا تجزیہ:</u>

(ا)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرنا:

﴿وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِی﴾ (سورۃ المائدہ، آیت: 110)

''اور جب تم مردے کو میرے حکم سے نکال کھڑا کر لیا کرتے تھے۔''

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کردہ معجزے کا ذکر ہے اور معجزہ معمول پر دلیل نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسا تو نہیں تھا کہ لوگ خود سے قبروں سے باہر نکل آتے یا معجزانہ طور پر زندہ ہونے والے لوگ دوبارہ سے معمول کی زندگی گزارنا شروع کر دیتے یا فوت شدہ

کے لواحقین کے کہنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو چاہتے دوبارہ سے زندہ کر کے دنیاوی زندگی میں واپس لے آتے۔ بلکہ لوگوں کو اللہ پر ایمان کی خاطر اس قسم کے معجزات دیئے گئے تاکہ لوگ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر ایمان لاسکیں۔ خوارق عادت امور پر تفصیلی حقائق کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور، باب ۱۱)

اسی قسم کے کئی اور معجزات بھی ہیں جیسے اصحاب کہف کا سینکڑوں سال نیند کے بعد اللہ کے حکم سے دوبارہ اٹھنا۔ اللہ کے حکم سے مردے زندہ ہو سکتے ہیں لیکن اس قسم کے واقعات روز بروز تو نہیں ہوتے جیسا کہ فوت شدہ نیک لوگوں کے دنیا میں آ کر میل ملاقات کا عقیدہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اصحاب کہف کا سینکڑوں سال نیند کے بعد اللہ کے حکم سے زندہ ہونا بھی معمول کا واقعہ نہیں۔

(۲)۔ ''روایات کے مطابق سفر معراج کے دوران آپ ﷺ کا انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرانا اس بات کا ثبوت ہے کہ فوت ہونے کے بعد بھی جب چاہیں دنیا میں واپسی ممکن ہے۔''

روایات کے مطابق ایسا واقعہ آپ ﷺ کو امام الانبیاء کے منصب پر فائز کرنے کیلئے صرف ایک دفعہ ہی پیش آیا، جو کہ معمول کے مطابق نہیں بلکہ معجزانہ طور پر اس کا ظہور ہوا۔ اس کی حقیقی کیفیت بھی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر یروشلم (مسجد اقصیٰ) میں انبیاء کرام علیہم السلام کا لاکھ سے زائد مجمع معمول کے مطابق جمع ہوتا تو اُس وقت یروشلم کے لوگ اسکا مشاہدہ کرتے اور اسے کثرت سے روایت کرتے لیکن اسے کسی نے بھی قلمبند نہیں کیا۔

علمائے اُمت میں سے بعض نے اس کی یوں وضاحت بیان فرمائی:

(i) مفسرین جیسے بیضاوی، مظہری، روح المعانی وغیرہ کے نزدیک:

''آپ ﷺ نے ارواح کو مثالی اجسام میں دیکھا۔''

(ii) روح المعانی میں امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے یوں نقل کی گئی ہے:

((ليس المراد انه يرى جسمه و بدنه بل مثالا له صار ذلك المثال آلة يتادى بها المعنى الذى فى نفسه))

''جسم و بدن دکھانا مراد نہیں بلکہ وہ ایک مثالی وجود ہے جو ذریعہ فی نفسہٖ اِس معنی کے ادا کرنے کا جو مقصود و مطلوب ہے''۔(واللہ اعلم)

پس اس واقعہ سے معمول کے مطابق فوت شدہ لوگوں کا عالم برزخ سے عالم دنیا میں آ کر لوگوں سے میل ملاقات کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو (کسی دن) وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھ لے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔'' (صحیح بخاری، رقم:6993)

اس روایت کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہونا، اس ضمن میں صحیح حقیقت کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''ہدایت، باب ۷''

تاہم روایت کا دوسرا حصہ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے عنقریب بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔ اس کی وضاحت پیش خدمت ہے:

☆ قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں فوت ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ ترین برزخی زندگی ہے نہ کہ دنیاوی۔

☆ اگر قرآن مجید، صحابہ کرامؓ اور آئمہ ومحدثینؒ (جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا) کا دنیا میں واپس نہ آنے کا فیصلہ نہ ہوتو اس روایت سے یہ نتیجہ ''خواب میں آپ کی زیارت کے بعد اسی دنیا میں بیداری میں بھی زیارت کا ہونا'' نکالنے میں حرج نہیں۔ لیکن دلائل وحقائق اس نتیجہ کے منافی ہیں۔

☆ پیچھے بیان کردہ قرآنی آیات کے علاوہ درج ذیل یقینی حقائق ہیں جنہیں پس پشت ڈالنا ممکن

نہیں:

(۴)۔ صحابہ کرامؓ اور مستند ائمہ و محدثینؒ میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں اور نہ ہی کسی سے صحیح سند سے کوئی ایسا واقعہ ملتا ہے کہ دنیا میں آپ ﷺ نے واپس آ کر کسی سے ملاقات کی ہو۔ بلکہ محدثین نے تو ایسے غلط نظریات کی سختی سے تردید کی ہے۔ البتہ بعد میں بہت سے لوگوں نے اس قسم کے بہت بڑے بڑے دعوے کئے ہیں۔

(۵)۔ ملاقات کے مذکورہ عقیدہ کی بنا پر اسماء الرجال پر کھڑی حدیث کی ساری بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی جب خود آنحضور ﷺ نے روایت کی تصدیق کر دینی ہے تو پھر اسماء الرجال کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔؟ اسی لئے محدثین تو سختی سے اس عقیدہ پر کھڑے ہیں کہ عالم بیداری میں اب ملاقات ممکن نہیں۔ البتہ مستند محدثین کے علاوہ دیگر کئی لوگوں نے عالم بیداری میں آپ ﷺ سے علم حدیث سمیت دیگر رہنمائی کے دعوے کئے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے دین کی بنیاد ہی درہم برہم ہو جاتی ہے۔

(٦)۔ نبی کریم ﷺ کی وفات مبارک کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں شدید اختلافات ہوئے، خلافت کے معاملے میں اختلاف ہوا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؓ سے لڑائی کیلئے سیدہ عائشہؓ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے ساتھ والے حجرے سے نکلیں اور راستے میں ''ہواب'' کے مقام پر ان پر کتے بھی بھونکے جس کی پیشگی خبر نبی کریم ﷺ نے دی تھی..... لیکن آپ ﷺ نے انہیں باہر نکل کر نہ روکا۔ سیدہ عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین اس جنگ میں ہزاروں صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین شدید خونریزی ہوئی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خاندان ظلم کا نشانہ بنا.............

اگر مذکورہ بات درست ہوتی تو ایسے شدید حالات میں نبی کریم ﷺ لازمی دنیا میں واپس آ کر رہنمائی فرماتے تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم باہم اتنی بڑی خون ریزی سے بچ جاتے۔

(۷)۔ان دلائل اور حقائق کی بنا پر مذکورہ روایت پر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ خواب کے بعد بیداری میں اس ملاقات سے مراد یہ ہے کہ: یا تو یہ آپ ﷺ کے زمانے کیلئے ہے کہ جسے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہو تو عنقریب اللہ اسے آپ ﷺ تک پہنچا کر ایمان کی دولت سے نواز دے گا اور یا پھر اس کا مطلب یہ ہے بروز قیامت اسے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوگی۔ کیونکہ قیامت کیلئے بھی آپ ﷺ نے قریب کا ذکر کیا کہ: میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں جیسے دو انگلیاں آپس میں ساتھ ساتھ ہیں۔

(۸)۔ان یقینی دلائل وحقائق کے بعد اگلی بات یہ ہے کہ صحابہؓ اور ائمہ ومحدثینؒ کے بعد جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھنے کی بات کی ہے تو اسکی حقیقت کیا ہے؟

اس ضمن میں درج ذیل باتیں ذہن نشین کرلیں:

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت نمبر۶۹۹۳ کے مطابق بیداری کے علاوہ خواب میں زیارت کی تصدیق بھی آپ ﷺ کی اصل شکل مبارک سے ہوگی جس کی یقینی تصدیق صحابہؓ ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ شیطان کسی بھی اور شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارا نبی ہوں۔ زیارت کرنے والے لوگ مختلف قسم کے حلیے بتلاتے ہیں کچھ کا کہنا ہے سفید لباس، سفید ڈاڑھی، سفید امامہ مبارک......وغیرہ، حالانکہ جب آپ ﷺ کی وفات مبارک ہوئی تو سر اور ڈاڑھی مبارک ملا کر بھی آپ ﷺ کے بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے (دیکھئے بخاری:3548)۔ اسلئے خواب میں بھی تصدیق آپ ﷺ کے اصل حلیے مبارک سے ہوگی اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ زیارت میں جو رہنمائی دی جارہی ہے وہ شریعت کے دائرہ میں ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی اس شخص کیلئے انفرادی بات ہوگی نہ کہ اس کا اطلاق پوری امت پر کیا جائے گا۔ بہرکیف شیطان کس حد تک اپنی کاوش کرتا ہے، ملاحظہ کریں:

☆ ﴿وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكۡهُمۡ فِي الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ وَ عِدۡهُمۡ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيۡلًا ۝﴾ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت:64)

''اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکرو فریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لیے۔''

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''بعض اوقات شیطان انسانی شکل میں کسی مجمع کے اندر آتا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔ جب مجمع چھٹ جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہاں ایک شخص آیا تھا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے جس کی شکل تو پہچانتا ہوں لیکن نام یاد نہیں اور وہ شیطان ہوتا ہے۔''

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 17)

☆ ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کچھ نئے الفاظ پڑھے اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا دشمن (ابلیس) آگ کا ایک انگارہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرے پر مارے چنانچہ میں نے تین مرتبہ کہا: ''**آعوذ بالله منك**'' پھر میں نے کہا! میں تجھ پر اللہ کی مکمل لعنت بھیجتا ہوں اس پر وہ پیچھے ہٹ گیا پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لوں ....(الخ)

☆ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس میں آسمان کے کنارے بھر گئے اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا ''اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں۔ میں نے تمہارے لیے سب محرمات حلال کر دیے۔ میں نے کہا دور ہو مردود۔ یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی کہ: اے عبدالقادر! اللہ جل جلالہ نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا ورنہ اس طرح میں تیرے

جیسے ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا: محض اللہ کی مہربانی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا: اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کر دیا۔'' (طبقات الکبریٰ، الشعرانی، جلد 1، ص 137، بہجۃ الاسرار)

اس طرح کے واقعات لاتعداد لوگوں کو پیش آ چکے ہیں۔ بعض کو اللہ نے شیطان کے فتنوں سے بچا لیا اور اکثر ہلاک ہو گئے۔

امید ہے کہ بیداری میں نبی کریم ﷺ سمیت دیگر نیک لوگوں کے دنیا میں واپس آ کر میل ملاقات کرنے کے حوالے سے حقیقت واضح ہو چکی ہو گی۔ لیکن جس نے حقیقت تسلیم نہیں کرنی اس کا کوئی علاج نہیں۔ مزید یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے اخبار آحاد کو ظنی قرار دیا ہے اور سند کے ساتھ ساتھ درایت متن کے اُصولوں کے تحت قرآن حکیم اور سنت متواترہ کے تناظر میں روایات سے استدلال کو لازم قرار دیا ہے۔

(5)۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ

انسانیت کو گمراہ کرنے اور غلط روش پر ڈالنے کیلئے شیطان بلند رتبہ شخصیات کو بطور ڈھال استعمال کرتا ہے، اور ہمارے پیارے رسول ﷺ سے بڑھ کر اعلیٰ رتبہ کس کا ہو گا....؟ اسلئے اس حوالے سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، جس مقام پر اللہ نے آپ ﷺ کو فائز کیا ہے نہ تو ذرہ بھر اس میں کمی کی جائے اور نہ ہی حد سے تجاوز کرتے ہوئے ظالم شیطان کا لقمہ بننا چاہئے، جیسا کہ خود رحمت عالم نے انسانیت کو خبردار کیا:

((لا تطرونی کما أطرت النصاریٰ ابن مریم انما أنا عبد فقولوا عبدالله و رسوله)) (صحیح بُخاری ''کتاب الانبیاء'' حدیث نمبر 3445)

''تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔''

اسکے باوجود بھی بہت حد سے تجاوز کیا گیا ہے اور مذکورہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ کے حوالے سے علم کی بجائے عقیدت و محبت کے نام پر: صحیح دلائل کی غلط تاویلات جبکہ ضعیف و موضوع روایات، من گھڑت واقعات اور قصہ کہانیوں کی بنیاد پر بہت غلط نظریات وضع کئے گئے ہیں، اور قرآن و سنت کی بنیاد پر اصلاح کو بھی گستاخی قرار دے دیا جاتا ہے۔ ظالم شیطان نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ اس حوالے سے لوگ بات سننے کو بھی تیار نہیں، اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

ضعیف و موضوع روایات میں تو سب کچھ موجود ہے، اس ضمن میں صحیح دلائل کی روشنی میں درج ذیل پہلو پیش خدمت ہیں:

(۱)۔ آپ ﷺ کی برزخی زندگی

(۲)۔ آپ ﷺ کی وفات مبارک

(۳)۔ برزخی حیات اور درود و سلام

ضروری دلائل پر مبنی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱)۔ آپ ﷺ کی برزخی زندگی: جہاں تک برزخی حیات کا تعلق ہے، تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ شہدا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو برزخی زندگی حاصل ہے جس کی کیفیت کا حقیقی ادراک عالمِ دنیا میں ممکن نہیں۔ اور ہمارے پیارے رسول ﷺ جو امام الانبیاء ہیں، انہیں سب سے اعلیٰ و ارفع برزخی زندگی کیوں حاصل نہ ہوگی....؟

بلکہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے تو قیاس کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ شہید بھی تھے۔ چنانچہ جب یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے ایک دفعہ آپ ﷺ کی ایک دعوت کے دوران بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا جس سے ایک صحابی شہید بھی ہوئے، آپ ﷺ کے حلق مبارک سے بھی کچھ لقمے اتر گئے۔ چنانچہ اپنی وفات مبارک سے چند لمحات پہلے آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”اے عائشہ! میں برابر اس کھانے کے زہر کا اثر پا رہا ہوں جو خیبر میں میں نے کھایا تھا، سو اِس وقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگ جان کٹ رہی ہے۔“

(صحیح بخاری جلد۔۲،ص۔۶۳۷)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ کہ میں ۹۔دفعہ قسم اٹھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہوئے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اٹھاؤں کہ آپ ﷺ قتل نہیں کئے گئے اور یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔'' (مستدرک للحاکم، جلد۔۳، صفحہ۔۵۸، سندہ صحیح)

برزخی زندگی کے حوالے سے جہاں تک بات درست تھی بیان ہو چکی لیکن!

غلط عقیدت و محبت کی بنا پر یہ عقیدہ بنالیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زندگی دنیاوی زندگی ہی ہے یا اس کے مشابہ ہے۔قرآن وسنت کے کثیر دلائل (جن میں سے بہت سے اس باب میں پیش بھی کردئے گئے) سے یہ حقیقت واضح ہے کہ ہر کوئی فوت ہو جانے کے بعد عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے جس کی کماحقہ حقیقت سے آگاہی ممکن نہیں۔اس ضمن میں دلائل تو آپ ملاحظہ کر چکے ہوں گے، تاہم اہل علم کی رائے پیش خدمت ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((لانه بعد موته وان كان حيا فهي حياة اخروية لا تشبه الحياة الدنيا، والله اعلم)) (فتح الباری، جلد۷، صفحہ۳۴۹، تحت حدیث 4042)

''بے شک آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ اخروی زندگی ہے جو دنیاوی زندگی کے مشابہ نہیں ہے، واللہ اعلم۔''

امام حافظ ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

((وهو حي في لحده حياة مثله في الروح)) (سیر اعلام النبلاء 161/9)

''اور آپ ﷺ اپنی قبر میں برزخی طور پر زندہ ہیں''

مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں

جو شہداء کی زندگی سے زیادہ کامل ہے لیکن وہ ایسی زندگی نہیں جیسی موت سے قبل تھی اور نہ قیامت کے دن کی زندگی ہے بلکہ قبر کی زندگی ایسی ہے جس کی حقیقت و کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا....... آپ ﷺ کی وفات کے دلائل قرآن و سنت میں معروف ہیں اور اہلِ علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن یہ موت آپ ﷺ کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت اُن کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں۔'' (حج ، عمرہ اور زیارت: عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

پس واضح ہو گیا کہ فوت ہونے کے بعد آپ ﷺ کی زندگی اخروی، برزخی ہے نہ کہ دنیوی جسکی کما حقہ حقیقت اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

<u>(۲) آپ ﷺ کی وفات مبارک:</u> حد سے تجاوز یہاں تک جا پہنچا ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں میں سے کئی طبقات کا خیال ہے کہ آپ ﷺ فوت ہی نہیں ہوئے۔ بعض الناس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تدفین کے وقت بھی آپ ﷺ زندہ تھے۔ دلائل سے بیشتر ایسے لوگوں سے یہ سوال ہے کہ اگر کوئی فوت نہ ہوا ہو، اسے زندہ ہی قبر میں دفنا دینا کیا اس کے ساتھ عقیدت و محبت ہے یا عداوت و دشمنی......؟

غلط عقیدت و محبت، من مانی اور حد سے تجاوز کا تو کوئی علاج نہیں بلکہ ایسی غلط محبت کو تو آپ ﷺ بھی قبول نہیں کریں گے۔ تاہم سلیم الطبع خوش نصیب جو شیطان سے بچنا چاہیں ان کے لئے، قرآن و سنت سے بات واضح کی جاتی ہے۔

اللہ رب العالمین نے فرمایا:

☆ ﴿وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴾ (سورۃ الانبیاء: 34)

''(اے نبی!) آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ لوگ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے۔؟''

☆ ﴿ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴾ (سورہ زمر، آیت: 30)

''بے شک آپ وفات پانے والے ہواور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں''۔

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ﴿لقد مات رسول الله﴾ الخ

''یقیناً رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں۔'' (صحیح مسلم ''کتاب الزھد والرقائق'' نمبر 7453)

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿خرج رسول الله ﷺ من الدنیا﴾ الخ

''رسول اللہ ﷺ دُنیا سے چلے گئے۔'' (صحیح بخاری ''کتاب الاطعمۃ'' حدیث نمبر 5414)

☆ آپ ﷺ کی وفات مبارک پر:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں آئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھولا، جھک کر بوسہ لیا، رونے لگے، کہا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ دو موتیں آپ پر جمع نہیں کرے گا۔ سوایک موت جو آپ کے مقدر میں تھی (وہ آچکی) آپ ﷺ وفات پا چکے............جب آپؓ باہر تشریف لائے (مجمع میں حضرت عمرؓ کی حالت بہت جذباتی تھی) سیدنا صدیق اکبرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا تو تمام مجمع آپؓ کی طرف متوجہ ہوگیا، آپؓ نے (خطبہ دیا اور) فرمایا:

(فمن کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات، ومن کان یعبد الله فان الله حی لا یموت)

'سُن لو جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد (ﷺ) فوت ہو گئے ہیں، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ باقی رہنے والا ہے، کبھی مرنے والا نہیں۔'

اسکے بعد آپؓ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ

سَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴾ (سورہ آل عمران: 144)

''اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر ایک رسول ہی، بے شک اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو پھرے گا الٹے پاؤں تو وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو ذرا بھی اور ضرور جزا دے گا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو۔''

اس آیت کو سننے کے بعد لوگوں نے کہا اللہ کی قسم! ہمیں ایسے معلوم ہوا جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہو، پھر (حضرت عمرؓ) سمیت سب کی زبانوں پر یہی آیت تھی۔

(صحیح بُخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1241، 1242)

الحمدللہ وہ شخصیت جن کے محبِ رسول ﷺ ہونے پر شک نہیں انکے اس عمل سے غلط عقیدت ومحبت سمیت باطل نظریات کے جواز کا خاتمہ بھی ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حقیقی ایمان یہ ہے کہ جب اللہ یا اسکے رسول ﷺ کی بات آجائے تو فوراً تسلیم کر لیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حقیقی مسلم تھے، وہ تو اللہ ورسول ﷺ کے سامنے اپنے جذبات وخواہشات کو فوراً قربان کر دیتے تھے لیکن انڈیا پاکستان کے اکثر کلمہ گو اپنے پسندیدہ مسلک، اکابرین اور خواہش نفس کے خلاف آیات کی غلط تاویل کرتے ہیں بلکہ دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے، اور جو اصلاح کیلئے پیش کرے الٹا اس پر گستاخی کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، پیارے بھائیو! کیا یہ مسلمانی ہے.....؟

<u>(۳)۔ برزخی حیات اور درود وسلام:</u> اللہ اور اسکے فرشتے پیارے رسول ﷺ پر درود وسلام کی صورت میں رحمتیں بھیجتے ہیں۔ آپ ﷺ پر درود وسلام اہل ایمان کے لئے عظیم تحفہ ہے جو آپ ﷺ کے قرب کا باعث بنتا ہے۔

اس ضمن میں بھی ضعیف وموضوع روایات کی بنیاد پر غلط نظریات پائے جاتے ہیں۔ درست بات یہی ہے کہ درود وسلام درحقیقت:

''عنائتوں، رحمتوں اور سلامتی کی دعا ہے'' جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے۔

صحیح دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ ہمارا درود وسلام آپ ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی اُن میں نوافل ادا کیا کرو) اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا۔ اور (ہر جگہ سے) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (سُنن ابی داود ''کتابُ المناسک'' حدیث نمبر 2042)

اس بحث میں وقت لگانے کی بجائے کہ کیسے پہنچتا ہے اور کیسے نہیں، ہمیں درورد وسلام بھیجنے پر وقت لگانا چاہیے۔ اللہ ہمیں آپ ﷺ پر محبت کے ساتھ بھر پور درود وسلام بھیجنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد☆

☆ صلی اللہ علی النبی وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ☆

درود وسلام کے علاوہ جہاں تک معاملہ ہے اپنی مشکلات، مصائب وآلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے اور پکارنے کا تو کثیر دلائل سے یہ فعل خالصتاً 'عبادت وبندگی' ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔ ایسا طرزِ عمل محبت نہیں بلکہ بے ادبی ہے جسے آپ ﷺ بھی معاف نہیں کریں گے۔

صحابہ کرام جن پر آپ ﷺ کے بعد بڑے بڑے مشکل ادوار آئے، شدید اختلافات اور فیصلوں میں اجتہادی خطاؤں کی وجہ سے باہم جنگیں ہوئیں، ہزاروں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ ضرور آپ ﷺ کے روبرو مسائل پیش کرتے۔ بلکہ یہاں تو وہی دین تھا جو آپ نے سکھلایا، جیسا کہ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب لوگ قحط سالی کا شکار ہو جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے:

''اَے اللہ جل جلالہ بے شک پہلے پہل ہم اپنے نبی ﷺ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ کے طور

پیش کرتے تھے اور (اُنکی دُعا کی برکت سے) تو ہم پہ بارش برسا دیا کرتا تھا۔ (آپ ﷺ کی وفات کے بعد) اَب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ کے طور پر لے کر آئے ہیں۔پس (اُنکی دُعا کی برکت سے) ہم پر بارش نازل فرما ۔(سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پس یوں اُن پر بارش برس پڑتی۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الاستسقاء'' حدیث نمبر 1010)

سوچنے کی بات! حقیقی اور بڑے محبّ رسول کون تھے، ہم یا صحابہ کرامؓ.......؟، کیا ایسا طرزِ عمل (جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا) اختیار کرنا گستاخی ہے.....؟ اگر نہیں تو پھر ہم کیوں ہوش سے کام نہیں لیتے.....؟

اللہ تعالیٰ ہمیں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہر چیز کو اسکی جگہ پر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(6)۔حاضر و ناظر (موجود اور دیکھنے والا)

افراط وتفریط سے بچتے ہوئے جو چیزیں جن قواعد وحدود کے تحت آئی ہیں اُنھیں اُسی طرح تسلیم کرنا چاہیے اور معیار قرآن اور سنت جو صحیح احادیث سے اخذ کی گئی ہو رکھنا چاہیے۔حاضر و ناظر کا معنی ہے موجود اور دیکھنے والا۔اللہ کے حوالے سے آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اپنی قدرت اور علم کے اعتبار سے کائنات کی تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اسی سے ملتا جلتا نظریہ موجودہ معاشرہ میں مخلوقات کے بارے میں بھی موجود ہے جس کی بنیادی وجہ عقیدت ومحبت میں افراط ہے۔انشاءاللہ ہم اس کے ہر پہلو کو افراط وتفریط سے بچتے ہوئے بیان کریں گے۔پہلے حصے میں وہ چیزیں بیان کی جائیں گی جن کی قرآن وسنت میں اجازت ہے اس کے بعد ان حدود کی حقیقت جن سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ ہم رحمٰن کی پیروی کرسکیں اور شیطان کی پیروی سے بچ سکیں۔

<u>جہاں تک بات درست ہے:</u> اس ضمن میں جہاں تک بات درست ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے بذریعہ وحی حضور اقدس ﷺ کو بے شمار سابقہ اور آنے والے واقعات کی اطلاع دی۔قیامت تک

کی خبریں دیں اور کثرت سے علوم عطا فرمائے۔ چونکہ ان خبروں کی حقیقت سے کوئی آگاہ نہ تھا اس طرح یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل بنیں۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں کائنات کا مشاہدہ ہوا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ نے فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (سورۃ الانعام۔ آیت:75)

''اور یونہی ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھلائی اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں''۔

یعنی کائنات کا مشاہدہ کرایا تاکہ یقین کامل حاصل ہو جائے۔

اِسی طرح ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ نے زمین کو سمیٹ کر اس کے مشارق اور مغارب کا مشاہدہ کرایا۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور جس قدر زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی وہاں تک میری اُمت کی حکومت پہنچے گی۔''

(صحیح مُسلم ''کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 7258، ترمذی 2176، ابوداود 4252 ، ابن ماجہ 3952)

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کائنات ﷺ کو خواب میں اللہ کی زیارت ہوئی۔ اور آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ نے اپنا دست قدرت آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھا جس سے فرشتوں کی گفتگو کو آپ ﷺ نے جان لیا۔ (ترمذی ''کتابُ التفسیر'' حدیث نمبر 3235)

پس درست عقیدہ یہی ہے کہ اللہ نے جب چاہا اپنے پیارے حبیب ﷺ کو دور و نزدیک سے کسی چیز کا مشاہدہ کرا دیا۔ لیکن کائنات کی ہر چیز کا ہر وقت نظر میں ہونا یہ اللہ کی صفت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان ہوئی۔

حاضر و ناظر۔ غلط پہلو

اس حوالے سے لوگوں میں ایسے غلط عقائد موجود ہیں جن سے خدا کی صفات میں شراکت سمیت قرآن وسنت کے واضح احکامات کا انکار لازم آتا ہے، اسلئے معاملے کو واضح کیا جارہا ہے تاکہ ہدایت کے متلاشیوں کے لئے بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔۔ ابلیس نے محبت کے غلو میں جس بات پر لوگوں کو قائل کیا ہے وہ یہ ہے کہ!

''آپ ﷺ کائنات کے نقطۂ آغاز سے قیامت تک ذرہ ذرہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جسمانی اور روحانی لحاظ سے''۔ اس وقت یہ نظریہ آپ ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کے لیے بھی تسلیم کر لیا گیا ہے اور لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ پیر حضرات تمام زندگی کے معاملات کو اُسی طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح اللہ بس ذاتی عطائی کا فرق ہے۔''

اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ حق بات تک رسائی کے لئے چند آیات پیش کی جاتی ہیں:

(۱)۔ ﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿o﴾ (سورہ یوسف۔ آیت:3)

''ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ پیش کرتے ہیں اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اس سے پہلے آپ اس سے بے خبر تھے''۔

(۲)۔ ﴿ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ ؕ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ ۪ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ﴿o﴾ (آل عمران۔ آیت:44)

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ وہاں موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ آپ ان کے جھگڑنے کے وقت وہاں موجود تھے''۔

(۳)۔ ﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ o﴾ (سورۃ القصص:44)

''اور آپ نہیں تھے (طور کی) مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ کی طرف (رسالت) کا حکم بھیجا اور نہ آپ گواہ تھے (اس واقعہ کے)''۔

(۴)۔﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا o﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:143)

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل اُمت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔''

اِس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے اِن الفاظ میں فرمائی:

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت انکار کر دے گی کہ ہم تک انھوں نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا جس پر حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت گواہی پیش کرے گی''۔ (صحیح بخاری 'کتاب التفسیر' حدیث نمبر 4487)

یہ گواہی قطعی علم قرآن مجید کی وحی کی بنیاد پر ہو گی۔ جن کی خبر آپ ﷺ کی اُمت تک بذریعہ قرآن پہنچی۔ ورنہ غلط نظریہ کی بنا پر آپ ﷺ کی ساری اُمت حاضر و ناظر ہو گی۔ اِسی گواہی کو بطورِ خاص سورۃ احزاب میں بیان فرمایا گیا:

((يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا))(سورۃ الاحزاب۔آیت:45)

''اے نبی یقیناً ہم نے ہی آپ کو بھیجا گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا اور ڈر سنانے والا۔''

اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہو گی۔ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدینؒ سمیت پہلے تین سو سال کے مسلمانوں میں ایسے عقیدے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ان چیزوں کا بیان صرف اللہ کے ساتھ خاص تھا۔

اللہ جل جلالہ نے شیطان کے سارے چور دروازے بند کیے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ﴾ (سورۃ المومن۔آیت:78)

''یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے ہم نے بیان نہیں کیے''۔

کیا اب بھی ہم غلط نظریات پر زندگی بسر کر کے ہمیشہ کا خسارہ اُٹھائیں گے۔کیا ایسے غلط نظریات کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ قبول کریں گے؟ بات کو سمجھنے کے لئے آپ ﷺ کا فرمان عالیشان سنیے!

☆ ((و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال: قال رسول الله ﷺ ((لقد رایتنی فی الحجر و قریش تسالنی عن شرای، فسالتینی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتھا ، فکربت کربا ما کربت مثله، فرفعه الله لی انظر الیه مایسالونی عن شیء الا انباتھم ، و قد رایتنی فی جماعة من الانبیاءِ ، فاذا موسی قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعد کانه من رجال شنوئة، واذا عیسی قائم یصلی))
(صحیح مُسلم ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 430)

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میں نے اپنے آپ کو حجر (حطیم) میں (کھڑے ہوئے) دیکھا، جبکہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق سوال کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کی کچھ چیزوں کے متعلق مجھ سے سوالات کیے لیکن وہ مجھے یاد نہیں تھے، میں اس قدر غمگین ہوا کہ اس طرح کا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ نے اسے (بیت المقدس) میری نظروں کے سامنے کر دیا، میں اسے دیکھ رہا تھا، اس لیے وہ مجھ سے جس بھی چیز کے متعلق سوال کرتے تو میں انہیں

بتا دیتا تھا، میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، میں نے موسیٰ علیہ السلام کو حالت قیام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔"

<u>غلط عقیدہ کی بنیاد:</u> اگر آپ اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کر چکے ہیں تو یقیناً حیران ہوں گے کہ قرآن وسنت کے محکم دلائل کے خلاف ایسا کیوں کیا گیا۔ عام لوگوں کا تعلق قرآن مجید سے صرف عربی میں تلاوت کی حد تک ہے لیکن بعض علماء نے ایسا کیوں کیا یہ بات بہت تعجب خیز ہے۔ اگر کوئی اُنیس بیس کا فرق ہوتا تو تشریحات میں اختلاف کی گنجائش تھی لیکن اللہ نے دوٹوک الفاظ میں ہر طرح سے وضاحت کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا ہے۔۔ ہم نے الحمدللہ ان چیزوں کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے اس لیے چند بنیادی وجوہات بیان کی جاتی ہیں جو غلط نظریات کی بنیاد ہیں:

(1)۔ <u>متشابہات کی پیروی اور محکمات کی غلط تاویل:</u> اس ضمن میں درج ذیل آیت کے غلط مفہوم سے حاضر و ناظر کا عقیدہ بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا معنی ہی بالکل مختلف ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ﴾ (سورۃ الاحزاب۔ آیت:6)

"نبی مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حکم اور اطاعت کو سب پر مقدم رکھا جائے حتیٰ کہ اپنی جان پر بھی اور یہ بات آپ ﷺ کے فرامین کے عین مطابق ہے کہ حقیقی مومن وہ ہے جو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت کرے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی کہ "تمام مومنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں"۔

(صحیح بُخاری "کتابُ التفسیر" حدیث نمبر 4781)

اسی طرح ایک اور آیت:

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (سورۃ الانبیاء: 21، آیت: 107)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر"۔

اس آیتِ کریمہ کے خود ساختہ معنی جو بعض موجودہ مفسرین نے بیان کیے ہیں وہ سلف صالحین، صحابہ

کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین سمیت کسی نے بھی نہیں کیے۔ اس آیت کو حاضر و ناظر کے لیے دلیل بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اِس میں اللہ مالک نے جو خبر دی ہے وہ بالکل عام فہم ہے جس کی مختصر وضاحت یوں ہے:

(1) آپ ﷺ اعلیٰ ترین اخلاقِ حسنہ، لوگوں کی بہتری کے لیے حریص، دوسروں کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھنے والے، تمام مخلوقات پر رحم کھانے والے، ہمیشہ مخلوقات کی بھلائی کے لیے کوشاں رہنے والے، ہمیشہ اُمت کا فکر کرنے والے، گالیوں اور پتھروں کا جواب دُعاؤں کے ساتھ دینے والے بنا کر بھیجے گئے۔ (فداک اُمی و ابی)

(2) آپ ﷺ کی رسالت تمام جہانوں کے لیے ہے جو اس پر ایمان لے آئے گا اور آپ ﷺ کی بات تسلیم کرے گا وہ یقیناً دُنیا جہان کی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا۔

(3) آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ظلم و بربریت کی بالادستی تھی، بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا لوگ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آنحضور ﷺ کے تشریف لانے سے انسانیت کو اِن ظلمات سے نجات ملی۔ انسان تو درکنار آنحضور ﷺ نے تو جانوروں کے ساتھ بھی حُسن سلوک کا درس دیا۔

(4) آنحضور ﷺ بروز قیامت اپنی اُمت کی بخشش کے لیے اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو مجسم رحمت بنا کر بھیجا۔

دوسری طرف ایسے ہی الفاظ قرآن مجید کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہیں جیسے بنی اسرائیل میں ''ورحمة للمؤمنين'' یعنی جملہ اہل ایمان کے لیے یہ قرآن رحمت ہے۔ اِس کا یہ مطلب تو نہیں کہ قرآن حاضر و ناظر ہے۔ بلکہ جو اس کو سمجھے گا اُس کو فائدہ ہوگا یہی اِس کا رحمت ہونا ہے۔

(2)۔ ضعیف روایات سے استدلال

بہت ساری ضعیف روایات تقریباً ہر موضوع پر موجود ہیں جو آپ ﷺ کی صحیح احادیث اور قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ چونکہ ایسی روایات کو بیان کرنا آنحضور ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے

مترادف ہے اسلیئے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لئے آگ کا راستہ اختیار کرنے سے ہمیں ڈرنا چاہئے۔اس ضمن میں ضروری تفصیل باب ا میں گزر چکی ہے وہاں سے استفادہ کریں۔

(3)۔واقعات کو بنیاد بنانا:

حضور اقدس ﷺ دوٹوک الفاظ میں اپنی اُمت کو متنبہ کر چکے ہیں کہ ہدایت صرف اس کے لیے ہے جو قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لے گا۔قرآن وسنت کے واضح احکامات کے خلاف واقعات کی کوئی حیثیت نہیں۔

محترم بھائیو! اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات سے موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی واضح ہدایت آپ کے لیے کھول کر پیش کر دی گئی ہے چاہے تو اللہ ورسول ﷺ کی بات مان لیں یا ان کے مقابلے میں لوگوں کی بات تسلیم کر لیں۔

درود وسلام (ایھا النبی ﷺ) کے الفاظ

اس ضمن میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''جب ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم (تشہد میں) یہ کہتے تھے:

﴿السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علی جبرائیل السلام علی میکائیل السلام علی فلان و فلان﴾ (یعنی اللہ پر سلام ہو قبل اُسکے بندوں پر سلام کے۔جبرائیل پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں اور فلاں پر) جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم اَیسے نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تو خود السلام ہے یوں کہا کرو:

((التحیات للہ والصلوت والطیبا ت السلام علیك ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علینا و علی عباد اللہ الصلحین))

''میری قولی ،بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں ۔اَے نبی ﷺ آپ پر اللہ کی سلامتی اور رحمت اور برکتیں ہوں۔ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں

پر بھی سلامتی ہو۔ پس جب وہ ایسا کہے گا تو آسمان وزمین میں موجود ہر نیک بندے کو (اور خصوصاً نبی ﷺ کو) یہ سلام (اللہ کی طرف سے) پہنچ جائے گا۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الاذان'' حدیث نمبر 831، صحیح مُسلم، نمبر ''کتاب الصلوٰۃ'' 897)

2) سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ ﷺ نے ہمیں سلام پڑھنا تو سکھلا دیا اب درود پڑھنا بھی سکھلا دیں تب آپ ﷺ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا۔

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کماصلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجیدO اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد کمابرکت علی ابراھیم وعلی ال ابرھیم انك حمید مجیدO))

(صحیح بُخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4797، صحیح مُسلم ''کتاب الصلوۃ'' حدیث نمبر 908)

ان دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اس نظریہ سے ﴿السلام علیک ایھا النبی﴾ پڑھنا کہ اللہ آپ ﷺ تک پہنچادے گا درست ہے لیکن حاضر وناظر کے نظریہ سے درست نہیں۔ مزید یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نماز میں ''السلام علیک ایھا النبی'' حکایتاً پڑھنا درست نہیں۔ بلکہ اسے آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔ بعض لوگ اس بنا پر کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد ﴿ایھا النبی﴾ کی بجائے ﴿علی النبی﴾ پڑھنا شروع کردیا تھا درود وسلام کو حکایتاً پڑھتے ہیں۔ (صحیح بُخاری ''کتاب الاستیذان'' حدیث نمبر 6265)

یہ استدلال درست نہیں کیونکہ ''**ایھا النبی**'' پڑھنے کا حکم خود آنحضرت ﷺ نے جاری فرمایا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا **علی النبی** پڑھنا شاذ ہے اور ذاتی اجتہاد تھا جبکہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں بھی دور دراز کی مساجد میں ''**السلام علیک ایھا النبی**'' ہی پڑھا جاتا تھا حالانکہ آپ ﷺ خود تو مسجد نبوی میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اِسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ''**علی النبی**'' پڑھنے پر اجماع نہ ہوسکا اور باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور پوری اُمت کا اتفاق

''السلام علیک ایھا النبی'' پڑھی ہے۔(واللہ اعلم)

<u>خلاصہ۔حاضروناظر:</u> کائنات کی ہر چیز کا ہر وقت مشاہدہ میں ہونا اللہ کی صفت ہے۔ایسا عقیدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے رکھنا قرآن مجید کی تعلیمات کے منافی اور شرک ہے۔ضرورت کے تحت اللہ جتنے وقت کے لیے چاہیں زندگی میں کسی چیز کا مشاہدہ کرادیں۔ملائکہ یا ابلیس کی طاقت کے ساتھ انبیاء کرام کا موازنہ کرانا درست نہیں کیونکہ ان کا مقصد تخلیق ہی بالکل مختلف ہے۔

خلاصہ برزخی حیات

ہر انسان کی موت کے بعد سے لے کر قیامت میں اُٹھائے جانے تک کی زندگی برزخی (پوشیدہ) زندگی کہلاتی ہے۔شہداء اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اعلیٰ برزخی زندگی حاصل ہے جو دنیاوی نہیں۔اس ضمن میں سخت احتیاط کی جائے جہاں تک بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اُس سے ذرہ بھر بھی آگے نہ بڑھا جائے کیونکہ اِن معاملات کو کما حقہٗ سمجھنا ممکن نہیں۔بطور صفت اور عام قانون اور قاعدے کے مطابق فوت شدہ لوگ عالم دُنیا میں بسنے والے لوگوں کی بات نہیں سنتے ،لیکن ضرورت کے تحت خاص مواقع پر اللہ تعالیٰ انہیں سنوا دیتا ہے۔اسی طرح ہماری دُعا اور سلام اللہ اُن تک پہنچا دیتا ہے مگر اِسکی کیفیت بلکہ قبر و برزخ کی زندگی کے تمام معاملات متشابہات میں داخل ہیں جن کا حقیقی شعور اِنسان کو نہیں دیا گیا۔اِس لیے جہاں تک بات بیان ہوئی ہے وہیں تک رہنا چاہیے کیونکہ یہ چیزیں محکم نہیں اور نہ ہی ہم سے بروز قیامت برزخی کیفیت کے متعلق سوال ہوگا۔ان چیزوں کے پیچھے زندگیاں صرف کرنا جن کی کیفیت سمجھنے سے ہم قاصر ہیں اور جن کے بارے میں ہم سے پوچھا ہی نہیں جائے گا کیا عقلمندی ہے؟ کیا اللہ نے سختی کے ساتھ متشابہات کو دلیل بنانے سے منع نہیں فرمایا۔کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی چیزوں میں الجھے؟ ہمیں اُن کو پکارنے یعنی انکی عبادت کرنے کی اجازت قطعاً نہیں دی گئی اور ایسا کرنا ابدی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

باب ۹

شرک فی الحقوق (عقل سے ماورا امور)

ایک حقیقی مومن کے لیے تو قرآن وسنت کے واضح دلائل سے بڑھ کر کوئی اور چیز قابل اعتبار نہیں ہوتی لیکن رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود بھی قبروں سے فریادرسی کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے کئی مشاہدات بیان کئے جاتے ہیں، جیسے قبروں سے آوازیں آنا، مردہ کا قبر سے باہر نکل آنا، مشکلات دور کرنا وغیرہ۔ اکثریت کی حالت یہ ہے کہ دین کی بنیاد ہی خرق عادت امور پر رکھ لی ہے۔ وہ گروہ جو عقل سے عاجز کرنے والے امور ظاہر کر کے دکھائے فوراً اُسے عین حق تسلیم کر لیتے ہیں اس کے بعد اس فرقے کی تعلیمات ان کے لیے قرآن وسنت بن جاتی ہیں۔ ان امور کا اثر انسان پر جادو کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ کی خاص رحمت شامل ہو حال تو انسان بچتا ہے ورنہ اکثریت اس سحر میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتی ہے۔

خوارقِ عادت امور کی تین بڑی اقسام ہیں:

1۔ معجزہ 2۔ کرامت 3۔ استدراج یا شعبدہ بازی

معجزہ (صرف انبیائے کرام علیہم السلام پر)، کرامت (دیگر نیک لوگوں پر) اور استدراج، جادو یعنی شعبدہ بازی (عموماً بُرے لوگوں پر) ظاہر ہوتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت تو اللہ کے امر کن کے ذریعے قانون فطرت کو توڑنے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جبکہ استدراج یا جادو میں حقیقت میں کوئی قانون فطرت نہیں ٹوٹتا بلکہ یہ نظر کا دھوکا (Illusion) ہوتا ہے۔ جو صرف دیکھنے میں قانون فطرت ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں ٹوٹتا۔ جیسے فرعون کے جادوگروں کی رسیاں حقیقت میں سانپ نہیں بنی تھیں، بلکہ دیکھنے میں سانپ نظر آئیں۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، بطور معجزہ

حقیقتاً سانپ بنا تھا، جس نے رسیوں کو نگل کر یہ شعبدہ ختم کر دیا۔جس پر جادوگر بھی ایمان لے آئے ،کیونکہ ان پر اپنے شعبدے (Illusion) کی حقیقت واضح ہوگئی تھی۔ دور حاضر میں بھی بہت سے جادوگر شعبدہ باز ہیں ،جن میں سرفہرست نام'' ڈیوڈ کاپر فیلڈ'' کا ہے۔جس کے شعبدوں سے دنیا حیران ہے،پانی پر چلنا، عمارتیں غائب کرنا، تلوار سے انسان کو دو ٹکڑے کردینا.............وغیرہ۔ یہ چیزیں آپ ٹی وی چینلز ،انٹرنیٹ پر دیکھ سکتے ہیں۔مزے کی بات ہے وہ ساتھ یہ بات کہتا بھی ہے کہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں، یہ محض نظر کا دھوکا ہے۔ یہ شخص اگر اپنا حلیہ تبدیل کرلے: چوغہ، جبہ، ڈاڑھی، امامہ پہن کر برصغیر میں آجائے ،تو اکثریت اسے معبود کے درجے پر فائز کردے۔

اس ضمن میں دلائل کی روشنی میں تفصیلی حقائق کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور باب ۱۱)

شیطان کو جو تصرف دیا گیا ہے وہ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے کا فرق واضح ہو جائے اِس طرح وہ لوگ جن کے دل میں بیماری ہے، تعلیمات الٰہی پر عمل پیرا نہ ہونے یا گناہوں کے باعث جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اُن کی پہچان ہو جائے ۔ اِس حقیقت کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا:

﴿لِّيَجۡعَلَ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ‌ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍۙ‏﴾ (سورۃ الحج، آیت:53)

''یہ اس لیے کہ شیطانی القاء کو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں۔''

اِس کے بعد آیت 54 میں یہ بات بتلائی گئی کہ القائے شیطانی اہلِ علم کے ایمان و یقین میں اضافہ

اوراللہ کی نازل کردہ تعلیمات کے حق ہونے کا یقین پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔آیت نمبر 55 میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کفار ہمیشہ وحی الٰہی میں شک وشبہ ہی کرتے رہیں گے۔

اگر کسی نے خوارقِ عادت امور کی بجائے حق کا رستہ اپنانا ہو اور دین کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھنی ہو تو اُس کے لیے یہ آیات سو فیصد راہِ ہدایت واضح کررہی ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((ان الشیطان یجری من الانسان مجری الد م))

’’یقیناً شیطان انسان کے اندراس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے‘‘۔

(صحیح بخاری’’کتابُ بدءالخلق‘‘ حدیث نمبر 3281)

مذکورہ حوالے سے سب سے اہم بات سمجھنے والی یہی ہے کہ نجات کا راستہ ’خرق عادت امور کشف و کرامات‘ کو معیار بنانے کے بجائے ’پختہ علم‘ یعنی ’قرآن وسنت‘ کے بین دلائل کو بنیاد بنانا ہے۔جو کوئی ہر ہر عقیدہ وعمل کیلئے قرآن وسنت کے دلائل کو کسوٹی بنائے گا وہ صراط مستقیم پر ہوگا، جبکہ اسکے برعکس عمل کرنے والا گمراہی سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن مجید کی آیات کی بجائے کشف وکرامات کو معیار بنانے والوں کو پیارے رسول ﷺ کی درج ذیل خبر پر بھی غور وفکر کرلینا چاہیے ،آپ ﷺ نے فرمایا:

’’تمام انبیاء کوایسے معجزات دیئے گئے جنہیں دیکھ کر (اس زمانہ کے) لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ قرآن ہے جو بذریعہ وحی دیا گیا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز مجھ پر ایمان لانے والے تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے‘‘(صحیح بخاری، فضائل القرآن)

یعنی وہ معجزہ جو آپ ﷺ کی دعوت کی بنیاد بنا وہ قرآن ہے،لہٰذا اس زندہ و جاوید معجزہ کو چھوڑ کر بے اصل باتوں کے پیچھے لگ کر گمراہی کو مول لینا کیا عقلمندی ہے......؟

شیطاان کے فریب

شیطان انسانیت کی ابدی ہلاکت کے لیے خرق عادت امور کے ذریعے کس طرح ہمہ تن کوشاں ہے۔ ملاحظہ کریں باب ۸ (فوت شدگان کا دنیا میں واپس آنے) کے تحت۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی آزمائش:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حوالے اپنی اُمت کر کے کوہ طور پر چلے گئے تو سامری جادوگر نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے آنے والی مٹی پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے کے بت میں ڈالی جس سے وہ بولنا شروع ہو گیا۔ یہ خرق عادت کام دیکھتے ہی قوم نے اس بچھڑے کو معبود بنا لیا جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو بہت سمجھایا کہ اس بچھڑے سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ ہی ہے اس لیے میری اتباع کرو لیکن قوم نے اتنی بڑی ''دلیل'' دیکھ لینے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی بات تسلیم نہ کی یعنی سچی تعلیمات کو بنیاد بنانے کی بجائے خرق عادت کام کو دلیل بنایا۔ اللہ جل جلالہ نے سامری جادوگر کو شرک پر آمادہ کرنے کی سزا دنیا میں یہ دی کہ جو بھی اسے چھوتا اسے اور سامری جادوگر کو بخار ہو جاتا۔ چنانچہ یہ انسان کو دیکھتے ہی چیخ اُٹھتا ﴿ لا مساس ﴾ کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگلوں میں چلا گیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو غصے میں کہا کہ ہم اِس (بچھڑے) کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کر دریا میں اڑا دیں گے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: (سورہ طہٰ: آیات: 85 تا 98)

معلوم ہوا:

(i) اللہ نے قوم کی آزمائش کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی میں تاثیر رکھ دی جس سے بچھڑے کا بت بولنا شروع ہو گیا۔

(ii) تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کر دینے والے امور کو دلیل بنانا ہمیشہ سے

ہی انسان کی گمراہی کی بنیادی وجہ رہی ہے۔

(iii) ایسی چیزیں اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں۔

(iv) اس روش پر زندگی بسر کرنے والوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب اور دنیا میں یقینی گمراہی ہے۔

(v) خرق عادت امور کو دلیل بنانے والے پیغمبر کی بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو یوں سمجھایا:

﴿وَ لَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ۝﴾ (سورہ طہٰ۔ آیت:90)

''اور ہارون نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے، تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔''

قوم نے آپ کی بات نہ مانی اور بچھڑے کو پوجتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خرق عادت امور کو دلیل بنانے کا جادو اگر کسی پر ہو جائے تو پیغمبر کا سمجھانا بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتا تو پیغمبر کی تعلیمات اِن کے لیے کیسے کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

قوم موسیٰ کے شرک کی دنیا میں سزا

اس شرکیہ فعل پر پروردگار نے انکی معافی قبول کرنے کا طریقہ یہ وضع فرمایا کہ وہ سب لوگ جو اس شرک میں مبتلا ہوئے انھیں قتل کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ﴾

(سورۃ البقرہ، آیت:54)

''پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، قتل کرو اپنے آپ کو، یہ تمھارے لئے

بہتر ہے تمھارے پیدا کرنے والے کے ہاں''

یوں ایک دن میں ستر ہزار یہودی قتل کیے گئے۔

<u>نبوت کا دعویٰ:</u> تلبیس ابلیس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷ھ) نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کے مطابق حارث الکذاب اہل دمشق کا انتہائی عبادت گزار زاہد تھا۔ جب حمد باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہوتا تو سامعین کے لیے اس کلام سے بڑھ کر کوئی احسن کلام نہ ہوتا۔ جب اس نے کچھ خرق عادت چیزیں دیکھیں تو اپنے والد سے مشورہ کیا، اس کے والد نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝﴾

(سورۃ الشعراء، آیت:222-221)

''کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اُترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اُترتے ہیں۔''

والد نے فرمایا کہ تو جھوٹا گنہگار نہیں لہٰذا تجھے جس کام کا حکم ملا ہے اس پر عمل پیرا ہو جا۔ اس کے بعد حارث کے ہاتھ پر عجیب وغریب قسم کی چیزیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں جیسے: مسجد میں پڑے ہوئے سنگ مرمر کے تراشوں کو ٹھونکتا تو وہ تسبیح بولتیں، لوگوں سے کہتا آؤ میں تمہیں فرشتے دکھاؤں، پھر وہ انہیں گھوڑ سوار افراد دکھاتا۔ چنانچہ ایک خلق کثیر اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس کا معاملہ پھیل گیا، اس کے اصحاب بکثرت بن گئے یہاں تک کہ اس کی خبر قاسم بن مغیرہ اور عبدالملک تک پہنچ گئی۔ قصہ مختصر اس کے بعد اس شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

<u>موجودہ دور کا واقعہ:</u> جنوبی افریقہ کے مسلم سکالر ''شیخ احمد دیدات'' اور امریکہ کے عیسائی پادری ''جمی سواگرڈ'' کے مابین ۱۹۸۷ء میں مناظرہ ہوا جس کا موضوع تھا:

''کیا بائبل خدا کا کلام ہے Is the Bible word of God'' اس کی ویڈیو۔CD اب بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے ضرور دیکھیے۔ مسلم سکالر کے دلائل کا جواب عیسائی پادری نے یوں دیا:

(i) ہزاروں لوگوں کو بائبل سے شفا ملتی ہے ان کے امراض ہم نے خود ٹھیک ہوتے دیکھے ہیں اگر یہ خدا کا کلام نہیں تو یہ کیسے ممکن ہوا؟۔

(ii) ایسے ہزاروں واقعات میں سے ایک یوں ہے کہ:''ایک شخص کو جنات کا قابو تھا وہ ایک مسلمان کے پاس گیا جس نے (جنابِ) محمد ﷺ کا نام لے کر کہا نکل جاؤ وہ نہ نکلا میرے پاس آئے میں نے بائبل اُٹھائی اور کہا عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر نکل جاؤ تو وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔

(iii) انھیں معجزات کی بنا پر ہم انھیں اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) اور جو بھی ایسا کرے گا اسے ہم سچا مانیں گے۔

مزید یہ کہ آج بھی بے شمار امراض کا علاج ہندو جوگی کرتے ہیں تو کیا اس بنا پر انھیں سچا تسلیم کر لیا جائے گا؟۔ یوگ کے متعلق (نوائے وقت بابت 11۔اپریل 1979ء) میں ایک واقعہ شائع ہوا جس کے مطابق: 104 سالہ بوڑھا ہندو یوگی، 6 فٹ گہری قبر میں آٹھ دن رہنے کے بعد جب نکالا گیا تو اس کے جسم میں ایک بار پھر زندگی کی حرکت پیدا ہو گئی۔ دفن کرتے وقت ڈاکٹرز نے اس کے جسم پر ایسے آلات لگا دیئے تھے جن کی مدد سے دل کی حرکت، نبض کی رفتار اور دماغی حالت وغیرہ کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ ان آلات کی رو سے قریباً 6 گھنٹے بعد اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود آٹھ دن بعد وہ زندہ تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو سمجھتے ہیں کہ ان کے بے شمار کام بتوں کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ اگر ہندوؤں کو اپنے گمان کے مطابق بتوں سے کچھ ملتا نظر نہ آتا ہوتا تو آج روئے زمین پر کوئی ہندو نہ ہوتا۔ یہ سب ابلیس اور سرکش جنات کی کارستانیاں ہوتی ہیں تا کہ انسان شرک کی دلدل میں پھنس جائے۔

احوال جاننے کے ذرائع

چونکہ قسمت کے احوال بتلانا اور لوگوں کے دلوں کے بھید جاننے کی ٹوہ میں لگنا ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے اسلئے یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں حقیقت حال واضح کی جائے۔

نمبر ۱ : نجومی اور پامسٹ حضرات ایسی غیبی باتیں بتلاتے ہیں جن کی بُنیاد وہ خبر ہوتی ہے جو جنات فرشتوں کے کلام سے چُرا کر اُن کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ''کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ کچھ نہیں ہیں، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ بعض اوقات تو وہ ٹھیک بات بتا دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اس ٹھیک بات کو کبھی کوئی جن (جب فرشتے بادلوں میں آکر اُس حکم کا تذکرہ کرتے ہیں جو آسمان میں جاری ہوا ہوتا ہے تو) کسی کی بات کو چُرا لیتا ہے تو پھر وہ مرغی کی آواز کی طرح اسے جا کر اپنے دوست کے کان میں پھونک دیتا ہے جو اُس کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتے ہیں''۔ (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث نمبر:6213, صحیح مسلم: حدیث نمبر:5817)

نمبر ۲ : آنحضور ﷺ کے دور میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو دل کا حال بتلاتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص رہتا تھا جو کہانت کے فن سے غیب کی خبریں بتلایا کرتا تھا۔ اس ضمن میں صحیح حدیث ملاحظہ کریں۔

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف (غصہ سے) دیکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ان پڑھوں کا رسول ہے۔ پھر اس نے کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں, رسول اللہ ﷺ نے اسے زور سے دبایا.......... پھر رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: میں نے تمھارے لئے دل میں ایک چیز چھپائی ہے (بتلاؤ وہ کیا ہے؟) آپ ﷺ نے یہ بات چھپائی تھی: ''جس دن آسمان ظاہر دھوئیں کے ساتھ آئے گا''۔ اس نے کہا وہ ''دخ'' (یعنی دھواں) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دور ہو جا تو اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ اس کے متعلق مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو یہ وہی (دجال) ہے تو پھر اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور اگر یہ وہ نہیں تو پھر اس کے قتل کرنے میں تیرے لئے کوئی بھلائی نہیں۔''

(صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث نمبر:57-3055, صحیح مسلم: کتاب الفتن)

پس معلوم ہوا ایسے علوم موجود ہیں جن کے ذریعے کسی حد تک دِل کے حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چونکہ ایسی باتوں پر یقین رکھنے سے شرک کا اندیشہ تھا اِس لیے آنحضور ﷺ نے ایسے لوگوں سے احوال دریافت کرنے کی سخت ممانعت فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس آیا اور اُس کے اقوال کی تصدیق کی تو اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شُدہ (وحی) کا انکار کیا۔''

(مسند احمد:429/2، حدیث نمبر:9536، مستدرک حاکم، 8/1 سندہ صحیح)

احوال جاننے کے چند مزید ذرائع

<u>قوت ارادی:</u> ماہرین نفسیات کی تحقیق کے مطابق انسان کی قوت متخیلہ یا قوت ارادی (will power) کو مختلف طریقوں سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ یوں غالب قوت ارادی والا شخص اپنے سے کمزور قوت ارادی والے انسان کو اپنی قوت سے متاثر کر سکتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے حواس اس کی مرضی کے تابع کام کرنے لگ جاتے ہیں۔: 'Steiner' نے اپنی کتاب (The Way of Initiation) میں یہ بات لکھی ہے کہ: ''ہر انسان میں ایسی مخفی قوتیں موجود ہیں

جن کی رو سے وہ عالم بالا کا علم حاصل کر سکتا ہے‘‘۔ اسی طرح فن سحر کے بہت بڑے محقق ’Eliphas Levi‘ کا قول ہے: ’’جس طرح جسمانی ورزشوں کے ذریعے انسان اپنی جسمانی صلاحیتوں کو محیر العقول درجہ تک لے جا سکتا ہے اور قائم رکھ سکتا ہے اسی طرح روحانی قوتوں کا حال ہے‘‘۔

پاکستان میں (Mind Sciences) کے مشہور ماہر پروفیسر معز حسین بھی قوت ارادی اور (Concentration) کے ذریعے عقل کو عاجز کرنے والے امور پر مہارت رکھتے ہیں۔

علم مسمریزم:

آسٹریا کے مشہور ڈاکٹر مسیمر نے 1780ء میں حیوانی مقناطیسیت کا نظریہ پیش کیا جو بعد میں مسمریزم کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کی رو سے حیوانی مقناطیسی اثر سے بغیر دوائی سے کئی امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ عامل حضرات معمول پر توجہ ڈال کر روح کو حاضر کرتے ہیں جس سے کئی طرح کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ریاضت، مجاہدہ، چلّہ کشی اور مکاشفات کے ذریعے انسان عالم ارواح میں پائی جانے والی کئی قسم کی نیک، شیطانی اور خبیث روحوں کو قابو کرتا ہے پھر ان سے معلومات لیتا ہے۔ مسمریزم کے لیے بعد ازاں ہپناٹزم کی اصطلاح تعبیر کی گئی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تجزیہ!

شاہ ولی اللہؒ اپنے مقالہ ’’وصية فی النصيحة و الوصية‘‘ میں تیسری وصیت کے تحت لکھتے ہیں:

’’اس زمانہ کے کرامات فروش ﴿الا ماشاء الله﴾ طلسمات اور فریب سازیوں کو کرامات سمجھے ہوئے ہیں۔ خرق عادت امور کی مشہور قسمیں اشراف ﴿دوسروں کے دلوں کے ارادے معلوم کرنا﴾ اور آئندہ کے واقعات کا انکشاف ہے اور اس اشراف و انکشاف کے بے شمار طریقے ہیں۔ ازاں جملہ نجوم اور رمل کا علم بھی ہے اور اپنی مختلف قسموں میں کہانت بھی ہے اور یہ فن بہت وسیع ہے۔ کبھی جنوں

کی حاضری سے اور کبھی اُن کی حاضری کے بغیر بھی اور ازاں جملہ ایک طلسم کا باب بھی ہے اور جوگ کے عمل بھی ہیں۔ کہ جوگیوں کی بعض نظروں میں اشراف اور کشف کے سلسلہ میں پوری خاصیت ہے۔ کسی کام پر ''توجہ دینا'' کسی مہیب شکل میں ظاہر ہونا، اپنے دل کا دباؤ کسی کے دل پر ڈالنا اور طالب کو مسخر کرنا، یہ سب فریب آفرین فنون میں سے ہیں۔ ایسی چند نگاہیں اور ملاحظات ہیں جو اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ صلاح وفساد، سعادت وشقاوت اور مقبول یا مردود ہونا یہاں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا اور ایسے ہی حاضرین میں وَجد اور شوق، بیقراری اور مسرت کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اِن کوائف کا منشاء اور محرک قوتِ بہیمیہ (حیوانیت) ہے۔ لہٰذا جس کی حیوانیت قوی تر ہے اس کا وَجد بھی پُر جوش ہوتا ہے، البتہ یہ اعمال اور ایسے افعال بعض نیک لوگ بھی کسی نیک نیت پر کرتے ہیں اور یہ چیز ان اعمال کو کرامات نہیں بنا دیتی۔ ہم نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ جب ایسے اعمال کسی شیخ میں دیکھ پاتے ہیں تو ان کو عین ''کرامت'' یقین کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحب کے درج بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے:

مندرجہ ذیل علوم وفنون ایسے ہیں جو سے دل کے احوال کے کھوج کا ذریعہ بنتے ہیں:

(۱) علمِ نجوم یا جوتش......(۲) علم رمل......(۳)......کہانت اور اس کی مختلف اقسام......(۴)......علمِ طلسمات یا جادُوگری......(۵)......جوگ اور اس کی مختلف اقسام یعنی توجہ ڈالنا یا علم مسمر یزم اور ہپناٹزم وغیرہ۔ یہ سب علوم وفنون غیر شرعی ہیں اور اکتساب سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

فی زمانہ ''Dowsing'' کے ذریعے بھی کچھ مخصوص لوگ اپنے ذہن کی طاقت سے چھڑی وغیرہ کو ہلا کر زمین میں پانی اور دیگر معدنیات کا سوراغ لگاتے ہیں۔ جس کے لئے متقی ہونا شرط نہیں بلکہ کافر و مسلمان سب سے یہ کرشمہ ظہور ہوتا ہے۔

ان مشاہدات کی بنا پر:

ان مشاہدات پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے نفع ونقصان ان بتوں یا آستانوں یا مجاوروں

کے تصرف میں ہیں یوں لوگ شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں خود کئی لوگ یہ بات بتلا چکے ہیں کہ فلاں فلاں مزار سے بزرگ خود باہر نکل کر ہمیں ملتے ہیں جبکہ جن لوگوں نے یہ بات ہمیں بتلائی وہ غیر شرعی افعال میں ملوث ہیں۔ سلفی مکتب فکر کے امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الوسیلہ میں یہ بات بیان کی ہے کہ:

''بعض لوگوں نے ان کو بتلایا کہ وہ یعنی ابن تیمیہؒ خود اڑتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور حاجات دریافت کیں جبکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس کی خبر تک نہ تھی۔''

کشف والہام۔ احتیاط کی ضرورت

دین کی اصل بنیاد تو شریعت کی تعلیمات ہیں نہ کہ کشف والہام۔ اگر کسی پر کوئی ایسی چیز ظاہر ہو تو اسے قرآن وسنت کی تعلیمات کو رہنما بناتے ہوئے سمجھنا چاہیے۔ بہر کیف اس ضمن میں آنحضور ﷺ کی تعلیمات سے یوں رہنمائی ہوتی ہے۔

(1) ''نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اچھے خواب۔''

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، حدیث نمبر 6990)

یہ صحیح ذریعہ ہے جسکی آپ ﷺ نے خبر دی۔ باقی نجومی اور کاہن وغیرہ جن ذرائع سے غیبی خبریں دیتے ہیں اُن کی آنحضور ﷺ نے سخت ممانعت فرمادی ہے۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لقد کان فیما قبلکم من الامم محدَثون فان یک احد فی امی فانہ عمر) (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، صحیح مسلم، کتاب)

''تم سے پہلی امتوں میں محدَث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت سے کوئی شخص ہوا

تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہو گا۔

یاد رہے : محدِث (زیر کیساتھ) اسے کہتے ہیں جو حدیثیں بیان کرے اور محدَث (زبر کیساتھ) کا معنی ہے جس پر الہام ہو۔

مذکورہ حدیث مبارک سے دو باتیں واضح ہوئیں:

(۱) سابقہ امتوں میں سے بعض لوگوں پر الہام ہوتا تھا۔ (۲) اگر آنحضور ﷺ کی امت میں کسی پر ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہوتا۔ چونکہ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل آخری درجے تک کر دی گئی ہے اور ہر چیز کی پوری تفصیل نازل ہو چکی ہے شاید اسی لیے آپ ﷺ کی امت کے لیے اس سلسلے کی ضرورت نہ رہی ہو۔ بہر کیف ایسی چیزوں سے احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال اور ذکر کی بدولت اپنے بندوں پر تسکین نازل فرماتا ہے، انکے قلوب کو سکون عطا فرماتا ہے، بندوں کے دل اللہ کے دست قدرت میں ہیں، ان پر اپنا امر جاری فرماتا ہے، انکے دلوں کی اچھے خیالات کے ذریعے رہنمائی فرماتا ہے......... لیکن ہر معاملے میں قطعی دلیل اور حجت قرآن وسنت کی تعلیمات ہی ہوں گی۔

کیونکہ کشف والہام کی بنیاد پر کئی لوگ بالآخر اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں جسکی بڑی مثال مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو کشف والہام کی بنیاد پر مقام نبوت تک پہنچنے کا دعویدار ہوا جبکہ اس نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا کہ۔

"ہمارے سید رسول اللہ ﷺ، خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ اس لیے شریعت میں نبی کے قائمقام محدَث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن ص۔28)

اس بیان میں اس نے محدَث ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ اسکی تردید آنحضور ﷺ خود فرما چکے ہیں جسے آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ ایک اور جگہ کہا۔

"میں نے لوگوں سے سوائے اسکے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدَث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس طرح کلام کرتا ہے جس طرح

محدثین سے" (حمامتہ البشری ص۔96)

اسکے بعداس نے مزید دعویٰ کیا۔

''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جسطرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے اوپر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔(حقیقت الوحی صفحہ۔11)

چنانچہ اس کے بعد رفتہ رفتہ اس نے ظلی نبی امتی نبی، مجازی نبی، مسیح موعود وغیرہ جیسے دعوے کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو یقینی تعلیمات (قران وسنت) پر ثابت قدم رکھے اور اسی پر چشمہ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

ایسا کیوں ہوتا ہے؟:

جو لوگ اللہ جل جلالہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے کو نہ اپنائیں، تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کر دینے والے امور کی طلب کریں اور انہیں بنیاد بنائیں یا حق واضح ہو جانے پر بھی اُسے قبول نہ کریں تو اللہ جل جلالہ بطور تدبیر ان کی ہدایت سلب فرمالیتا ہے اور اُنھیں شیاطین کے سپرد کر دیتا ہے۔اس حوالے سے حقیقت حال سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''ہدایت''۔

پیارے بھائیو! دنیا کی تھوڑی سی تکالیف برداشت کرلو کتنا ہی فائدہ حاصل ہوتا ہو کبھی غیر شرعی طریقہ نہ اپنائیں انشاء اللہ تعالیٰ پروردگار آپ کو کسی اور ذریعہ سے عافیت دے دے گا۔ یہ بات مشاھدہ میں آئی ہے کہ اگر آپ ان غیر شرعی طریقوں سے اجتناب کریں گے تو اللہ آپ کو ان چیزوں کی حاجت ہی نہیں رہنے دے گا۔ جب آپ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوگا اور صبر کریں گے تو وہ آپ کا مددگار بن جائے گا۔اس کے برعکس غلط طریقوں سے استمداد لینے سے مصائب اور تکالیف کا نہ ختم ہونے والا تسلسل شروع ہو جائے گا اور آپ دن بدن اس جال میں پھنستے چلے جائیں گے اور

دنیا کے ساتھ ساتھ دین بھی برباد ہو جائے گا۔ کتنے جانور، پرندے، مچھلیاں وغیرہ ہیں جن کی زندگی کو اللہ سلامت بھی رکھے ہوئے ہے اور رزق بھی دے رہا ہے۔ ہم بھی اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی تھوڑا سا توکل اور صبر عنایت فرما دے۔ (آمین)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی احتیاط : حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کشف و کرامات کی بجائے شریعت کے ساتھ چمٹے رہنے پر ہی زور دیا چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے مکتوبات میں فرمایا! ''اگر کوئی کشف دن کی سفیدی سے زیادہ روشن ہو لیکن اگر بال برابر بھی شریعت کے خلاف ہو تو وہ رات کی تاریکی سے بدتر ہے۔''

قبروں سے فریاد رسی کرنا تو بال برابر نہیں بلکہ مکمل طور پر شریعت کے خلاف ہے پھر اس قسم کے واقعات کی بنا پر شرک جیسا عظیم خطرہ کیوں مول لیا جائے؟

ابلیس کا آلہ کار بننے والے لوگ: جو اللہ پر بھروسہ رکھیں وہ اس کے فتنے سے محفوظ رہتے ہیں اور جو شرک کریں اور رب پر بھروسہ نہ کریں ان پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝﴾ (النحل۔آیت:100-99)

''ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا (شیطان) زور مطلقاً نہیں چلتا۔ ہاں اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر یقیناً ہے جو اس سے یارانہ گانٹھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

دلوں میں چھپے بھید جاننا

طبرانی کی ایک روایت میں ہے: ((اتقوا فراست المومن فانه ینظر بنور الله))۔ ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ (المعجم الکبیر للطبرانی:7369)

اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مومنین لوگوں کے دلوں کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

ازالہ: انشاء اللہ اِس کے دونوں پہلو بیان کریں گے۔ تفصیل میں جانے سے قبل اِس روایت کے متعلق محدثین کی رائے ملاحظہ کریں: جمہور محدثین کے نزدیک یہ روایت موضوع یا ضعیف ہے چنانچہ:

- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اسماء الرجال کی کتاب التاریخ الکبیر میں اِس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیے حوالہ (354/1/4)
- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تاریخِ دمشق)
- دیگر محدثین نے بھی اسے ضعیف یا موضوع قرار دیا۔

<u>مزید وضاحت:</u>

ہمارا اِس چیز پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خرقِ عادت جب چاہے ضرورت کے تحت اپنے بندوں پر حالات منکشف فرما دے۔ اِس ضمن میں جو چیزیں سند کے ساتھ آئی ہیں اُن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جن کی سند نازل نہیں ہوئی اُن کے بارے میں محتاط رہتے ہیں ۔ باقی مذکورہ روایت کی بنیاد پر جو عقائد لوگوں میں موجود ہیں اُس کے مطابق مومنین لوگوں کے دلوں کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے، پھر بھی اگر سند کے ساتھ ایسی چیز ثابت ہو تو ہمیں تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب ہم اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کی تعلیمات دیکھتے ہیں تو عموماً حالات اِس کے برعکس نظر آتے ہیں۔ بالخصوص صحابہ کرامؓ جو یقیناً مومنین میں شامل تھے، اگر بات ایسے ہی ہوتی تو ہزاروں صحابہ کرامؓ باہمی اختلافات کی بنیاد پر آپس میں لڑتے ہوئے شہید نہ ہوتے۔ جید صحابہ کرامؓ کئی کئی سال اُن تک احادیث نہ پہنچنے کی بنا پر ایسے فیصلے دیتے رہے جو احادیث کے

مطابق نہ تھے۔ جونہی حدیث پہنچتی رجوع کر لیتے جیسے مُتعہ وغیرہ (دیکھیے شرک فی الاطاعت)۔

اس میں شک نہیں کہ لوگ دلوں کے حالات وغیرہ کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ عمل خدااور رسول ﷺ کے ہاں کیسا ہے ملاحظہ کریں۔اس ضمن میں آنحضور ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

﴿انی لم او مر ان انقب قلوب الناس ولا اشق بطونهم﴾ (صحیح بُخاری ''کتاب المغازی'' 4351)

''مجھے لوگوں کے دلوں کے کھوج لگانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ اس بات کا حکم ملا ہے کہ میں ان کے پیٹوں کو چاک کروں۔''

چند دِن پہلے ایک حیران کُن روایت نظر سے گزری ہے۔ملاحظہ کریں اور عبرت حاصل کریں:

سیدنا عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہو جاتا تھا۔لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کریں گے جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔اس لئے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم سے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔اس کا حساب تو اللہ تعالی کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے خواہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے''

(صحیح بخاری، کتاب الشھادت)

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صورت حال ایسی ہے تو باقی لوگوں کے متعلق ایسے عقائد کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔

اللہ جل جلالہ ستّار ہے، جو لوگوں کے عیب چھپانے والا ہے، اسی کا لوگوں کو حکم دیا۔ وہ یہ کیسے برداشت کرے گا کہ لوگوں کے دلوں میں جھانکا جائے۔ حقیقت حال سے آگاہ ہونے کے لئے

میدان محشر کی صورت حال ملاحظہ کریں:

ترجمہ: ''صفوان بن محرز مانی بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے آیا اور پوچھا (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ) رسول کریم ﷺ سے آپ نے (قیامت کے دن بندوں اور پروردگار کے درمیان ہونے والی) سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے نزدیک بلالے گا اور اس پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور اسے چھپالے گا (تاکہ بروز قیامت بھی اسکے گناہ دوسرے لوگوں پر ظاہر نہ ہو سکیں)۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا تجھ کو فلاں گناہ یاد ہے؟ کیا فلاں گناہ تجھ کو یاد ہے؟ مومن عرض کرے گا ہاں اے میرے پروردگار۔ آخر جب وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اور اسے یقین آجائے گا کہ اب وہ ہلاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج بھی میں تیری مغفرت کرتا ہوں۔ چنانچہ اسے اسکی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی لیکن کافر اور منافق کے متعلق ان پر گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا تھا۔ خبردار ہو جاؤ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہوگی''

(بخاری، 2441، ظلم کرنے کی مذمت، ابواب التفسیر، مسلم توبہ کا بیان 7015)

یعنی کفار جو علانیہ خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کا انکار کرتے تھے انکے کفر کے متعلق لوگ گواہی دیں گے۔

شاید اسی لئے آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں یعنی کاہنوں پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا اور صحابہ کرامؓ ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔

قرآن مجید میں درجنوں واقعات اِس غلط عقیدہ کی حقیقت آشکار کرنے کے لیے رب کریم نے کھول کھول کر بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل کے لیے مکمل کتاب درکار رہے۔ عبرت کے

لیے صرف تین واقعات ملاحظہ کریں۔

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (سورۃ المجادلہ: آیت۔1)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے''۔

شانِ نزول: ایک عورت اپنے خاوند کی شکایت لے کر آنحضور ﷺ کے پاس آئی وہ بحث و تکرار کر رہی تھی آپ ﷺ نے کچھ توقف فرمایا جس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی رہی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سن (سکتی) تھی لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی'' (سنن ابن ماجہ: المقدمہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ خود اقرار کیا ہے میں قریب ہو کر بھی بات نہ سن سکی اسلئے اسکی تاویل کرنا بھی ممکن نہیں۔ یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا علم و عمل اور ایمان کے اعتبار سے بلند ترین مقام پر فائز تھیں ان کے ساتھ اگر ایسا معاملہ نہ ہو سکا تو بعد والے لوگوں کے بارے میں کیوں ایسا عقیدہ بنا لیا گیا۔؟ اہلِ عقل کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

نمبر ۲: جب فرشتہ مرض کی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آیا تو آپ بہت غمگین ہوئیں اور فرمایا:

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (سورہ مریم، آیت:18)

''(مریم) نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے

والا ہے‘‘۔

اِس کے بعد فرشتے نے بتایا کہ میں ﷲ کا قاصد ہوں اور اللہ کی طرف سے بیٹا دینے آیا ہوں۔ امید ہے بات واضح ہوگئی ہوگی۔

نمبر ۳: جب فرشتے خوبصورت بے ریش نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت لوط علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور شدید پریشانی لاحق ہوئی۔ اِسی اثناء میں لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غلط عزائم کے ساتھ وہاں آ پہنچے جس پر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رُسوا نہ کرو۔ جب اُن لوگوں نے بات نہ مانی تب آپ نے کہا:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ (سورہ ھود، آیت:80)

’’لوط نے کہا کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا‘‘۔

اِس کے بعد فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر یہ بات ظاہر کردی کہ ہم فرشتے ہیں اور ناممکن ہے کہ یہ لوگ آپ تک پہنچ پائیں اِس کے بعد قوم لوط پر عذابِ الٰہی نازل ہوا:

(دیکھیے سورہ ھود، آیت:77 سے 83)۔

اگر آپ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو آپ پر حقیقت بالکل آشکارا ہوجائے گی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولولوء دوران نماز محراب میں چھپا ہوا تھا جس نے نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کیا اور کئی صحابہ کرام کو زخمی کرتا ہوا بھاگ گیا۔ یہ زندگی ﷲ نے آزمائش کے لیے بنائی ہے جس میں انسان کی عظمت اور مقام ومرتبہ کا تعلق دین پر استقامت میں ہے نہ کہ خرق عادت امور پر۔

پیارے مسلمان بھائیو! جو حقیقت تھی آپ کے سامنے پیش کردی گئی ۔قرآن وسنت کی تعلیمات

مذکورہ حدیث کے بالکل برعکس ہیں۔عمومی طور پر مومنین کے لیے اِس عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہیں خرقِ عادت کے طور پر جو امور ظاہر فرمانا چاہیں ظاہر فرما دیں۔اِس ضمن میں جو چیزیں سند کے ساتھ آئی ہیں ہم اپنے آپ کو اُنہیں تک محدود رکھتے ہیں۔

فرشتے کا بیٹا دینا: ارشاد ربانی ہے:

''اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔'' (سورہ مریم، آیت:19)

اس آیت کریمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بچے کی خوشخبری کی نوید سنانے کے لیے ذریعہ اور وسیلہ بنا کر بھیجا اس آیت کریمہ میں خوشخبری کے کلمات محذوف ہیں۔وضاحت کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر غور فرمائیں، فرشتے نے کہا:

﴿یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّاo﴾ (سورہ مریم، آیت:7)

''اے زکریا ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام کسی کو نہیں کیا''۔

ان آیات سے یہ استدلال کرنا کہ اللہ بھی بیٹے عطا کرتا ہے اور فرشتے بھی بیٹے عطا کرتے ہیں، باعث تعجب ہے۔بات واضح ہے کہ فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی خوشخبری دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی کون....؟: لوگوں کے نزدیک ولی صرف وہی ہے جو عقل سے ماوراء امور ظاہر کر کے دکھلائے اور جو ایسا نہ کر سکے وہ چاہے کتنا ہی پرہیز گار کیوں نہ ہو اسے ولی تسلیم نہیں کیا جاتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ o الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَo﴾ (سورہ یونس: آیت:63-62)

''آگاہ ہو جاؤ اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ غم، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور

پرہیزگاری اختیار کی“

یعنی اللہ کے نزدیک ولی وہ ہے جس میں دو شرائط پائی جائیں: (۱) ایمان، (۲) تقویٰ

’ایمان‘ کا مطلب ہے مان جانا، تسلیم کر لینا یعنی اللہ، رسول ﷺ، آخرت... کو مان جانا۔ اللہ و رسول ﷺ کو ماننے کا مطلب ہے قرآن وسنت کی ہر ہر بات کو تسلیم کر لینا۔ ’تقویٰ‘ کا معنی ہے بچ جانا یا ڈر جانا۔ یعنی آخرت کے نقصان سے بچ جانا، اللہ سے ڈر جانا۔ شب و روز میں ہر اس چیز سے دور رہنا جو اللہ و رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں شب و روز بسر کرنا۔

معلوم ہوا ولی در حقیقت مومنین اور متقین کا دوسرا نام ہے۔ وہ لوگ جن کا ایمان بھی شرک سے پاک اور اعمال کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ جنہوں نے دین میں اپنی مرضی نہیں کی بلکہ اللہ و رسول ﷺ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔ خود خالق کائنات کی طرف سے ولی اللہ کی بابت وضاحت کے بعد ایمان والوں کے لئے شک کی گنجائش باقی نہیں۔ لیکن اسے تسلیم تو وہی کرے گا جو سلیم الفطرت ہوگا۔ کاش ہم پروردگار کی اس بات پر یقین کر لیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یقینی ولی اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، انکے بعد اکثریت اہل علم: تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام اور محدثین کرام سے، پھر انکے بعد امت سے ہر وہ شخص جو ایمان لائے اور اس میں اخلاص اور تقویٰ موجود ہو انشاء اللہ، وہ اللہ کے ہاں ولی ہی تصور ہوگا۔

باب ۱۰

شرک فی الحقوق (نذر و منت)

آج سائنس کی بدولت اشیاء کے متعلق حقائق واضح ہونے پر شرک کے ظلم عظیم ہونے کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ صداقت سامنے آئی کہ گوشت (پروٹین) کا ایک ذرہ خود سے بننے کے لیے اس کائنات سے کروڑوں گنا بڑی جگہ چاہیے جہاں اربوں سال اللّٰہ کے پیدا کردہ پہلے سے موجود عناصر عمل کرتے رہیں تو شاید گوشت کا ایک ذرہ خود بخود بن جائے۔ وہ اللہ ہی ہے جو انسانی بچے سمیت دیگر مخلوقات کے بچوں میں اربوں گوشت کے ذرات بناتا ہے اور اسی نے ہمارے لیے طرح طرح کے پھل اور اناج پیدا کیے جبکہ تمام مخلوقات مل کر بھی کسی اناج کا ایک دانہ نہیں بنا سکتے۔ اسلیے وہی یہ حق رکھتا ہے کہ پیداوار میں صرف اسی کے نام کا حصہ نکالا جائے۔

اپنے مال و جائیداد، زمین کی پیداوار اور جانوروں میں سے حصہ نکالنا نذر و نیاز کہلاتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو اللّٰہ کے لیے دیگ وغیرہ اتاروں گا اسے منت یا نذر کہتے ہیں۔ یہ مالی عبادات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝ ﴾(سورۃ البقرہ:270)

''اور تم جو کچھ اللّٰہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا کوئی منت مانتے ہو تو اللّٰہ بے شک اُسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''

﴿وَ مَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنۡكُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡكُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۝ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ

فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ٥﴾ (سورۃ النحل، آیت:53-56)

''تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے، جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو تم اللہ ہی کی طرف فریاد لے کر آتے ہو، مگر جب وہ اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ (اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھرانے لگتے ہیں تا کہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ خیر مزے کر لو، عنقریب تمھیں اسکا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اور جسے جانتے بوجھتے بھی نہیں انکے لئے ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے حصے مقرر کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جو افترا بازیاں تم کرتے ہو انکی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔''

اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ جو اپنے مویشی اور کھیتی باڑی میں اپنے معبودوں کا حصہ نکالتے تھے ان پر وعید آئی ہے۔ اسی طرح زائرینِ بیت اللہ کے لیے آیا ﴿وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾ اور اپنی نذریں پوری کریں (سورۃ الحج آیت:29)، پھر الدھر۔7 میں یہ الفاظ یوں آئے ﴿يُوْفُوْنَ بِالنُّذُرِ﴾ وہ (مومنین) نذر پوری کرتے ہیں۔

ظالم شیطان یہاں تک اندھا کر دیتا ہے کہ انسان اسکی خوشنودی کیلئے وہ کچھ کر گزرتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ پروردگار نے واضح کیا:

﴿ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ٥﴾ (سورۃ الانعام، آیت:137)

''اور اسی طرح بہت سے مشرکین کیلئے انکے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تھا تا کہ انہیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور انکے دین کو انکے لئے

مشتبہ بنادیں۔‘‘

افسوس کہ آج بھی ایسی خبریں سننے کو ملتی رہتی ہیں۔

پس معلوم ہوا مشرکین غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے تھے جسے اللہ نے حرام قرار دیا کیونکہ ہر شے کا خالق وہ ہے، فصلیں اُگانے والا۔ سورج کی کرنوں سے بارش برسا کر فصلوں کو پکانے والا، باغات اور پھل اُگانے والا، جانور پیدا کرنے والا وہ ہے اس لیے نذر و نیاز بھی اسی کا حق ہے اور اُسی کے نام کی ہونی چاہیے۔

ذبح لغیر اللہ کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ (اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ)

(سورۃ البقرہ۔ آیت:173)

’’اللہ نے تم پر حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس شئے پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام پکارا جائے۔‘‘

☆ (وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ) (سورۃ المائدہ۔ آیت:3)

’’اور جسے کسی بُت کے آستانے پر ذبح کیا گیا ہو (تم پر حرام ہے)‘‘

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ))

(صحیح مسلم ’’کتاب الاضاحی‘‘ حدیث نمبر 5126 ، سُنن نسائی حدیث نمبر 4422)

’’جو شخص غیر اللہ کے (تقرب) کی خاطر ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔‘‘

☆ ’’ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ’’ایک شخص نے مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا

زمانہ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہاں جاہلیت کی کوئی عید منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس آدمی سے کہو کہ اپنی نذر پوری کرے، اللہ کی نافرمانی کر کے نذر نہیں پوری کی جائے گی۔"

(سُنن ابی داوٗد "کتاب الایمان والنذور" حدیث نمبر 3313)

وضاحت: مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر وغیرہ نصب کر کے خاص جگہ بناتے جسے نُصب (تھان یا آستانہ) کہا جاتا اس پر وہ جانوروں کو ذبح کرتے۔ (تفسیر طبری 508/9) کے مطابق: "عرب جاہلیت کے دور میں بیت اللہ کے گرد 360 بتوں کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے اور بتوں پر خون چھڑکتے اور ان پر گوشت کا چڑھاوا چڑھاتے"۔

اس کی حرمت المائدہ۔ آیت:3 میں آئی ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ شرک کے مقامات وغیرہ پر ذبح کرنا سخت منع ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیر المائدہ۔3 کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

"اللہ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ (ایسے پتھروں کے پاس ذبح کرنا) شرک باللہ ہے، جسے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ اسی لائق ہے۔"

نذر و منت اور اہل قبور سے فریاد رسی کے متعلق فقہ حنفی کی صراحت

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔

"معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام فوت شدہ لوگوں کے نام جو نذریں نیازیں دیتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیا کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مالی نذرانے پیش

کرتے ہیں اوران کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں وغیرہ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں'' (درمختار آخر کتاب الصوم)

درمختار کی مشہور شرح ردالمختار، المعروف فتاوی شامی میں اسکی تشریح یوں کی گئی ہے:

((انہ ظن ان المیت ینصرف فی الامور دون اللہ تعالی و اعتقادہ ذالک کفر)) (ردالمختار، جلد۔۲، ص۔۴۳۹ طبع مصر)

''اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا ختیار رکھتے ہیں حالانکہ مردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے ۔''

فتاویٰ عالمگیری: اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ اگر میری حاجت پوری ہوگی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔ پھر لکھا ہے:

''پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیا کرام کی قبروں پران کا قرب حاصل کرنے کے لیے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں''

(فتاویٰ عالمگیری، ج۱، ص۔216 باب الاعتکاف طبع مصر)

فتاوٰی شامی: ''غیر اللہ کی نذرونیاز دینا کئی وجوہات سے باطل اور حرام ہے جن میں (ایک) یہ ہے کہ نذرونیاز عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں''۔ (ردالمختار، فتویٰ شامی، 128/2، طبع بیروت)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ: آپ نے مکتوبات میں فرمایا:

''اور یہ لوگ بزرگوں کے لیے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر انہیں ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہا نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور

ان قربانیوں کو جنوں کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور داخل شرک ہیں'' (مکتوبات امام ربانی۔دفتر سوم،مکتوب۔41)

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ مسلمان عورتیں جو اپنے پیروں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان سے حاجتیں طلب کرتی ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔

''ایں شرکت در عبادت است کہ'' ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے: مشرک لوگوں کے جانور ذبح کرنے کی دو صورتوں کا خلاصہ ملاحظہ کریں:

(i) (وہ لوگ اپنے معبودوں) کا نام لے کر قربان کرتے (جس کی تحریم کا حکم ﴿وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾۔ ''یعنی جس شے پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام پکارا جائے''... میں ہے)۔

(ii) اِن (معبودوں) کے نام پر جو یادگاریں بنائی ہوتیں وہاں ذبح کرنے کو وہ لوگ اِن کے قرب کا موجب خیال کرتے قرآن مجید میں ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُب﴾ سے یہی صورت مراد ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:246،حصہ اول،مترجم:مولانا عبدالرحیم)

دو سچے واقعات

اس ضمن میں ہمارے ساتھ پیش آنے والے دو سچے واقعات رہنمائی کی خاطر پیش خدمت ہیں:

(1): ۱۷ مارچ ۲۰۱۰ بروز بدھ کو ہمارے قریبی دوست کا اسلام آباد (ڈھوک سلیمان نزد گولڑہ موڑ) میں پانی کے لئے ایک پارٹی کے ساتھ بورنگ کا ٹھیکہ چالیس ہزار میں طے پایا۔معاہدہ میں گہرائی کی مقدار ۲۲۰ فٹ طے پائی۔مشین کے ساتھ ۴۰ دن کی طویل مدت میں گہرائی ۲۲۰ فٹ تک پہنچ گئی مگر پانی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ٹھیکیدار نے رقم وصول کی اور کہا کہ میرا تجربہ ہے کہ اس علاقے کا پانی صرف اس شخص کے لئے نکلتا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے نام کا بکرا دے کیونکہ اس علاقے کا پانی انکے کنٹرول میں ہے۔یہ خبر دوسرے محلے داروں تک پہنچی ان میں سے بھی بعض کی رائے اسی قسم

کی تھی۔مگر ہمارے دوست اپنے اس عقیدے پر قائم تھے کہ یہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ ہی کا پانیوں پر قبضہ ہے اسلئے وہ شرک نہیں کرے گا چاہے پانی نکلے یا نہ نکلے۔اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ شخص گستاخ ہے۔چنانچہ اس دوست نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ۱۵۰۰ روپے فی دن کے ریٹ پر اسی ٹھیکیدار سے مزید بورنگ کروانی شروع کی اور اگلے روز مزید آٹھ فٹ گہرائی ہوئی لیکن پانی کے کوئی آثار نہ تھے۔لوگوں کا دباؤ مزید بڑھ گیا، دوست نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کام کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔چنانچہ اس سے اگلے دن ۲۳ اپریل ۲۰۱۰ بروز جمعۃ المبارک جیسے ہی ٹھیکیدار نے کام شروع کیا پہلی ہی چوٹ سے پتھر ٹوٹا اور اسکے نیچے سے وافر مقدار میں پانی نکل کر ۵۰ فٹ سطح تک آ گیا جس سے ٹھیکیدار حیران رہ گیا۔پھر گھنٹوں موٹر لگائی گئی مگر پانی کی سطح کم نہ ہوئی۔قدرت کے اس کرشمے کو دیکھ کر ٹھیکیدار نے اپنے باطل عقیدے سے توبہ کی اور مزید کئی لوگوں کا ایمان بھی صحیح سمت کی طرف گامزن ہو گیا۔

(2): ”ہمارے ایک دوست کے بھائی جو انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ان کی شادی کو چار سال ہو چکے تھے لیکن بیگم کی طبی خرابی کے باعث اولاد نہ ہو سکی۔آخر کار وہاں کے ڈاکٹرز نے جان کو خطرے کی بنا پر رحم مادر (Utrus) نکالنے کا کہ مشورہ دیا۔چند ہی دنوں بعد آپریشن تھا کہ ہمارے دوست کے بھائی کو خواب میں پاکستان کے اندر ایک مزار دکھایا گیا، اولاد اور صحت کے حصول کے لئے وہاں حاضری اور دعا و منت کا اشارہ ملا چنانچہ وہ فوراً چند دنوں کے لئے جنوری ۲۰۱۰ء میں پاکستان آ گئے اور سارا ماجرا سنا دیا۔چنانچہ مزارات کے متعلق جب انھیں نبی اکرم ﷺ کی احادیث سنائی گئیں تو وہ مزار پر حاضری کا فیصلہ ترک کر کے واپس انگلینڈ چلے گئے۔انگلینڈ میں آپریشن سے پہلے جب معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حمل ٹھہر چکا ہے۔الحمدللہ انھیں اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی دولت سے نواز دیا“

اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور شیطان کی طرف سے بھی۔لٰہذا مذکورہ حوالے سے حمل ٹھہر جانے کے بعد شیطان کی طرف سے خواب آیا ہوگا تا کہ شرک میں ملوث کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔(واللہ اعلم)

خلاصہ: نذر ومنت

نذر ونیاز صرف اللہ کے نام کی دی جاسکتی ہے یہ اس کا حق ہے۔صدقہ وخیرات میں ایصال ثواب کی نیت مخلوق کے لیے کی جاسکتی ہے۔مخصوص جگہیں جہاں شرک کا اندیشہ ہوان جگہوں پر قربان کرنا ممنوع ہے۔مہمان کی خدمت یا ضیافت کی نیت سے جانور ذبح کرنا درست ہے کیونکہ یہ سنت ہے لیکن تقرب کی خاطر ذبح نہ کیا جائے کیونکہ یہ کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں۔

(واللہ اعلم)

۞۞۞۞۞

باب نمبر ۱۱

شرک فی الاطاعت

ائمہ وفقہاء کرامؒ کی تفقہ فی الدین کے حوالے سے محنت ہمارے لئے بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ہم ائمہ دینؒ کے بہت مشکور ہیں اور انکی بے حد قدر کرتے ہیں۔لیکن تقلید ایک یہ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جس میں شیطان کیلئے نسل انسانی کی گمراہی کیلئے بڑا وسیع میدان موجود ہے۔اسلئے اسکی حدود و قیود کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔اطاعت، پیروی، تابعداری، فرمابرداری وتقلید اسکی اہم اصطلاحات ہیں۔

نوٹ: اس ضمن میں بہت ساری ضروری معلومات ہم نے اپنی تحریر ''سنت کا حقیقی تصور'' کے باب ۳ میں بیان کردی ہیں۔ یہاں شرک فی الاطاعت میں شبہات سمیت کچھ مزید باتیں واضح کی جائیں گی۔

اس ضمن میں فی زمانہ نسل انسانی میں درج ذیل رجحانات پائے جاتے ہیں۔

(1)۔ کچھ لوگ غیر نبی آئمہ واولیاء کرام رحمہ اللہ کی غیر مشروط جامد پیروی وتقلید کو دین کا ضروری حصہ یعنی واجب قرار دیتے ہوئے اندھی تقلید پر جامد ہوگئے ہیں۔

(2)۔ جبکہ کچھ لوگ غیر نبی کی پیروی وجامد تقلید کو حرام وشرک قرار دیتے ہیں۔

(3)۔ کچھ اعتدال میں رہتے ہوئے غیر نبی کی پیروی وتقلید کے نہ تو مطلقاً جواز کے قائل ہیں اور نہ ہی اسے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ضرورت کے تحت حدود و قیود کے ساتھ مشروط تقلید کے قائل ہیں۔

صحیح راہ اعتدال کی ہی ہے کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی کی اطاعت مطلقاً ممنوع نہیں۔اہل علم حضرات، امام، ولی، عالم، امیر، بادشاہ، مرشد، والد، والدہ، شوہر وغیرہ کی اطاعت فی نفسہ ممنوع

نہیں بلکہ اصول یہ ہے کہ:

((**لا طاعته فی معصیه، انما الطاعته فی ا لمعروف**)) (صحیح بخاری، کتاب اخبارالاحاد)

''معصیت اور نافرمانی میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف اور صرف معروف (شریعت کے مطابق امور) میں ہوسکتی ہے۔''

اس اصول پرعمل پیرا ہوتے ہوئے شرک سمیت دیگر معصیت و نافرمانی سے بچنے کا حل اسکے سوا اور کوئی بھی نہیں کہ تعلیمات وحی کو معیار بناتے ہوئے بات کو پرکھا جائے اور قرآن وسنت کو ترجیح پر رکھا جائے۔ جب بھی معلوم ہو جائے کہ کوئی بات یا عمل قرآن وسنت کے مطابق نہیں اسے دین وشریعت کا حصہ بنانے سے فوراً توبہ کرتے ہوئے تعلیمات وحی کی خوش دلی سے پیروی کرلی جائے۔

اہم بات!

اس ضمن میں اہم ترین بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جامد اور اندھی تقلید یا پیروی سخت ممنوع بلکہ بہت بڑا جرم یعنی شرک ہے۔ جامد کا معنی یہ ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی اور شخصیت پرسختی سے جم جانا، دین میں اسے معیار یا حجت بناتے ہوئے اسی پر جم جانا، کسی اور کی بات کو تسلیم کرنے کی گنجائش نہ رکھنا۔ جبکہ اندھی تقلید کا معنی یہ ہے کہ بغیر دلیل غیر نبی کے اقوال کو عین دین سمجھنا اور اس پر عمل کرنا۔ یہی وہ طرزعمل ہے جو شیطان کو بہت محبوب ہے اور یہی وہ برا طرزعمل ہے جسے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ انسان کی ہدائت سلب فرمالیتا ہے۔ اسکے برعکس اگر تقلید یا پیروی میں مذکورہ دو بری صفات یعنی جامد اور اندھاپن نہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

اللہ انسان سے جو کام لینا چاہتا تھا اس کی تفاصیل اس نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں پر نازل فرمائیں اور رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔''

ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اللہ کی بندگی تھی کیونکہ اُس کے حکم کے تحت تھا۔ پس اللہ

کے حکم کی مخالفت شیطان کی عبادت ہوگی۔ قرآن وسنت کے واضح احکامات کے خلاف کسی کی اطاعت شرک فی الاطاعت ہوگی۔ جیسا کہ باب ۵ میں آپ دیکھ چکے کہ سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کی بڑی وجہ شرک فی الاطاعت تھی جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

(سورۃ التوبہ آیت: 31)

''اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم (علیہا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔''

باب ۵ میں اِسی آیت کی تشریح میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) انھوں نے قبول اِسلام سے پہلے جب یہی آیت سُنی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات کو دیکھے) اَپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟'' میں نے عرض کیا جی ہاں اَیسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔'' اِسی ایک جملہ پر (میں) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مطمئن ہوگیا اور فوراً اِسلام قبول کرلیا۔'' (والحمدللہ جل جلالہ)

(جامع ترمذی ''ابوبُ التفسیر'' حدیث نمبر 3095 ، مُسند امامِ احمد حدیث نمبر 378/4)

سی آیت کے تحت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں

کہ انہیں تمام صفات الٰہیہ میں شریک بنایا جائے بلکہ اطاعت ومحبت میں اس حد تک غلو ہو کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم اسلام کے واضح ارشادات کو چھوڑ کر دوسروں کو ترجیح دی جائے تو یہ بھی شرک ہے۔''

(پیر مہر علی شاہ صاحب، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، مقدمہ صفحہ۔ ح، مطبوعہ: پرنٹنگ پروفیشنلز لاہور، ۲۰۰۴)

آپؒ نے بات تو بالکل درست فرمائی ہے لیکن مسئلہ عمل کا ہے۔ صرف اس ایک بات پر عمل کر لیا جائے تو نجات و سعادت کی راہیں کشادہ ہو جائیں۔ ایسی باتوں پر عمل کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں.......... الا ماشاء اللہ نہ پیر حضرات اس بات پر عمل پیرا ہونے کو تیار ہیں اور نہ مرید۔ ایسی باتیں سب کو ناگوار ہیں۔ ترجیح دینا تو دور کی بات ہے صرف یہ سوچنے پر کہ:

''پیر حضرات کی تعلیمات نبی کریم ﷺ کے تابع ہونی چاہئیں''

اتنی سی بات پر پیر حضرات کی بے ادبی و گستاخی کا فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

یقینی نتائج

(i) اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی کو حلال وحرام کا اختیار دینا اُسے ربّ بنانا ہے اور اس فعل کو اس کی عبادت قرار دیا گیا۔

(ii) اس جرم کے ارتکاب کی بنیادی وجہ بغیر تحقیق اندھی پیروی کرنا ہے اور اس کی بنیاد علماء سے محبت ہے نہ کہ نفرت۔

(iii) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا کہ جب تک کسی کو زبان سے معبود قرار نہ دیا جائے اسے خدا بنانا لازم نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہوئے واضح کیا کہ جب شرکیہ عمل کسی کی طرف منسوب کر دیا تو اسے عملاً معبود کے درجے پر فائز کر دیا گیا چاہے زبان سے اسکے معبود ہونے کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اطاعت رسول ﷺ یا محبت رسول ﷺ کا زبان سے اقرار تو بہت آسان ہے لیکن اسکو سمجھنا اور اس پر

عمل کرنا بہت مشکل کام ہے۔اسکا احساس آپکو باب ۱۴ تا ۱۶ پڑھ کر ہوگا۔

اطاعت میں شراکت کی شکلیں

اطاعت کے ضمن میں شراکت کس کس شکل میں ہوئی ہے،فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر ان سب شکلوں کی نشاندہی ہم نے اپنی کتاب ''قرآن مجید کی حاکمیت'' میں کردی ہے۔ یہ شراکت درج ذیل شکلوں میں ہوئی ہے:

(۱)۔ اہل حکام کی اندھی پیروی، (۲)۔آئمہ دین کو حرف آخر سمجھتے ہوئے انکی غیر مشروط اندھی اور جامد تقلید، (۳)۔محدثین کو حرف آخر سمجھنا: یعنی محض سند (اسماء الرجال) کی بنیاد پر محدثین کی تحقیق کو حرف آخر سمجھنا اور صحابہؓ کے اسوہ کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق اور امام مالک رحمہم اللہ کے درایت و متن کے اُصولوں کو روا نہ کھنا۔(۴)۔اپنے اپنے پسندیدہ گروہ کی اندھادھند پیروی، (۵)۔ نظام بیعت کا غلط استعمال

مطلقاً کسی کی پیروی کی نفی نہیں، بلکہ مذکورہ پانچوں شکلوں میں عقل وبصیرت، دانش اور تعلیمات قرآن کے سائے تلے پیروی کا جواز ہے، نہ کہ اندھادھند۔ان کی وضاحت کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

''قرآن مجید کی حاکمیت''

اندھی و جامد تقلید کی اطاعت میں شراکت کی مذکورہ پانچوں شکلوں میں الا ماشاء اللہ انسانیت اپنے اپنے آبا کی روش پر اندھادھند عمل پیرا ہے، جیسا کہ قرآن نے واضح کیا:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ٥﴾

(سورہ الزخرف:22:43)

''بلکہ وہ کہنے لگے، ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی انہیں کے نقوشِ قدم کی پیروی کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔''

اگر اعتدال سے کام لیا جاتا!

اگر اعتدال سے کام لیتے ہوئے خدا اور رسول ﷺ کی بات کو سب پر ترجیح دیتے ہوئے پیروی کی جاتی تو حرج نہ تھا۔لیکن مذکورہ پانچوں شکلوں میں اکثریت (بالخصوص برصغیر پاک و ہند) کی صورت حال افسوسناک ہے۔لوگ کلامِ الٰہی کی آیات اور سنت رسول ﷺ پر آنے کیلئے آمادہ نہیں۔

اس طرز عمل کو بروز قیامت نہ تو ہمارے اسلاف قبول کریں گے اور نہ ہی اللہ و رسول ﷺ اسے برداشت کریں گے۔اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔(آمین)

<u>اللہ او ر رسول ﷺ کی پیروی اور تقلید:</u> جسطرح دن کا متضاد رات ہے، روشنی کی ضد اندھیرا ہے......اسی طرح اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا و رسول ﷺ کی پیروی کی ضد دیگر مخلوقات کی بلا دلیل تقلید ہے۔رات کا مطلب ہے دن موجود نہیں اور اندھیرے کا مطلب ہے کہ روشنی موجود نہیں۔۔۔اور بلا دلیل تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت موجود نہیں۔بدبو کا الٹ غیر بدبو نہیں بلکہ خوشبو ہوتا ہے،اندھا کا الٹ غیر اندھا کی بجائے بینا اور بے وقو ف کا الٹ غیر بے وقوف کی بجائے عقلمند ہوتا ہے.......اسی طرح مقلد کا الٹ غیر مقلد کی بجائے متبع سنت ہوتا ہے۔یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں بلا دلیل تقلید کا حکم دیا گیا ہے یا کہ خدا اور رسول ﷺ کی پیروی کا؟۔۔۔قرآن وسنت سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ صرف اور صرف اور قرآن وسنت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حکم دیا گیا:

((اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ٥)) (سورۃ الاعراف۔آیت:3)

”تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی،تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔“

اگر ہم بات سمجھنا چاہیں تو مذکورہ آیت کریمہ ہی کافی ہے۔اگر ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے اور فرقہ واریت جڑ سے ختم ہو جائے لیکن ”قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْن“ لوگ تو بہت کم

نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ہر ایک کی بات پر یقین کریں گے سوائے قرآن وسنت کے۔

ائمہ ومحدثین اور سلف صالحین

ہمارے ائمہ ومحدثین اور سلف صالحین: امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ، امام مالک بن انس رحمہ اللہ ، امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ ، امام احمد بن حنبل سمیت دیگر ائمہ کرام رحمہ اللہ...... اور محدثین کرام: امام محمد بن اسماعیل بُخاریؒ، امام مُسلم بن حجاج قشیریؒ، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، امام ابوداوٴد سلمان بن اشعثؒ ، امام احمد بن شعیب نسائیؒ، امام محمد بن یزید ابن ماجہؒ، امام احمد بن حنبلؒ سمیت دیگر محدثین کرام رحمہم اللہ ﷻ کے برگزیدہ بندے تھے۔ یہ لوگ واقعتاً متقی اور سچے متبع رسول تھے۔ صاحب بصیرت اور اہل علم تھے۔ ﷻ ان اسلاف پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے مشکل وقت میں لوگوں کی رہنمائی اور دین کیلئے اپنی زندگیاں کھپائیں۔

لیکن یہ سب غیر معصوم ہیں، نبی نہیں ہیں، خطا سے پاک نہیں، لہٰذا ان سے استفادہ اور پیروی عقل وبصیرت، دانش اور تعلیمات قرآن کے سائے تلے ہونی چاہیے نہ کہ اندھا دھند۔

مسئلہِ تقلید

اب ہم اللہ کی توفیق سے تقلید کے متعلق ضروری معلومات امت مسلمہ کے لیے قلمبند کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال سے آگاہی ہو اور جو اپنی اصلاح کرنا چاہیں انکے لیے بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

نوٹ: تقلید کی پانچ شکلوں میں سے تیسری شکل یعنی ”محدثین کی تحقیق کو محض اسناد (یعنی اسماء الرجال) کی بنیاد پر حرف آخر سمجھنا اور درایت ومتن کے اُصولوں کو خیر باد کہہ دینا“ پر ضروری وضاحت ہم اپنی تحاریر: ”قرآن مجید کی حاکمیت اور امت مسلمہ کا اخلاقی زوال“ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس تحریر میں بالخصوص تقلید ائمہ کرام رحمہم اللہ پر وضاحت دی جائے گی۔

<u>تقلید کا معنی:</u> تقلید کے متعلق گفتگو سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے معنی کو سمجھا جائے چنانچہ: لغت

کی مشہور اور مستند کتب کے مطابق تقلید کا لغوی معنی ''بلا دلیل پیروی کرنا یا آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا ہے'' اور اصطلاحی معنی ''بغیر دلیل ایسے شخص کی پیروی کرنا جو نبی نہ ہو''

تقلید کا جواز: ائمہ دینؒ وہ عظیم راہنما ہیں جنھوں نے شب و روز کی ان تھک محنت سے دین کی فقاہت حاصل کی۔ اصولوں کی بنیاد پر انکی پیروی اور راہنمائی سے استفادہ کرنا چاہیے۔ یہ تقلید اس بنیادی اُصول کے تحت ہونی چاہیے کہ:

((لا طاعته فی معصیه، انما الطاعته فی ا لمعروف)) (صحیح بخاری، کتاب اخبار الاحاد)

''معصیت اور نافرمانی میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف اور صرف معروف (شریعت کے مطابق امور) میں ہوسکتی ہے۔''

اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شرک سمیت دیگر معصیت و نافرمانی سے بچنے کا حل اسکے سوا اور کوئی بھی نہیں کہ تعلیمات وحی کو معیار بناتے ہوئے بات کو پرکھا جائے اور قرآن وسنت کو ترجیح پر رکھا جائے۔ جب بھی معلوم ہو جائے کہ کوئی بات یا عمل قرآن وسنت کے مطابق نہیں اسے دین و شریعت کا حصہ بنانے سے فوراً توبہ کرتے ہوئے تعلیمات وحی کی خوش دلی سے پیروی کر لی جائے۔

لیکن چوتھی صدی ہجری سے لے کر تا حال مسلمانوں کی اکثریت اپنے اپنے علاقوں میں رائج مسالک کی غیر مشروط اندھی اور جامد پیروی پر سختی سے کاربند ہے۔

آنحضور ﷺ کی وفات مبارک کے 400 سال کے بعد تقلید ائمہ (رحمھم اللہ) کا آغاز ہوا جس کی جڑیں وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی گئیں، بالآخر لوگوں نے پانچ آئمہ کرام (1) امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔ 148ھ)، (2) امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔150ھ)،(3) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔179ھ)، (4) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔204ھ)، (5) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔241ھ) میں سے کسی ایک امام کی بے دلیل پیروی کو اپنے اوپر لازم کرتے ہوئے واجب قرار دے دیا جبکہ باقی چار اماموں کی پیروی کو سخت ممنوع قرار دے دیا۔

تقلید کی موجودہ صورت حال

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جس علاقہ میں کسی نے آنکھ کھولی اور جو اس علاقہ میں مسلک رائج تھا اس کے نزدیک وہی صحیح ترین ہے اگر کوئی ایران میں پیدا ہوا تو اس کے نزدیک فقہ جعفری ہی سب سے معتبر ہے۔ جس مسلک میں جو ہے اس سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونے کو تیار نہیں اور ہزاروں قرآن کی آیات اور احادیث بھی اس پر کوئی اثر نہیں کرتیں بلکہ اسے ناگوار گزرتی ہیں۔ اور وہ اپنے مسلک سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ محترم بھائیو تقلید کریں لیکن ایسی اندھی تقلید تو اللّٰہ کو اپنے کلام کے حوالے سے بھی گوارہ نہیں۔ اللّٰہ نے کئی جگہ اس روش سے سختی سے روکا ہے۔ ایک جگہ اللّٰہ نے اپنے محبوب بندوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝﴾ (سورۃ الفرقان۔73)

”اور جب انھیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں نصیحت کے لیے سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔“

یعنی غور و فکر کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں ان کا غلط مفہوم نہیں لیتے۔ یقیناً آپ بات سمجھ چکے ہوں گے۔ انسانیت کی ہلاکت کے لیے ابلیس کے پاس سب سے بڑا اگر کوئی ہتھیار ہے تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اندھی پیروی کرائی جائے۔ اِسی کو استعمال کرتے ہوئے نسل انسانی کی اکثریت کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

<u>یہ اسلاف سے محبت نہیں!</u> اسلاف کی اندھا دھند پیروی کرنے والا اپنے گمان میں تو ان سے محبت کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ محبت نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے اسکا یہ طرز عمل ان اسلاف کے لیے آخرت میں پریشانی کا باعث بن جائے۔ کسی بھی شخص سے حقیقی محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد پر اس سے استفادہ کیا جائے اور اگر کوئی چیز قرآن و سنت کی موافقت میں نہ ہو تو اس سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے۔ یہ وہ معیار ہے جسے امت مسلمہ کے سب سے زیادہ برگزیدہ

لوگوں یعنی صحابہ کرامؓ نے اپنایا جیسا کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ نے اپنے پہلے خطبے میں لوگوں پر دوٹوک انداز میں یہ بات واضح فرمائی کہ:

((اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ، فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعتہ لی علیکم)) (مصنف عبدالرزاق، جلد۔11، صفحہ:336)

''جب تک میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تو تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت کرنا لازم نہیں''

انکے بعد امت میں کون ہے جو ان سے بڑھ کر ہو کہ اسکی بات کو قرآن وسنت پر پرکھنا بے ادبی ہوتا ہو؟۔ حقیقی مومن یا ولی تو وہی ہے جو قرآن وسنت کی بنیاد پر اپنی اصلاح کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہو اور اس میں خوشی محسوس کرے۔ لیکن افسوس کہ ہماری اکثریت اس راستے کو چھوڑ چکی ہے اور اپنے اپنے پسندیدہ اکابرین کی باتوں کو قرآن وسنت پر پرکھنے کو ان کی بے ادبی اور گستاخی خیال کرتے ہیں۔

۞۞۞۞۞

باب ۱۲

تقلید اور علمائے اسلام کی رائے

جیسا کہ واضح کیا جاچکا کہ عقل وبصیرت کی روشنی میں جائز تقلید تو درست ہے، لیکن اندھی و جامد تقلید کی کسی بھی شکل (تقلید ائمہ ومحدثین، فرقے، مسالک، آبا ہرستی) کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ اور سابقہ اہل علم سلف میں سے کوئی بھی اندھی اور جامد تقلید کا حامی نہیں رہا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لئے اندھی اور جامد تقلید کے متعلق علمائے اہلسنت کی رائے پیش خدمت ہے، شائد کہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

ائمہ دین کی اپنی رائے

سب سے پہلے ائمہ دین جن کی جامد تقلید اختیار کی گئی ہے، انکی رائے ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ :

﴿اِذا صح الحدیث فھو مذھبی﴾ (ردالمختار، حاشیہ درمختار، ج:1،ص:68)

''جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔''

''کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول کے مطابق فتویٰ دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس قول کی دلیل کیا ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ، الیواقت الجواہر)

امام مالک رحمہ اللہ :

''میری رائے کو دیکھ لیا کرو جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اسے لے لو جو خلاف ہو اسے ترک کر دو''۔

(ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص:72)

امام شافعی رحمہ اللہ :

((اِذا صح الحدیث قولی فا عملوا بالحدیث واتر کوا قولی))

(آداب الشافعی، ومناقبہ الابن ابی حاتم رازی، ص:93)

"جب میری بات کے مقابلے میں حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو چھوڑ دو۔"

مزید فرمایا: ﴿رسول ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کے قول کا کچھ اعتبار نہیں خواہ اس کے قائلین کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو﴾۔ (حجۃ اللہ البالغہ، الیواقت الجواہر)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ :

﴿لا تقلد نی ولا تقلد مالکا ولا الشافعی ولا الا وزاعی ولا الثوری و خذ من حیث اخذہ﴾ (حجۃ اللہ البالغۃ، ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص:113)

"نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ، نہ شافعیؒ، نہ اوزاعیؒ اور نہ ثوریؒ کی بلکہ جہاں سے انھوں نے دین لیا تم بھی وہاں سے لو۔"

یہ بات ثابت ہوگئی کہ آئمہ کرام رحمہ اللہ نے متفقہ طور پر اپنی اندھی و جامد پیروی سے حکماً سختی سے روک دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی تلقین کی ہے، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے غیر مشروط اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔

دیگر اسلاف کی رائے

اسکے بعد دیگر علمائے اسلام کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: آپؒ نے بڑے سخت الفاظ میں ہماری رہنمائی فرمائی، آپ لکھتے ہیں

"یہ کہنا واجب ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام سے

منسوب ہو جائے، انتساب (منسوب ہونے) پر وہ دوستی رکھے اور دشمنی رکھے تو یہ شخص بدعتی ہے اہل سنت سے خارج ہے چاہے (انتساب) اصول میں ہو یا فروع میں"

(الکنز المدفون والفلک المشحون ص:149)

ملا علی قاری رحمہ اللہ:

"یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو حنفی شافعی یا حنبلی بننے کا مکلّف نہیں ٹھرایا ہے بلکہ انھیں کتاب وسنت کے عمل پر مکلّف ٹھرایا ہے"۔

(شرح عین العلم ص:404/1)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ: آپؒ نے فرمایا:

"اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے، جس (صدی) کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے" (اعلام الموقعین 208/2)

مزید فرمایا:

"**والتقلید لیس بعلم باتفاق اھل العلم**"، ۔"اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں ہے"۔

(اعلام الموقعین ج۔2 ص۔188)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ: آپؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے استاد جو خاتم المحققین والمجتہدین ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے فقہائے مقلدین کے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں نے انہیں کتاب اللہ کی بہت سی ایسی آیات سنائیں جو ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھیں تو انہوں نے نہ صرف ان کو قبول کرنے سے اعراض کیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی"۔

(تفسیر کبیر، سورۃ التوبہ، آیت 31)

تقلید کے حوالے سے امت مسلمہ کی صورت حال بالکل ایسی ہی ہے جیسی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

امام محمد غزالی رحمہ اللہ:

آپ نے آخرت کی سعادت وشقاوت کی بابت دل کی آگاہی کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص زیرک اور سمجھدار ہے اور جسکا باطن تعصب اور تقلید کی آلائش سے پاک ہے وہ یہ راہ پائے گا اور آخرت کا حال اس کے دل میں ثابت و مضبوط ہو جائے گا کہ آخرت کے بارے میں اکثر لوگوں کا ایمان ضعیف اور متزلزل ہے''۔

(کیمیائے سعادت، مترجم، صفحہ۔83، پروگریسو بکس، ۱۹۹۹)

یعنی بات اسکو سمجھ آتی ہے جو تقلید کی بجائے عقل و بصیرت کی راہ اپناتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ: آپؒ لکھتے ہیں:

''فالمقلد ذهل والمقلد جهل و آفة كل شیء من التقليد''

''پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے'' (البنایۃ شرح الھدایہ ج اص 317)

امام طحاوی رحمہ اللہ: آپؒ سے مروی ہے:

''وهل يقلداه عصبی و عبنی'' تقلید تو صرف وہی کرتا ہے جو متعصب اور بے وقوف ہوتا ہے، (لسان المیزان 280/1)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

''اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو (ہمارے زمانے کے) علمائے سوء کو دیکھو، جو دنیا کی طلب اور (اپنے) سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کتاب وسنت کی نصوص (دلائل) سے منہ پھیرتے ہیں اور کسی (اپنے پسندیدہ) عالم کے تعمق، تشدد اور استحصان کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ جو معصوم ہیں (انکے) کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تاویلوں کو گلے لگالیا ہے اسی وجہ سے

یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں"۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ 11-10)

موجودہ دور کے علماء کی رائے

موجودہ دور میں علمائے عرب، علمائے بریلوی حنفی اور علمائے دیوبند حنفی میں سے اختصار کی خاطر ان کے جید علماء میں سے ایک ایک رائے پیش کر دیتے ہیں جنہیں اس معاملے میں حق بات سمجھ آئی ہے:

سعودی عرب کے مفتی عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ: آپ نے فرمایا:

"میں بحمد اللہ متعصب نہیں ہوں لیکن میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرتا ہوں۔ میرے فتووں کی بنیاد قال اللہ وقال الرسول پر ہے، حنابلہ یا دوسروں کی تقلید پر نہیں ہے" (المجلہ رقم: 806، تاریخ 25 صفر ۱۴۱۶ھ)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ (اہلسنت، بریلوی)

بریلوی مکتب فکر کے بہت بڑے سکالر جنہوں نے تبیان القرآن، شرح مسلم کے علاوہ کئی کتب لکھیں۔ آپ نے بڑے زبردست انداز میں حق بات کو یوں واضح کیا:

ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تمام آئمہ شریعت اور علماء طریقت اور مرجع انام اساتذہ اور علماء اپنے تمام اعزاز واکرام کے باوجود بندے اور بشر ہیں نبی نہیں ہیں اور نہ معصوم ہیں، ان کی رائے میں خطا واقع ہو سکتی ہے اور کوئی غیر نبی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ اور عابد وزاہد کیوں نہ ہو اور کیسا ہی مشہور عاشق رسول کیوں نہ ہو۔ کسی عالم یا فقیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی تحریر معصوم ہے اور اس میں خطا واقع نہیں ہو سکتی، شرک فی الرسالت کے مترادف ہے اور اس شخص کو امتی کے مقام سے اٹھا کر نبی کے مقام پر کھڑا کرنے کے قائم مقام ہے، العیاذ باللہ"

(شرح صحیح مسلم، جلد۔۱، صفحہ۔37، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷)

یہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر نجات موقوف ہے،لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اولیاء یا بزرگ حضرات کی ہر بات کو بلا دلیل قرآن وسنت سے بڑھ کر درجہ دیتے ہیں اور انکی کسی بات کو خدا ورسول ﷺ کی تعلیمات پر پرکھنے کو انکی بے ادبی اور گستاخی تصور کرتے ہیں، یہی شرک ہے جس میں ظالم شیطان نے لوگوں کو بری طرح ملوث کیا ہے جسکا رد سعیدی صاحبؒ نے بڑے واضح انداز میں کیا ہے۔

<u>مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب (نامور سکالر: اہلسنت ،دیوبندی):</u>

''کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شك فيه۔۔۔''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید ،مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی۔صفحہ 310)

اور نیز حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطا ومصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کرکے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کرکے یا اس کی تاویل بعید کرکے حدیث کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ اتخذوا احبارهم الآية اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ۔۔۔۔۔۔

(الکلام المفید فی اثبات التقلید ۔مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی۔صفحہ 305)

<u>معروف شیعہ فقیہ شیخ محمد مظفر النجفی</u>

''بلکہ (انسان) پر واجب وضروری ہے کہ وہ فطرت عقلیہ کے مطابق کہ جسکی تائید نصوص قرآنی کرتی ہیں جستجو، تامل، نظر وفکر اور اصول اعتقاد میں تدبر کرے کہ جنہیں اصول دین کا نام دیا گیا ہے کہ جن میں زیادہ اہم توحید، نبوت، امامت اور قیامت ہیں اور جو شخص بھی ان اصولوں کے اعتقاد میں اپنے آباؤ اجداد یا اس قسم کے لوگوں کی

تقلید کرے وہ حق سے دوری اختیار کرنے کا مرتکب ہوا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور اسکا عذر کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔''

(پاکستان کے دینی مسالک ،صفحہ: 267، ناشر البصیرہ، اپریل 2011)

نوٹ: نظریہ امامت کے مابین شیعہ وسنی اہل علم میں شدید اختلاف ہے۔ اہل سنت مذکورہ نظریہ امامت کے قائل نہیں۔ مذکورہ عقیدہ کا اصول دین ہونا باعث تعجب ہے۔

علمائے اُمت کے نزدیک جائز تقلید کا تصور

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''**حجة الله البالغه**'' میں اندھی تقلید کو تحریف دین کے عظیم ترین اسباب میں سے ایک سبب کہا ہے اور لکھا ہے کہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ امام کے قول کی خاطر لوگ صحیح حدیث کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ اُنھوں نے جائز تقلید کو یوں بیان کیا!

''جس تقلید کو علمائے اُمت نے جائز قرار دیا وہ یہ ہے کہ آدمی کسی عالم مجتہد کے قول کا اتباع کرے لیکن ساتھ ہی یہ اس کا مستحکم عقیدہ ہو کہ وہ ایک غیر معصوم انسان ہے اس کا قول غلط بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علماء کا یہ متفق علیہ قول ہے جسے عقائد کی کتابوں میں بھی لکھا گیا ہے کہ ﴿**المجتهد يخطى و يصيب**﴾ یعنی مجتہد کا قول کبھی غلط بھی ہوتا ہے اور کبھی درست'۔ ایسے مقلد کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہے کہ اگر اُس کو امام کے قول کے خلاف کوئی بات مل جائے تو وہ فوراً اُسے ترک کر کے حدیث کا اتباع کرے گا''۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص 418، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

<u>کیا سلف صالحین موجودہ لوگوں کی طرح تقلید کرتے تھے؟</u>

اس حوالے سے حقیقت حال کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں واضح کیا ہے:

''چوتھی صدی ہجری تک یہ کیفیت تھی کہ لوگ بالخصوص کسی ایک مذہب کی تقلید کرنا اور صرف اسی کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے جیسے کہ واقف حال علماء سے مخفی

نہیں۔امر واقع یہ ہے کہ لوگوں کی دو جماعتیں تھیں، علماء اور عوام، عوام کا یہ حال تھا کہ مسائل اجماعیہ میں جن میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں وہ صاحب شرح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اور عمل پر کاربند ہوتے تھے۔ وضو، غسل، نماز اور روزہ وغیرہ کی کیفیت اپنے گھر کے بزرگوں یا اپنے شہر کے کسی عالم سے سیکھا کرتے تھے۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا جس کا حکم شرعی معلوم کرنا چاہتے تو وہ کسی عالم سے پوچھ لیتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، اس عالم کی بابت یہ تفتیش نہیں کرتے تھے کہ وہ کس مذہب کا عالم ہے........ اگر مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں سے کسی ایسے قول کو اختیار کرتے جو ان کے نزدیک زیادہ قابل وثوق واعتماد ہوتا قطع نظر اس کے کہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا مذہب ہو ۔جب ان کو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کے مطابق بھی حکم کی تصریح معلوم نہ ہو سکتی تو وہ مجتہد فی المذہب کے طور پر حکم کی تخریج عمل میں لاتے۔ جن آئمہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر تخریج کرتے ان کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ شافعی ہے یا حنفی۔ چنانچہ اہل حدیث علماء میں سے جس کے اکثر مجتہدات کسی مشہور امام مجتہد کے موافق ہوتے اس کو بعض اوقات اسی امام کی طرف منسوب کیا جاتا، نسائی اور بیہقی کو اسی بنا پر شافعی کہا جاتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 501-500، حصہ اول، مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

اس کے بعد صفحہ 501 کے حاشیہ پر اس بات کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"یہاں اس بات پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ یہ مشہور ہے اور بعض تذاکر حیات میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ شافعی تھے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ منسوب بہ شافعی تھے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کے اصول فقہ وتشریح کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتے تھے ورنہ درحقیقت وہ اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ الغرض یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں اکثر علماء مبتلا ہیں اس لئے اس نقطہ کو اچھی طرح یاد رکھیں ان سطور میں شاہ صاحب نے اسی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔"

ابلیس کے داؤ

ویسے تو ایک حقیقی مسلم کے لیے قرآن وسنت سے جو دلائل پیش کیے گئے کافی ہوں گے لیکن ظالم شیطان نے بھی پختہ عزم کیا ہوا ہے انسانیت کو تباہ کرنے کا اس کے ہزاروں داؤ ہیں۔ یہ ظالم اندھی اور جامد تقلید پر آمادہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے کے لیے یوں وسوسہ اندازی کرتا ہے:

وسوسہ نمبر۱: اتنے جید بزرگان دین کی رائے غلط ہو ہی نہیں سکتی

حل: خطا سے پاک صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہیں اس لیے صرف اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں۔ تمام مکاتب فکر کے اسلاف کو اجتہادی خطائیں لگی ہیں۔ یہاں چونکہ احناف کا مسلک رائج ہے، اسلئے احناف کی چند بنیادی اجتہادی خطاؤں سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''قرآن مجید کی حاکمیت، تحریر نمبر:۲'' بات کی مزید آگاہی کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہنمائی لیتے ہیں جو کہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل لوگ تھے۔ بطور مثال کئی احادیث میں سے، صرف ایک حدیث ملاحظہ کریں:

> ''اسلام کی ابتداء میں حالت جنابت میں سحری کرنا ممنوع تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 30 سال تک اسی پر فتویٰ دیتے رہے۔ مروان بن حاکم کے دور میں ان تک ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پہنچی کہ آپ ﷺ نے حالت جنابت میں سحری اور روزہ رکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی تو انھوں نے فوراً رجوع کر لیا۔''

(صحیح بُخاری '' کتابُ الصوم'' حدیث نمبر 1926، صحیح مسلم'' کتابُ الصیام'' حدیث نمبر 2589)

لمحہ فکریہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث روایت کرنے والے اور بیشتر وقت آپ ﷺ کی صحبت میں گزارنے والے تھے اس کے باوجود اگر اتنی بڑی خبر ان سے پوشیدہ رہ سکتی

ہے تو بعد والے لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جبکہ صحیح احادیث کا اہتمام بھی نہ تھا۔

" غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا جس کی خبر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی تھی اِسی لئے آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 50 سال تک اس کے جواز پر ہی فتویٰ دیتے رہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر آپ رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا۔"

(صحیح بُخاری " کتابُ النکاح" حدیث نمبر 5116 ، صحیح مسلم "کتابُ النکاح" حدیث نمبر 3429)

قارئین گرامی: یہ تو وہ نفوس قدسیہ تھے جو ایک ہی علاقہ میں رہتے تھے اور سب آپ ﷺ کی صحبت میں وقت گزارتے اس کے باوجود بعض اہم معلومات ان تک نہ پہنچ سکیں تو بعد میں آنے والے لوگوں کے متعلق ایسا گمان کیسے کیا جاسکتا ہے۔؟

وسوسہ نمبر۲: <u>اگر ان کی بات غلط نکل آئی تو بزرگی پر حرف آئے گا</u>

حل: غلط فہمی ہونے سے قطعاً بزرگی پر حرف نہیں آتا جب تک انسان کی نیت غلط نہ ہو۔ صرف انبیائے کرام علیہم السلام ایسی غلط فہمیوں سے محفوظ ہیں۔ اگر سلف صالحین کی تعلیمات کو قرآن وسنت پر پرکھنا گستاخی ہے تو کیا اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا اللہ ورسول ﷺ کی گستاخی نہ ہوگا؟ جن کی پیروی کا ہمیں سختی سے حکم دیا گیا۔

وسوسہ نمبر۳: <u>اتنے سارے لوگ جو اندھی تقلید کرتے آئے اور کر رہے ہیں کیا وہ غلط ہیں؟</u>

حل: <u>پہلا حصہ</u>: پیارے بھائیو! اتنے سارے موجودہ لوگ جو اندھی تقلید پر عمل پیرا ہیں وہ بغیر کسی دلیل کے دیکھا دیکھی ایسا کر رہے ہیں۔ ان کے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ ان کے آباؤ اجداد اور بزرگ ایسا کرتے آئے کیا وہ غلط تھے۔ یہ ابلیس کا ایک اور بہت خطرناک وار ہے جس سے وہ لوگوں کو شکار کرتا ہے۔ رب کریم نے اسے اِن الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوۡ

كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴿(سورۃ لقمان، آیت: 21)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اسکی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ بھلا کیا ان کو (اوران کے آباؤاجداد کو) شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تو تب بھی؟''

بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے سچائی کا معیار یہ سمجھ لیا ہے کہ جس گھر میں مَیں پیدا ہوا ہوں اس گھر والوں کا جو دین مذہب ہے وہی درست ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی مرزائی کو کافر سمجھتا ہے اگر خدانخواستہ وہ خود کسی مرزائی کے گھر پیدا ہو گیا ہوتا تو پھر مرزائی مذہب کو درست سمجھتا۔ اسی طرح شیعہ، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث وغیرہ اور یہی اندھی تقلید ہے۔

دوسرا حصہ: اتنے سارے پرانے بزرگ جو اندھی تقلید کرتے آئے کیا وہ غلط تھے؟

حل: محترم بھائیو!

(i) اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس وسوسے کا اپنا وجود بھی محض دھوکے اور اندھی پیروی پر قائم ہے۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ چوتھی صدی ہجری تک اس اندھی تقلید کا نام ونشان نہ تھا جیسا آپ ''**حجة الله البالغه**'' کے حوالے سے دیکھ چکے ہیں۔

(ii) قرآن وسنت تو محفوظ ہے جس کا ذمہ اللہ نے لیا اور اسی کے حوالے ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے کیا اور اس کا پابند کیا اور بروز قیامت اِسی کے متعلق ہم سے سوال ہوگا تو کیا یہ عقل مندی ہے کہ اس چیز کو لازم قرار دے یا جائے جس کے متعلق پوچھا بھی نہیں جائے گا اور اس چیز پر عمل پیرا نہ ہوا جائے جس کا سختی سے پابند کیا گیا ہے۔

(iii) کیا وہ بزرگانِ دین جن کی ہم اندھی پیروی کرتے ہیں وہ اسے قبول کریں گے جب وہ خود ہی سختی سے اس عمل کار دفرما رہے ہیں تو ان کی بات کو ٹھکرا دینا کیا ان سے محبت ہے؟

(iv) چونکہ وحی کا درجہ عقل سے اوپر ہے اس لیے اکثر بزرگانِ دین وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے قرآن وسنت کی تعلیمات سے حقیقت کھلتی ہے خود اپنی باتوں سے رجوع کرتے رہتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنی زندگیوں میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ قابلِ اتباع شخصیت ایک ہی ہے اس لیے صرف ان کا ہمیں پابند کیا گیا اور وہ سید الاولین والاخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ باقی سب سے رہنمائی انہیں کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے ضروری وضاحت

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ یا کسی بھی اور شخصیت کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چیز ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے کہ انکی ہر بات 100% درست ہو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بہت سی کتب لکھی ہیں اور وقت کے ساتھ آپ پر چیزیں کھلتی رہی ہیں۔ چونکہ آپ مخلص انسان تھے اس لے جب بھی صحیح بات کا ادراک ہوتا تو غلط کو ترک کر دیتے اور درست بات اپنا لیتے اسی لیے انکی مختلف کتب میں انکی اپنے رائے میں کچھ ااختلافات نظر آتے ہیں۔ مثلاً بعض جگہ وہ تقلید کے حق میں لکھتے ہیں بعض جگہ اسکا رد کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کتب میں قبروں سے فیض کے جواز میں لکھتے ہیں اور بعض جگہ اسے کافرانہ اور مشرکانہ فعل قرار دیتے ہیں۔ آپؒ نے انصاف کیا ہے اپنی شہرہ آفاق تحریر حجتہ اللہ لبالغہ کی ابتداء میں یہ وضاحت فرمادی ہے کہ مجھ سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کو مرکزی اہمیت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

> ''اور سن لو کہ میں ہر اس چیز سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآن یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماعِ اُمت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہو''

مزید فرمایا: ''اگر مجھ سے ایسی بات سرزد ہوئی ہو تو اُسے بالکل خطا سمجھنا چاہیے جو شخص مجھ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے اللہ کی اُس پر رحمت ہو۔''

اگر ہم سب اس راستے پر عمل پیرا ہو جائیں تو نفرتیں ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری حقیقی اصلاح بھی ہو جائے۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔

یاد رکھیں! نجات کا دارومدار صرف قرآن وسنت پر ہے۔ ہر ایک کو حسب استطاعت عقل و بصیرت سے کام لیتے ہوئے آئمہ وسلف صالحین کے فہم سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کو ہی زندگی کا معیار بنانا ہے۔ اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ آنخضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی اشارۃً اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ کسی معاملے میں اجماع کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے لیکن اس پر پورا اترنا بہت مشکل ہے۔ یعنی ساری امت کے اکابرین و محققین کا متفق ہو جانا اور کسی کا بھی اختلاف نہ ہونا یہ بہت مشکل امر ہے۔ اپنے اپنے مسالک کے تحفظ کیلئے لوگ بات بات پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ انہیں مسائل پر کثیر اختلافِ رائے بھی موجود ہوتا ہے۔

۞۞۞۞۞

باب نمبر۱۳

شرک فی الاطاعت (شبہات)

ابلیس کی انسان دشمنی:

چونکہ ابلیس انسانیت کا ازلی دشمن ہے اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے کے لیے لوگوں کے ذہن میں مختلف قسم کے شبہات پیدا کرتا ہے جن میں سے چند کی حقیقت واضح کی جاتی ہے جو لوگوں کی زبانوں پر عام ہیں۔ عام لوگ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا واسطہ جب مختلف قسم کے شبہات سے پڑتا ہے تو وہ ڈر جاتے ہیں۔ اس بنا پر سادہ لوح مسلمان اطاعت رسول ﷺ سے گریز کرتے ہیں۔

نوٹ: تقلید کی پانچ شکلوں میں سے تیسری شکل یعنی ''محدثین کی تحقیق کو محض اسناد (یعنی اسماء الرجال) کی بنیاد پر حرف آخر سمجھنا اور درایت ومتن کے اُصولوں کو خیر باد کہہ دینا'' پر ضروری وضاحت ہم اپنی تحاریر: ''قرآن مجید کی حاکمیت اور امت مسلمہ کا اخلاقی زوال'' میں بیان کر چکے ہیں۔ اس تحریر میں بالخصوص تقلید ائمہ کرام رحمہم اللہ پر وضاحت دی جائے گی۔ اسلئے اس باب میں تقلید پر شبہات بھی اسی تناظر میں پیش کیے جائیں گے۔

قرآن وسنت اور موجودہ تقلید

اگر قرآن وسنت کو ترجیح اول بناتے ہوئے تقلید کی جائے جیسا کہ خود آئمہ دین رحمہ اللہ نے کیا اور کہا تو خیر ہی خیر ہے۔ زبان سے تو یہی کہا جاتا ہے کہ قرآن سنت سب سے پہلے باقی سب کچھ اسکے بعد لیکن عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ دین کی بجائے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک اور فرقوں کی بالادستی کی خاطر قرآن و

سنت کو اپنے پسندیدہ مسالک کے تابع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر ایسے ہوتا کہ اپنے آپ کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کیا جاتا، آئمہ وسلف کی تشریحات سے مستفید ہوا جاتا، جو بات قرآن و سنت کے زیادہ موافق ہوتی اسے تسلیم کرلیا جاتا اوراسی کے مطابق عام لوگوں کی بھی رہنمائی کی جاتی تو ہمارے باہمی اختلافات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا رب بھی ہم سے راضی ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ لوگ دین کی پاسداری کی بجائے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک کو پانی دے رہے ہیں۔ حالانکہ جب ہم کلمے کا اقرار کرتے ہیں تو اللہ ورسول ﷺ کو سب سے بڑا تسلیم کرتے ہیں۔

<u>تقلید کی تعریف میں مغالطہ :</u> موجودہ دور میں تقلید کی غلط تعریف کی بنا پر عوام اسکا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عامی کسی مفتی سے مسئلہ پوچھتا ہے تو وہ بھی تقلید ہی کرتا ہے، کیا ایسا کرنا غلط ہے؟

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ علمائے متقدمین نے، عامی کا مفتی سے مسئلے پوچھنے، اجماع کی پیروی کرنے اور قاضی کا گواہوں کے قول پر فیصلہ کرنا تقلید میں شمار نہیں کیا دیکھئے (شرح صحیح مسلم۔ ج ۳، ص۔ ۳۲۹، غلام رسول سعیدی صاحب)۔

(۲) عامی جب کسی پر اعتماد کی بنا پر مسئلہ پوچھتا ہے تو اسکے قول کو حرف آخر نہیں سمجھتا، اگر دلیل کے ساتھ اس قول کے خلاف بات معلوم ہو تو اسے قبول کرنے کی گنجائش رہتی ہے اسکے برعکس کسی ایک امام کی موجودہ جس جامد اندھی تقلید پر لوگ عمل پیرا ہیں اسکی نوعیت یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ امام کی بات حرف آخر ہے چاہے اسکے خلاف قرآن وسنت ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) جس طرح آئمہ کرامؒ کی تقلید سے مقلد اپنے آپ کو حنفی، حنبلی، وغیرہ کہتا ہے۔ کسی مفتی کی پیروی بھی اگر اسی طرح کی تقلید ہوتی تو لوگ اپنے ساتھ اپنے اپنے مفتیوں کی نسبتیں لگا لیتے۔

(۴) عامی کا عالم سے مسئلہ پوچھنا لغوی معنوں میں تقلید کہلا سکتا ہے لیکن یہ اصطلاحاً تقلید

(آنکھیں بند کر کے بغیر سوچے سمجھے، بلا دلیل صرف ایک امام کی جامد پیروی) نہیں کیونکہ اس قسم کی تقلید کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا حتیٰ کہ خود آئمہ دین نے بھی سختی سے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب ہم مختلف قسم کے شبہات کی حقیقت واضح کرتے ہیں تا کہ جامد اور اندھی تقلید سے نجات ممکن ہو اور صحیح راستہ کی پیروی نصیب ہو سکے:

(1)۔ بزرگان دین کی پیروی بھی درحقیقت اللہ و رسول ﷺ کی پیروی ہے

آئمہ کرام یا دیگر بزرگان دین کی پیروی بھی درحقیقت اللہ و رسول ﷺ کی پیروی ہی ہے کیونکہ ان لوگوں نے بھی تو اللہ و رسول ﷺ کی ہی پیروی کی ہے۔

ازالہ: یہ بہت مظبوط دھوکہ ہے جسکی لپیٹ میں اکثریت آ چکی ہے۔ بظاہر تو اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات مکمل طور پر غلط بھی نہیں اسکا کچھ حصہ صحیح ہے اور کچھ غلط۔ صحیح اور غلط کے اختلاط سے ہی تو ظالم شیطان رخنہ اندازی کرتا ہے اور اسکے غلط پہلو کے ذریعے انسان کو نافرمانی کے رستے پر گامزن کرتا ہے۔

اس بات کا کون سا پہلو درست اور کون سا باطل ہے سمجھنے کے لیے چند نکات پیش خدمت ہیں۔

(i) درست پہلو وہی ہے جس کی آئمہ دین نے تصریح فرمائی کہ ہماری اندھا دھند پیروی کرنے کی بجائے دلیل یعنی خدا و رسول ﷺ کی تعلیمات کو بنیاد بناتے ہوئے تقلید کی جائے اور جب بھی ہماری بات خدا اور رسول ﷺ کے مطابق نہ ہو اسے فوراً ترک کر کے دلیل کی پیروی کی جائے۔ اگر ہم اس طرح تقلید کریں تو کوئی حرج نہیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔

(ii) اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ ابتدا سے آخر تک پڑھیں، بلا دلیل جامد پیروی کی ذرا بھی گنجائش نہیں نکلتی اس کے برعکس یہی حکم ملتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی پیروی کرو۔

(iii) جس بات کی بھی پیروی کی جا رہی ہے، قرآن و سنت کو معیار بنائے بغیر کیسے معلوم ہو گا کہ

وہ صحیح ہے یا غلط؟

(iv) کیا دنیاوی معاملات میں بھی ہمارا طرز عمل یہی ہوتا ہے؟ اگر آپ انصاف سے فیصلہ کریں تو شیطان کے چنگل سے نجات پا جائیں۔

(iv) جس اندھا دھند تقلید کو ہم نے اپنایا ہے وہ خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خود آئمہ دین کے حکموں کے بھی خلاف ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے اپنے والد سے بہت محبت ہے لیکن جو حکم اسکا والد دے عمل اسکے خلاف کرے، اسکے والد پر کیا گزرے گی؟ اس کا اندازہ اسکے والد کو ہی ہوسکتا ہے۔

(vi) بلا دلیل اندھا دھند جامد تقلید کرنا مطلوبہ شخص کو عملاً نبی کے درجے پر فائز کرنے کے مترادف ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

یہ ظالم شیطان کے باطل دھوکے کی حقیقت تھی جس میں اس نے اس لیے مبتلا کیا تا کہ مرتے دم تک معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں۔

(2)۔ چاروں راہیں حق ہیں

چاروں آئمہ کرام رحمہ اللہ حق پر ہیں، چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں، جس کو بھی اختیار کرلیں بیڑہ پار ہوگا۔

<u>ازالہ:</u> وہ قطعی حقیقت جسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا یعنی دو نقاط کو جوڑنے والی سیدھی لائن یا خط صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اس ایک خط کے علاوہ جتنے خطوط بھی کھینچے جائیں گے وہ ٹیڑھے ہی ہوں گے۔ دین میں وہ راستہ جسے صراط مستقیم کہا گیا ہے وہ بہت سارے نہیں بلکہ صرف اور صرف ایک ہی ہے جسے اللہ کے پیارے رسول ﷺ اور انکے اصحاب نے اختیار کیا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خود رہنمائی فرمائی:

"آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ (یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے)

اور پھر چند خطوط اس کے دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔"

(مسند احمد جلد۔۱ص۔۴۶۵،سندہ صحیح،ابن ماجہ)

پس ہر عقیدہ وعمل کی وہ شکل جو قرآن اور سنت (جو صرف صحیح احادیث سے ماخوذ ہو) سے ملے وہ سیدھی راہ ہے اور وہ ایک ہی ہے۔

جہاں تک معاملہ فروعی اختلافات کا ہے تو ان میں تو جس تحقیق کو کوئی بہتر سمجھے اس پر عمل کر لے۔لیکن ضروری مسائل میں اختلاف کی صورت میں حق بات تک پہنچنا ضروری ہے۔اس حوالے سے بھی آئمہ کرامؒ کے مابین بعض اختلافات موجود ہیں۔ایک کے نزدیک کوئی چیز واجب ہے تو دوسرے کے نزدیک غیر واجب،ایک کے نزدیک کوئی فعل مردود ہے تو دوسرے کے نزدیک جائز و مستحسن........وغیرہ۔ان حضرات تک جو دلائل پہنچے تھے ان کی روشنی میں انہوں نے اخلاص کے ساتھ نتائج اخذ کیے لیکن ساتھ ہی بلا دلیل اپنی اندھا دھند پیروی سے بھی منع کیا۔لہٰذا دلائل کی روشنی میں حق بات کو اختیار کرنا چاہیے خواہ وہ کسی دوسرے فقہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

(3)۔اہل علم بزرگان دین کی خدمات کی ناقدری

اہل علم بزرگان دین نے زندگیاں صرف کر کے دینی مسائل کو سمجھا اور ہماری سہولت کے لیے انھیں زیر تحریر لائے۔انکی تقلید سے منہ پھیرنا دراصل انکی محنت کی ناقدری کرنا ہے۔

<u>ازالہ:</u> پہلی بات یہ ہے کہ ممانعت اہل علم کی تحقیق سے استفادہ کرنے پر نہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے انکی ہر بات کو بلا دلیل عین حق تسلیم کرنے اور کسی ایک پر جامد ہو جانے پر ہے۔اسلئے ہم تو الحمدللہ اہل علم آئمہ دین کے مشکور ہیں،انکی کی دل سے قدر کرتے ہیں اور انکی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے زندگی بھر تکالیف اٹھا کر ہمارے لئے تعلیمات وحی کی دستیابی کا جو انتظام کیا اس سے منہ پھیر کر اندھی و جامد تقلید پر عمل پیرا ہونا کیا تعلیمات

وحی کی ناقدری کے زمرے میں نہیں آئے گا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

(4)۔عامی شخص کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں

ایک عامی شخص کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں وہ قرآن وسنت سے براہ راست رہنمائی کیسے لے سکتا ہے؟

ازالہ: ہاں یہ درست بات ہے کہ عامی کو کسی نہ کسی سے رہنمائی لینی ہی پڑتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔لیکن جامد اور اندھی پیروی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔بہر کیف عامی کی زندگی کا ایک دوسرا قابل غور پہلو بھی ہے۔

ایک عامی شخص کا دنیاوی معاملات میں طرز عمل دینی معاملات کی نسبت بالکل مختلف ہے۔ اگر مخلص اور سچے مسلمان قرآن وسنت کے وارث ہوں تو امید کی جاسکتی ہے کہ صحیح بات عام لوگوں تک پہنچ جائے لیکن فرقہ پرستی کے موجودہ دور یہ بہت مشکل ہے۔کیونکہ لوگوں نے قرآن وسنت کے مطابق اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے اسکی تشریحات اپنے ذہن اور فرقوں کے مطابق کر لی ہیں۔خدا کی پناہ جو حال فرقہ واریت کے عذاب نے اسلام کا کیا ہے۔ہر فرقے کا الگ اسلام ہے۔ ہر علاقے کا عالم اپنے علاقے میں رائج مسلک کو صحیح ترین سمجھتا ہے۔پھر قرآن وسنت کی تعلیمات ہر شخص سے اسکی صلاحیتوں کے مطابق یہ تقاضا کرتی ہیں کہ وہ بنیادی وضروری دین کو خود بھی سمجھے، صرف یہی ایک طریقہ ہے غلط اور صحیح کی پہچان کا۔اگر کسی کو اپنی آخرت کی فکر ہے تو کچھ نہ کچھ کوشش تو ضرور کرنی ہوگی۔

(5)۔قرآن وسنت کی تعلیمات اختلاف کا سبب

بعض لوگ یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو قرآن وسنت کی دعوت اِس لیے بھی نہیں دی جاتی

کیونکہ اِس سے اختلافات جنم لیتے ہیں۔

ازالہ: حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کو بنیاد بنانے سے اختلافات پیدا نہیں ہوتے بلکہ وہ کثیر اختلافات جو پہلے سے موجود ہیں جن کی بنا پر مختلف فرقوں کا وجود قائم ہے قرآن وسنت کی طرف آتے ہی وہ اختلافات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور قرآن فرقوں کا وجود بھی باقی نہیں رہنے دیتا۔اسلئے لوگوں کو یہ بات گوارہ نہیں۔

باقی یہ بات درست ہے کہ علمائے اُمت کی تعلیمات سے رہنمائی لی جائے لیکن بنیاد قرآن وسنت ہو۔تسلی کے لیے ردالمحتار سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

”مزنی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ”الرسالہ“ اُن کے سامنے 80 مرتبہ پڑھی اور ہر مرتبہ امام شافعی اِس میں کسی خطا پر مطلع ہوئے۔ بالآخر امام شافعی نے فرمایا اب چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اِس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اُس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔“ (ردالمحتار، جلد1،ص26)

امام شافعی رحمہ اللہ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ صحیح صرف وہی ہے جو رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اِس کے علاوہ لوگوں کی سمجھ اور استدلال خطا سے پاک نہیں۔ اِسی بات کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اختلاف سے پاک صرف تعلیماتِ وحی ہیں۔

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾

(سورۃ النساء، آیت 82)

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور پاتے اِس میں اختلاف کثیر“۔

یہاں رب کریم نے انسانوں کو ایک نئے انداز سے قرآن مجید پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور یہ بات

واضح فرمائی ہے کہ اُس کی تعلیمات اختلافات سے پاک ہیں۔افسوس تو اس بات پر ہے کہ جس چیز کی اللہ ورسول ﷺ شد و مد سے دعوت دے رہے ہیں، جس کے متعلق ہر انسان سے سوال ہوگا جو سراپا ہدایت ہے، جو فرمان ہے رب اور رسول ﷺ کا، اُس پر عمل پیرا ہونے سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں؟

(6)۔انعام یافتہ لوگوں کے راستے کی پیروی

اللہ نے حکم دیا ہے ﴿وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اسی طرح سورۃ لقمان میں ''اُس کی راہ پر چلو جو میری طرف رجوع لایا'' اسی طرح ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ یوں ہی ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (سورۃ النساء۔آیت:115)

''جو حق واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

اس قسم کی کئی اور آیات کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے کہ جو تقلید نہ کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا اس کی بخشش نہ ہوگی۔

ازالہ: محترم بھائیو! مومنین سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں جو اسلام کے اولین پیرو اور تعلیمات الٰہی کا کامل نمونہ تھے اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی اور گروہ مومنین میں موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔اسی لیے آنحضور ﷺ نے جنتی گروہ کے بارے میں خبر دی۔﴿ما انا علیه و اصحابی﴾ یعنی جو میرے طریقے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔بعض نے اس سے مراد اجماع اُمت لیا ہے یعنی وہ مسئلہ جس پر تمام علماء وفقہاء کا اتفاق ہو۔ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں۔سبیل المومنین وہ راستہ ہے جس پر صحابہ کرامؓ ہوں۔یعنی جس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو اور جس پر تمام مسلمان متفق ہوں لیکن اندھی اور جامد تقلید کا راستہ ہرگز سبیل المومنین نہیں ہے۔کاش آیات کا غلط مفہوم بیان کرنے

سے پہلے سوچ لیا جاتا کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔

ان آیات میں تلقین کی گئی ہے سچے اور انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا راستہ خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت والا ہو اس سے گریز کیا جائے اور جو سچے ہیں ان کے رستے پر چلا جائے۔ سچے اور انعام یافتہ لوگ وہی ہیں جو اپنی اطاعت کی بجائے خدا ورسول ﷺ کی اطاعت خود بھی کریں اور اسی کا حکم دیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ دین نے کیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا﴾

”اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جیسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور یہ بہترین رفیق ہیں۔“

اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہو گی۔ کتنا بڑا انعام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا۔ کاش علماء حضرات اُمت مسلمہ کو حق بتلاتے۔

(7)۔ تقلید کی نوعیت نظریاتی نہیں بلکہ فروعی ہے

تقلید کی نوعیت نظریاتی نہیں بلکہ فروعی ہے جس میں محض افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلتا آ رہا ہے۔

ازالہ: جن مسائل میں افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے ان میں کسی بھی رائے پر عمل کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ وہ مسائل جو فروعی نوعیت کے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کا واضح حکم یا طریقہ نہیں ملتا ان میں بھی کسی کی تقلید کی جا سکتی ہے لیکن حقیقت اس سے ہٹ کر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چند مسائل تو فروعی ہو سکتے ہیں لیکن اکثر مسائل اپنے اپنے مسالک بچانے کے لیے فروعی بنا لیے گئے ہیں۔ لہٰذا سچائی کو تسلیم کرنے کیلئے آمادہ رہنا چاہیے۔

(8)۔ تقلید کرنا اجماعِ اُمت ہے جو نہیں کرے گا اُمت مسلمہ سے خارج ہو گا

ازالہ: دین تقلید کا مخالف نہیں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کی طرح غیر نبی کی پیروی کا مخالف ہے۔ اسلئے دوبارہ سے ذرا آئمہ وسلف صالحین کی عبارات پڑھیں، حجۃ اللہ البالغہ اور دیگر کتب میں اس کی تحقیق پڑھیں اور دیکھیں کہ تقلید کرنا اجماعِ اُمت ہے یا نہ کرنا اجماعِ اُمت ہے۔ جس کام سے اللہ و رسول ﷺ نے روکا تمام آئمہ کرامؒ نے خود بغیر دلیل اپنی پیروی سے روکا پھر تقلید کو واجب قرار کس نے دیا؟ مزید تسلی کے لیے امام ابن حزم رحمہ اللہ متوفی 456ھ کی رائے کا خلاصہ "**حجة الله البالغه**" سے ملاحظہ کریں:

"کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا بغیر دلیل اور برہان کے اتباع کرے۔ جو شخص آئمہ کرام کے تمام اقوال کو صحیح مانتا ہے اُن کے قول کے مقابلے میں کسی دوسرے قول کو قابلِ اخذ و عمل نہیں سمجھتا ایسا شخص اجماعِ اُمت کا مخالف ہے۔ سلف میں سے کسی کو بھی اِس عمل پر نہیں پائے گا۔ بے شک اُس نے وہ راستہ چھوڑ دیا ہے جو مومنوں کا راستہ ہے۔ ایسا ہونے سے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ سب فقہاء و مجتہدین نے لوگوں کو (اندھی) تقلید سے منع کیا ہے اِس لیے جو لوگ (اندھی) تقلید کرتے ہیں وہ آئمہ وفقہا کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جلیل القدر ہستیوں (صحابہ کرام) کی جائز ہوتی۔"

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:506-505، حصہ اول، مترجم: الفیصل ناشران)

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

عبادت بتقلید گمراہی است
خنک راہروے راکہ آگاہی است

(تقلید کے ساتھ عبادت گمراہی ہے۔ مبارک اس مسافر کو کہ جس کو اپنی منزل کا پتا ہے)

(9)۔ قرآن وسنت سے استفادہ صرف مجتہد کر سکتا ہے

آئمہ اربعہ کے بعد تمام لوگ کسی معین امام کی پیروی کرتے رہے یہاں تک کہ برصغیر کی عظیم علمی و عملی

شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی۔

ازالہ: شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے تو آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں باقی تصانیف کے حوالے سے قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے برأت کا اظہار فرمالیا ہے اور تقلید کی جائز صورت یہی وضع فرمائی ہے کہ مقلد ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہے کہ جونہی صحیح حدیث مل جائے فوراً امام کی رائے کو ترک کر دے یا جس امام کی رائے حدیث کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ان کا اپنا عمل بھی یہی رہا۔ اگلی اہم بات یہ ہے کہ اگر قرآن وسنت عام لوگوں کے لیے نہیں تو اللہ ورسول ﷺ نے بلا تخصیص ہر شخص کو قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم کیوں دیا؟ اُمت کو قرآن وسنت کے حوالے کیوں کیا.........؟

مجتہد......؟ یہ سمجھنا بھی ضروری کہ مجتہد کون ہے اور اجتہاد کن مسائل پر کیا جاتا ہے۔

''وہ احکام ومسائل جو براہ راست قرآن وسنت میں واضح طور پر بیان ہو گئے، ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ مسائل جو نئے پیدا ہوں، جنکا براہ راست حکم قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔ قرآن وسنت کے دیگر دلائل کی روشنی میں انکا حل نکالنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام ہر عامی شخص تو نہیں کرسکتا۔ یہ وہی کرے گا جسے دین کا گہرا مطالعہ ہوگا۔ جسقدر مطالعہ اور تقویٰ زیادہ ہوگا اسی قدر بہتر استنباط ہو سکے گا۔''

(10)۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی تلقین

خواب میں بعض لوگوں (کی طرف منسوب کیا جاتا ہے) جیسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کا قرآن وسنت کی بجائے تقلید پر آمادہ کرنا۔ (نعوذ باللہ)

ازالہ: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حوالے سے کچھ چیزیں تو یقیناً آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ چند مزید باتیں ان کی شہرہ آفاق تصنیف ''**حجة الله البالغه**'' حصہ اول کی ابتدا اور آخر سے پیش کی جاتی

ہیں۔

(i) آپؒ نے علمائے وقت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! ﴿تم پچھلے فقہاء کرام کے احسانات اور فروعات میں ڈوب گئے ۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔تم میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی کو نبی ﷺ کی کوئی سچی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا مذہب فلاں مسلک پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ پیش کرتا ہے کہ صاحب! حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ (یعنی اس پر عمل کرنا) تو کاملین اور ماہرین کا کام ہےاور حدیث آئمہ سلف سے چھپی تو نہ رہی ہوگی۔ پھر کوئی تو وجہ ہوگی کہ انہوں نے اسے ترک کردیا۔جان رکھو یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں۔اگر تم اپنے نبی ﷺ پر ایمان لائے ہو تو ان کی اتباع کرو خواہ (ان کی بات) کسی مسلک کے موافق ہو یا مخالف﴾۔(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:49-48،حصہ اول،مترجم: الفیصل ناشران)

یہاں شاہ صاحبؒ نے شدید تنقید کی ہے ان علماء پر جو امام کے قول کو قرآن وسنت پر ترجیح دیتے ہیں اور مختلف حیلوں بہانوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ علماء جو دس دس سال مدارس میں گزارتے ہیں ان سے جب پوچھا جائے کہ قول امام کو کچھ احادیث پر کیوں ترجیح دیتے ہیں تو آگے سے حیلہ پیش کرتے ہیں حدیث کو سمجھنا تو مجتہد کا کام ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنا عرصہ مدارس میں گزارنے کے باوجود بھی اگر قرآن وحدیث سمجھ نہیں آسکتا تو ایسی تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ۔؟

(ii) چوتھی صدی ہجری کے بعد لوگوں کی حالت بیان کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:''من جملہ ان کے ایک نئی بدعت یہ تھی کہ وہ تقلید پر مطمئن ہوگئے۔ چنانچہ تقلید چیونٹی کی طرح ان کے سینوں میں گھس گئی لیکن ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔'' (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:502 ،حصہ اول،مترجم: الفیصل ناشران)

(iii) ایک جگہ اس بات کے بیان کے بعد کہ اہل علم (فقہاء ومحدثین اور مفسرین وغیرہ) میں سے زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں جبکہ حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کا اتباع کرتے ہیں

اپنی رائے یوں بیان کی:

''حق یہ ہے کہ ان دونوں (مذہب شافعی اور حنفی) کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبوی ﷺ کے مجموعوں (یعنی کتب احادیث) پر پیش کر کے دیکھا جائے جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے اور جس کی کچھ اصل نہ ہو اسے ساقط کر دیا جائے۔''

یہ تو تھی شاہ ولی اللہؒ کی رائے۔ان کے بارے میں یہ بات بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے رجوع کرلیا ہے۔خوابوں کے حوالے سے بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا کسی بھی اور صورت میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تیرا نبی ہوں۔اس لیے خوابوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کام کے کرنے کا آپ ﷺ نے سختی سے حکم دیا ہو خواب میں اس کے نہ کرنے کا حکم دیں۔

کچھ عرصہ قبل تقلید اور موجودہ بیعت کی حقیقت مجھے خواب میں یوں دکھائی گئی:

''پیر صاحب کے سامنے مریدوں کو اس بے بسی کی حالت میں دیکھا کہ پورا جسم زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ جگہ جگہ جسم کے گوشت اور ہڈیوں کے اندر سوراخ کر کے آہنی زنجیریں گزاری گئی ہیں۔لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آنکھوں سے مسلسل خون کے آنسو جاری ہیں اور پیر صاحب کی دہشت ان پر چھائی ہوئی ہے''۔

نوٹ:

(i) یہ خواب اگرچہ قرآن وسنت کے مطابق معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود یہ حجت نہیں کیونکہ دلیل قرآن وسنت ہے۔

(ii) اگر پیر حضرات اس بات پر بیعت یا عہد لیں کہ مرید قرآن وسنت کو زندگی کی ترجیح بنائے گا تو پھر درست ہے۔جس طرح آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے اِس میں بنیادی چیز یہ ہوتی ﴿ان لا یشرکن باللہ شیئا﴾ یعنی وہ شرک نہیں کریں گی،(دیکھیے سورہ الممتحنہ) لیکن اس

وقت عام حالات یہ ہیں کہ مرید سالک کے لیے قرآن وسنت سرے سے حجت ہی نہیں رہتے۔

(11)۔ علم فقہ انتہائی مشکل کام

علم فقہ سے مشکل کوئی چیز نہیں اگر آئمہ اربعہ کے بعد کسی کے لیے ممکن ہوتا تو کم از کم محدثین اپنی اپنی فقہ مرتب کرتے۔

ازالہ: محترم بھائیو! فقہ یعنی قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ بوجھ حاصل کرنا اوراس سے مسائل اخذ کرنا ہے۔حقیقت تک رسائی کیلئے گہرے علم اور محنت سے تو انکار نہیں لیکن چند دقیق مسائل کے علاوہ باقی محکم چیزیں آسان ہیں جو قرآن وسنت میں واضح طور پر بیان کردی گئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنّ الدینَ یُسرع)) ''بے شک دین آسان ہے''

(صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:39)

قرآن وسنت ہر شخص سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی عظیم نعمت عقل وشعور کو دین کی سمجھ بوجھ کیلئے استعمال کرے اسے بند کرنے کا کسی کو بھی حکم نہیں دیا گیا،اسی کی بنا پر بروز قیامت اسکا محاسبہ ہو گا۔دین سمجھنے کیلئے آئمہ دین کی محنت سے بھی ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔

(13)۔طبیب کی بجائے قرآن وسنت سے رہنمائی لینے والا پیچیدہ امراض کا شکار

وہ جو ہر مسئلہ کے حل کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی لیتے ہیں ان کی مثال ایسے مریض کی طرح ہے جو بہت سی پیچیدہ بیماریوں کا شکار ہو چکا ہو اور ڈاکٹر کی دوائی کی بجائے طبیب کی کتابیں پڑھنا شروع کردے (معاذ اللہ)۔

ازالہ: اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ائمہ ومجتہدینؒ کے تفقہ فی الدین اور انکے وضع کردہ اُصولوں سے ضرور رہنمائی لینی چاہیے۔لیکن مذکورہ نقطہ نظر کی بنا پر قرآن وسنت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے،سارا دارومدار ائمہ ومجتہدین پر کرلینا کسی صورت روانہیں۔بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل نقات

پر غور فرمائیں:

(i) انسانیت کی ہلاکت کی سب سے بڑی وجہ لوگوں (پیر حضرات، ائمہ ومحدثین وغیرہ) کی اندھی پیروی ہے جو خدا اور رسول ﷺ کے لیے نا قابل برداشت ہے جس کی تفاصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

(ii) قرآن وسنت کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اس لیے اسی کا پابند کیا گیا ہے اور سب کو اسی کے تابع کرنے کا حکم ہے۔ قرآن وسنت سے رہنمائی لینے کو مذکورہ مثال کے ساتھ اطباء پر قیاس کرتے ہوئے پیچیدہ امراض کا شکار قرار دینا افسوسناک ہے۔ جتنے بھی گمراہ فرقے ہیں ان کی بنیادی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے ماننے والے آنکھیں بند کر کے اپنے اپنے اکابرین کی پیروی کرتے ہیں۔ بغیر علم کسی کو کیسے معلوم ہوگا کہ جس بات کی پیروی کی جا رہی ہے وہ درست ہے یا غلط؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بڑے حکیم تھے ان کو تو قرآن وسنت سے تحقیق کیے بغیر پتہ نہ چلتا تھا کہ ان کی رائے غلط ہے یا درست؟

(iii) کیا اللہ کے رسول ﷺ سب سے بڑے حکیم اور طبیب نہیں؟

(iv) آنحضرت ﷺ کے وضاحت فرما دینے کے باوجود بھی اللہ نے ہر ایک کے لیے قرآن مجید پر تدبر وتفکر کو ضروری قرار دیا چنانچہ ارشاد ہوا:

☆ ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَo﴾ (سورۃ النحل۔ آیت:44)

”دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، اور اُتارا ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) تا کہ جو کچھ لوگوں کی جانب اُتارا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کریں شاید کہ وہ تفکر کریں“۔

☆ ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِo﴾

(سورہ ص۔ آیت:29)

"(یہ قرآن) ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں۔"

اِس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کا مقصد ہی تدبر اور نصیحت بیان فرمایا ہے اور حکم دیا ہے ہر ایک کو اِس پر غور وفکر اور نصیحت حاصل کرنے کا۔

☆ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاo﴾ (سورہ محمد۔آیت:24)

"کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں"۔

(v) جب اطباء دوائی کھانے کا طریقہ اور پرہیز بتلائیں کہ:

"کسی شخص پر حرام ہے کہ وہ ہماری بات پر فتویٰ دے جب تک اُسے ہماری بات کی دلیل معلوم نہ ہو۔ کیا حکیم کی خلاف ورزی کرنا عقل مندی ہے۔؟ اسی طرح محدثین کی پیروی بھی محض سند کی بجائے درایت ومتن کو ملحوظ کر کرنے کا حکم ہے۔

(vi) یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ طبیب بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک طبیب کی رائے کو پرکھنے کے لئے کئی دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ کرتے ہیں تا کہ بہتر تشخیص ہو سکے۔ کیا یہ جرم ہے؟

(13)۔ جو آئمہ کی تقلید نہیں کرے گا وہ غیر مقلد ہوگا اور بے دین ہوگا

ازالہ: جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن وسنت میں مخالفت اندھی اور جامد پیروی کی ہے آئمہ دین کی ہم قدر کرتے ہیں ان سے رہنمائی لیتے ہیں لیکن بنیاد قرآن وسنت ہونی چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے کو تو متبع رسول ﷺ کہا گیا ہے اُسے جنت کی نویدیں سنائی گئی ہیں وہ بے دین کیسے ہوگا؟ اصل بے دینی تو عقائد میں بگاڑ سے آتی ہے۔ اس میں تو اکثریت غیر مقلد ہے تو کیا قرآن وسنت کو رہنما بنانے سے لادینیت جنم لیتی ہے؟ اس طرح کیا پہلے 400 سال کے مسلمان معاذ اللہ بے دین تھے..........؟

(12)۔ بروز قیامت امام کا ساتھ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 71 کے مطابق بروزِ قیامت ہر ایک کو اپنے اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا چنانچہ جن کے امام ہیں وہ اُن کے ساتھ ہو جائیں گے اور باقی لوگ دیکھتے رہ جائیں گے۔

ازالہ: اس آیت بارے مختلف اقوال ہیں: ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اعمال نامہ، بعض جیسے عکرمہ کے نزدیک امام سے مراد کتاب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی تفسیر میں دلیل کی بنا پر اپنی رائے یوں بیان فرمائی ہے۔

”مصنف کے نزدیک امام کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہے کہ امام سے مراد اعمال نامہ ہے جس کو ہم نے سنن ترمذی (حدیث نمبر:۳۱۳۶، صحیح ابن حبان نمبر:۷۳۴۹) کے حوالے سے بیان کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تفسیر کے بعد کسی قول کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں“

(تبیان القرآن، ص:763، جلد۔6، فرید بک سٹال، ۲۰۰۵)

(13)۔ آباؤ اجداد کی پیروی کا حکم

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی پیروی کی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا رستہ تقلید کا رستہ ہے۔

ازالہ: اللہ مالک نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ﴾ (سورہ یوسف، آیت:38)

”میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین

کا، ہمیں ہر گز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام کے آباؤ اجداد انبیاء تھے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی کا حکم خود پروردگار نے دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات واضح کی کہ ہمارے آباؤ واجداد شرک سے پاک تھے اس لیے میں بھی اُنہی کے راستے پر عمل پیرا ہوں۔

(14)۔ ترک تقلید فرقہ واریت کا بنیادی سبب

قرآن وسنت کی تشریحات آئمہ دین کر چکے۔ ان تشریحات پر عمل پیرا ہونا اصل کامیابی ہے۔ سب اہل حق تقلید کی شاہراہ پر چلتے رہے۔ یہی سبیل اللہ، سبیل الرسول اور سبیل المومنین ہے۔ تقلید کو ترک کرنا الگ پگڈنڈی نکالنا ہے جو کہ فرقہ واریت کا بنیادی سبب ہے۔

ازالہ: ایک دفعہ پھر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ دین تقلید کے خلاف نہیں بلکہ اندھی اور جامد تقلید کے خلاف ہے۔ اندھی اور جامد تقلید ہی فرقہ واریت کا بنیادی سبب ہے۔ دین اعتدال کا سبق دیتا ہے۔ اہل علم حضرات کو دین میں بہت برتری حاصل ہے اور عامی لوگوں کو دین اپنے ہاتھ لینے کی بجائے اہل علم حضرات سے رہنمائی لینی چاہئے مگر دلیل کی بنیاد پر۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہم سب سے یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ ہم دین سمجھنے کیلئے حسب توفیق خود بھی کوشاں ہوں۔ اب چونکہ مسالک اور فرقوں کو دین پر ترجیح دی گئی ہے اسلئے سچ بات کا عامی تک پہنچنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرقہ واریت کی بنیادی وجہ ہمیشہ سے ہی قرآن وسنت کی بجائے شخصیات کی اندھی پیروی رہی ہے۔ اپنے مسلک اور شخصیات سے محبت جب اللہ و رسول ﷺ کی طرح ہو جاتی ہے تو باقی فرقوں سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو صحیح اور باقیوں کو غلط ثابت کرنے کی خواہش سے قرآن وسنت کی غلط تاویلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان کو ایک ہی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ کسی طرح میرا فرقہ بچ جائے۔ یوں قرآن وسنت کی واضح ہدایت کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس حقیقت کو اللہ پاک نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾

(سورۃ الشوریٰ آیت:14)

''اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے علم آ جانے کے بعد مگر باہمی ضد کی وجہ سے۔''

آنحضور ﷺ نے صراطِ مستقیم کی گارنٹی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے میں بتلائی ہے۔ اگر شخصیات کی بات قرآن وسنت کی بنیاد پر لی جاتی جس کا خود آئمہ دین نے حکم دیا تو آج حالات یہ نہ ہوتے۔ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین کی تشریحات سے استفادہ کیا جائے اور جو احسن رائے ہو اس کی پیروی کی جائے اور ہر معاملے میں قرآن وسنت کو بنیاد بنایا جائے۔ ایسا کرنے سے انشاءاللہ فرقہ واریت کا وجود ختم ہو جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق
فتنہ و جنگ و جدل تقلید سے پیدا نہ کر
اگر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق و شوق
امتی کہلا کے پیغمبر کو تو رسوا نہ کر

<u>ابلیس کی پریشانی:</u> اس وقت ابلیس کے لیے سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ تعلیم عام ہونے اور سوشل میڈیا کی وجہ سے انفرادی طور پر لوگ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ اگر ہم قرآن وسنت کو خود سے سیکھنے کا عہد نہ کرتے تو ناکام ہو جاتے اور ہدایت یافتہ نہ ہو پاتے۔ کیونکہ اکثر لوگوں نے دین کی بجائے مسلک اور فرقہ کی دعوت شروع کر رکھی ہے۔ اپنی صفائیاں بیان کر کے اپنے آپ کو اہلِ حق اور دوسروں کو گمراہ ثابت کیا جاتا ہے۔ یا درکھیں حق صرف اس پر واضح ہو گا جو مسلک اور فرقوں کے تعصب سے بالاتر ہو کر قرآن وسنت کی طرف خود رُخ کرے گا اور دنیا کی طرح دین کو خود سیکھے گا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ نوجوانوں کی

بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ان سے عرض ہے کہ آنحضورﷺ کی وفات مبارک کے وقت قریباً 80 فیصد صحابہ کرامؓ کی عمریں 30 سال سے کم تھیں جیسے،عبداللہ بن عمرؓ 20 سال،انس بن مالکؓ 20 سال اور عبداللہ بن عباسؓ 13 سال عمر تھی۔اسی طرح اصحاب کہف کے بارے میں بھی قرآن مجید میں آتا کہ وہ نوجوان تھے۔حق ہمیشہ نوجوان ہی قبول کرتے ہیں۔زیادہ عمر میں انسان اپنے ذہن کے خلاف بات قبول نہیں کر پاتا۔

<u>آیئے قرآن وسنت کی طرف</u> : گھبرائیں نہیں انشاءاللہ جو بھی قرآن وسنت کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے گا اور جتنا زیادہ وقت دے گا،اسے سیکھے گا،سمجھنے کی سعی کرے گا اتنی ہی زیادہ اس پر نوازشیں ہوں گی۔قرآن ہر ایک کو تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ النحل:44 میں ارشاد ہے:

﴿ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴾

"یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے نازل کردہ (قرآن) کی تشریح وتوضیح کرتے جائیں شاید کہ وہ (اپنی نجات کے متعلق) خود اس میں غوروفکر کریں"۔

یہ بات بھی بعض جگہ لکھی گئی ہے کہ پورا دین سمجھنے کے لیے قرآن اور پوری صحاح ستہ بھی ناکافی ہے۔ محترم ساتھیو جتنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے استعداد وصلاحیت دی ہے اسے قرآن وسنت سمجھنے پر صرف کریں۔اس قسم کے وسوسوں پر ہرگز دھیان نہ دیں کیونکہ اگر آپ قرآن وسنت سے دور رہے تو یقیناً ہدایت سے دور ہو جائیں گے۔امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر سورۃ العصر کے سوا کچھ بھی اور نازل نہ ہوتا تو بھی انسانیت کی ہدایت کے لئے کافی تھا۔

پوری دُنیا میں اِس وقت غیر مسلم قرآن مجید کی آفاقی آیات پر غوروفکر کر کے مسلمان ہو رہے ہیں جبکہ بعض مسلمان قرآن مجید سمجھنے سے دُور ہو رہے ہیں۔جب پوچھا جائے کہ کس مکتبہ فکر سے رہنمائی لی جائے تو جواب ملتا ہے صرف ہمارے مکتبہ فکر سے کیونکہ باقی گمراہ ہیں۔

اندھی اور جامد تقلید کی حقیقت: اندھی تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان ایک طرف آنکھیں بند کر کے غیر نبی کی پیروی کی دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف اللہ ورسول ﷺ سے بڑھ کر اُس سے محبت پر آمادہ کرتا ہے تاکہ لوگوں کی باتوں کو قرآن وسنت سے بڑھ کر درجہ دیا جائے جو رفتہ رفتہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:165)

”اور لوگوں میں سے بعض اَیسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ کے مدمقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور (اُنکے برعکس) جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔“

اللہ نے بہت بڑی حقیقت بیان فرما دی ہے۔ مرید سالک صرف اُسی کو سمجھا جاتا ہے جو شریعت کی بجائے پیر صاحب کی پیروی کرے اور پیر حضرات کی طرف سے سرزد ہونے والے غیر شرعی امور کو بھی عین شریعت تسلیم کرے۔ اِسی بات کو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات میں یوں بیان فرمایا:

”اللہ رحم کرے ہمارے پیروں پر جو اللہ کا رستہ دکھاتے تھے جبکہ آج کے پیر اپنا رستہ دکھاتے ہیں۔“

اللہ ورسول ﷺ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کے احکامات کو سب پر مقدم رکھا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت حال بڑی مختلف تھی ان سب کے نزدیک شریعت ہی مقدم تھی اگر کسی چیز میں شک بھی گزرتا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق نہیں تو اختلاف کر جاتے تھے۔ چاہے دوسری طرف کتنی ہی بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔ اس ضمن میں کئی مثالیں ہیں صرف ایک پیشِ خدمت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حالات کے پیش نظر جب حج تمتع (ایک سفر میں حج اور عمرہ

کا اکٹھا کرنا) پر پابندی لگائی تو آپ کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا۔ چنانچہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب حج تمتع کے بارے میں سوال کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال عبدالله بن عمر ارايت ان كان ابى نهى عنها و صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم اامر ابى يتبع ام امر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لقد صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا حديث حسن صحيح)) (جامع ترمذی ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 824)

''دیکھو اگر میرے والد کسی کام سے منع کریں اور رسول اللہ ﷺ وہی کام کریں تو کیا میرے والد کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ اُس شخص نے کہا آنحضرت ﷺ کے طریقہ کی پیروی کی جائے گی۔ آپؓ نے فرمایا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے۔''

ہمارے حالات اس کے برعکس ہو چکے ہیں۔ <u>حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں سے کہا جائے کہ میں نے فلاں عمل اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے تو لوگ ناراض ہو جاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ یہ کام فلاں امام کی تقلید میں کرتا ہوں تو برداشت کر لیتے ہیں۔</u>

محترم مسلمانو! یہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی بے رخی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم تو فخر ہی اس بات پر کرتے تھے کہ ہم فلاں عمل اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے مخاطب ہو کر یوں فرمایا:

''یقیناً میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الحج'' رقم:1597 ، صحیح مُسلم ''کتاب الحج''، رقم:3070)

یہ تھی آپ کے جانثار ساتھیوں کی آپ ﷺ سے عقیدت و محبت اور ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی عمل کو امام کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا جائے تو لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے یوں بیان فرمایا:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل آئے اس سے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اندھی اور جامد تقلید ہی نسل انسانی کی ہلاکت کا اصل موجب ہے۔ یہ مرض جب بڑھتا ہے تو حلال و حرام سے بھی آگے انسان کو کفر و شرک کی دلدل میں پھینک دیتا ہے اور تقلید کرنے والے اور کروانے والے دونوں اللہ کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس بدترین حالت کو اللہ نے یوں بیان فرمایا:

﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

(سورۃ الاعراف۔ آیت:38)

”اللہ فرمائے گا جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی اُن کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہو گی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب اِس میں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے متعلق کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم کو اِن لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو اِنکو دوزخ کا دوگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم کو خبر نہیں۔“

محترم بھائیو! ہم ہر ایک کا احترام کریں، لوگوں سے محبت کریں، اُن کی عزت کریں لیکن اللہ و

رسول ﷺ سے سب سے بڑھ کر محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللّٰہ ورسول ﷺ کے احکامات کے مقابلے میں کسی کی بات قبول نہ کریں۔

بات تو صرف اتنی تھی!

اللّٰہ جل جلالہ نے حکم دیا:

☆ ﴿اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۞﴾ (سورۃ الاعراف۔آیت:3)

''تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

☆ ﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۞﴾ (سورۃ النساء۔آیت:65)

''تیرے رب کی قسم لوگ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں پھر آپکے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے سربسر تسلیم کرلیں۔''

اتنی سی بات سمجھانے کے لیے اتنا زیادہ لکھنا پڑا شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں یہ بات۔اس مسلمہ حقیقت کو یاد رکھیں کہ اگر کسی نے محنت کی قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اگر اس سے غلط رزلٹ بھی نکل آیا اُسے اس پر اجر ملے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔اس کے برعکس اگر کوئی یوں کہے کہ میں فلاں عمل اس لیے کرتا ہوں کہ فلاں بزرگ نے اسے اختیار کیا تو قرآن وسنت کی رُو سے بہت بڑی خرابی ہے۔یہی چیز رفتہ رفتہ شرک اکبر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

<u>عام لوگوں کے لیے بچت کی راہ:</u>

(i) جس کی بھی پیروی کریں اس بات کے لیے تیار اور کوشاں رہیں کہ قرآن وسنت سے واضح حکم

معلوم ہونے پر اس کے خلاف بات کو ترک کر دیا جائے گا چاہے کسی کی بھی ہو۔

(ii) ایسے قابل اعتماد لوگ جو قرآن وسنت سے دلیل کی بنا پر بات بتلائیں ان سے رہنمائی لیں اور دیر نہ کریں سابقہ کوتاہیوں سے فوراً توبہ کریں اور اپنے آپ کو فوراً قرآن وسنت کے سامنے پیش کر دیں کہ زندگی کی مہلت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔

سچا اُمتی کون؟ وہ جس نے اپنے آپ کو اللہ ورسول ﷺ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور اللہ ورسول ﷺ کی منشاء تلاش کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی سعی میں مصروف عمل رہتا ہے۔ وہ جسے اللہ ورسول ﷺ کی بابت کوئی بات بتلائی جائے تو غور سے سنتا ہے اور سمجھ آ جانے پر اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے چاہے اس کے اپنے ذہن یا مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو وہ دِل میں تنگی محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لا یومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به))

(شرح السنہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر:104، امام نووی نے اسے اربعین میں صحیح کہا)

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اسکی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔''

اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر بہت بڑی خرابی ہے۔

ابلیس کے ہاتھ سوائے اس کے اور کیا ہے؟ محترم مسلمانو! ابلیس کے پاس انسان کو گمراہ کرنے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات سے دور کر دے اور لوگوں کی پیروی آنکھیں بند کر کے کرنے کا حکم دے۔ قرآن وسنت کے علاوہ اور کون سی چیز ہے جس کے ذریعے آپ کو غلط اور صحیح کی پہچان ہو سکے؟ اور یہ پہچان قرآن وسنت کا علم حاصل کیے بغیر کیسے ممکن ہے؟ محترم بھائیو دنیا فانی ہے جتنا وقت لگا کر ہم نے دنیا کو سیکھا ہے اس کا دسواں حصہ ہی کاش ہم دین سمجھنے میں صرف کر دیتے تا کہ ہمیں صحیح اور غلط کا ادراک ہو جاتا۔

جس خوش قسمت کو یہ بات سمجھ آ گئی! کہ نجات کا دارومدار وحی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں

ہے اور جوان کے ساتھ چمٹ گیا جو حکم یہاں سے ملا وہ اس کے قلب و ذہن سے ہم آہنگ تھا یا خلاف اُسے خوش دلی سے قبول کر لیا یقیناً وہ دنیا جہان کی سعادتیں اور خوشیاں سمیٹ گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴾ (سورۃ النساء۔ آیت: 13)

"اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اُسے ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"

<u>دُنیا کی آسان ترین اور مشکل ترین بات:</u> دُنیا کی آسان ترین بات یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی کی جائے اور خدانخواستہ یہ بات سمجھ نہ آئے تو دُنیا کی مشکل ترین بات بھی یہی بن جاتی ہے۔ شیطان جب انسان کو قابو کرتا ہے تو اسکے نزدیک خدا اور رسول ﷺ کی بات کی وہ اہمیت نہیں رہتی جو اپنے اپنے پسندیدہ اکابرین کی باتوں کی اہمیت ہو جاتی ہے۔

خلاصہ : ۔ شرک فی الاطاعت

دنیا میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور پیارے رسول ﷺ کی اتباع کی خبر اذان کی صورت میں ہمارے کان میں پکاری جاتی ہے....... پھر زندگی کے آخری لمحات میں بھی کلمہ شہادت کا اقرار کیا جاتا ہے..... اور قبر میں رکھتے وقت بھی [بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ] دو ہی شہادتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ان یقینی حقائق کے باوجود انسان اپنی زندگی میں ان دو ہستیوں کو دلیل نہیں بناتا، زبان سے ان دو ہستیوں کو سب سے بڑا تسلیم کرنے کے باوجود عملاً دوسرے لوگوں کو خدا اور رسول ﷺ کے مقام پر فائز کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسلئے اللہ و رسول ﷺ ہر بندے سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ بلا دلیل کسی کی بات تسلیم نہ کی جائے۔ حلال و حرام میں بغیر دلیل اندھا دھند کسی کے پیچھے لگنا اسے معبود بنانے کے مترادف ہے۔

آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والا ابلیس کی نظر میں تو غیر مقلد اور بد بخت ہوگا لیکن اللہ کی نظر میں غیر مقلد اور بد بخت نہ ہوگا بلکہ متبع رسول ﷺ کہلائے گا۔ ایسے خوش بخت انسان کی شان وعظمت برو زِ قیامت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ انشاء اللہ اسے اللہ کے رسول ﷺ کا قرب نصیب ہوگا اور جملہ مخلوقات اِس پر رشک کریں گی۔ ائمہ ومحدثین کی تعلیمات سے رہنمائی ضرور لیں لیکن اس بات کے لیے تیار رہیں کہ جونہی اللہ ورسول ﷺ کی بات کسی کے قول کے خلاف ملے گی فوراً رجوع کرلیا جائے گا۔ ایسا کرنے سے انشاء اللہ ابدی سعادتیں میسر آ جائیں گی بصورت دیگر بہت بڑا خسارہ ہے۔ اسلام میں تقلید کی ممانعت نہیں بلکہ اندھی اور جامد تقلید کی سخت ممانعت ہے۔

اللہ جل جلالہ سب مسلمان بھائیوں کی ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائے (آمین)۔

✡✡✡✡✡

باب نمبر ۱۴

متفرق معلومات

دم اور تعویذات کا حکم

دم: وہ دم جو قرآنی آیات پر مشتمل ہو یا جس میں اللہ ﷻ سے دعا یا استغاثہ وغیرہ کیا گیا ہو جائز و مستحسن ہے چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے نظر بد، زہریلے جانور کے کاٹنے اور ڈنگ مارنے، اور پہلو کی پھنسیوں کے علاج میں جھاڑ پھونک کرنے کی اجازت دی ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب السلام)

جبکہ شرکیہ دم زمانہ جاہلیت سے لوگ کرتے آرہے تھے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اعرضوا علی رقاکم، لا بأس بالرقیٰ مالم یکن فیہ شرك))

(صحیح مسلم، کتاب السلام)

''تم لوگ اپنے دم، منتر (پڑھ کر) مجھے سناؤ، اگر ان میں شرک (کا کوئی کلمہ) نہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

تعویذات: اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے استفادہ کرنے سے پہلے چند اہم الفاظ کا مطلب ذہن نشین کر لیجیے!

الرقی: منتر، جھاڑ پھونک یا وہ دم جس میں شرکیہ الفاظ ہوں۔

ودعة: سپی جو پانی سے نکلتی ہے۔

تولہ: یسا منتر جو عورتیں یا مرد محبت پیدا کرنے کے لیے کرواتے ہیں۔

تانت، گنڈا: نظر بد سے محفوظ رہنے کے لیے ہار، پٹا، منکے یا ہڈیاں وغیرہ استعمال کرنا۔

تمیمہ: ابو منصور اور ابن الاثیر کے مطابق تمائم تمیمہ کی جمع ہے، تمیمہ ان دانوں یا موتیوں کو کہتے ہیں جنہیں اہل عرب اپنے بچوں پر لٹکاتے تھے ان کے ذریعہ وہ اپنے گمان میں بچوں کو نظر بد سے بچاتے تھے۔ اسلام نے اسے باطل قرار دیا۔

اب ہم اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کس طرح رہنمائی فرمائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

نمبر ۱: ((من علّق شيئاً و كل اليه)) (مسند احمد، 311/41) وحاکم۔216/4)

''جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من علق تميمة فقد أشرك))

(مسند احمد، 156/4، رقم 17422، مستدرک حاکم، 219/4، سندہ صحیح)

''جس شخص نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔''

نمبر ۳: ((من تعلق تميمة فلا اتم الله له، و من تعلق و دعة، فلا ودع الله له))

(مسند احمد، رقم 17404، مستدرک حاکم 41714)

''جس نے تمیمہ لٹکایا، اللہ اس کا کوئی کام پورا نہ کرے، اور جس نے 'ودعۃ' سیپی لٹکائی، اللہ اسے کبھی آرام نہ دے۔''

نمبر ٤: ''ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ابھی لوگ اپنی خواب گاہوں میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاصد بھیجا کہ اگر کسی اونٹ کی گردن میں کوئی تانت کا پٹا یا یوں فرمایا جو قلادہ (گنڈا) ہو اسے کاٹ دیا جائے''۔

(صحیح بخاری ''کتاب الجهاد'' حدیث نمبر 3005، (صحیح مسلم حدیث نمبر 2115)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کے مطابق لوگ جانوروں کو نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے ان

کے گلوں میں تانتے، قلاوے اور تمیمے وغیرہ باندھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ ان سے مصائب و آلام دور ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کاٹنے کا حکم دیا۔

نمبر ۵: حضرت رویفع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''اے رویفع! شاید تم دیر تک زندہ رہو۔ تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے داڑھی کو گرہ لگائی یا (جانور کے) گلے میں تانت ڈالی یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجا کیا تو بلاشبہ محمد (ﷺ) اس سے بری اور بے زار ہیں''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، مسند احمد: 108/4)

نمبر ٦: **((دخل عبدالله بن مسعود رضی الله عنه علی امراة فرای علیها حرزاً من الحمرة فقطعه قطعا عنیفا ثم قال ان ال عبدالله عن الشرك اغنیاء و قال کان مما حفظنا عن النبی صلی الله علیه وسلم ان الرقی اوالتمائم والتولیة من الشرك))**

(المستدرک للحاکم ''کتاب الطب'' حدیث نمبر 7505 امام ذھبی نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس پر خسرہ سے بچاؤ کا تعویذ دیکھا تو اسے سختی سے کاٹ دیا، پھر فرمایا! '' یقیناً عبداللہ کا خاندان شرک سے مستغنی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جو باتیں ہم نے یاد کی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ بے شک شرکیہ دم گھونگے اور منکے وغیرہ اور محبت کے تعویز شرک ہیں۔''

نمبر ۷: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں تانبے کا چھلہ دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ آدمی نے جواب دیا ریاح (بیماری) کی وجہ سے پہن رکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے نکال دو کیونکہ یہ بیماری کو زیادہ ہی کرے گا اور اگر تم اس حال میں مر گئے کہ یہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہ ہوگے۔ (مسند احمد 445/4: امام حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا)

نمبر ۸: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان قوما یحسبون ابا جاد، و ینظرون فی النجوم ، ولا اری لمن فعل ذلک

من خلاق)) (مصنف عبدالرزاق:26/11،رقم:19805،سندہٗ صحیح)

''یقیناً جولوگ حروف ابجد لکھ کر (لوگوں کی بیماریوں وغیرہ کا) حساب کرتے ہیں اور علم نجوم سیکھتے ہیں، میرے نزدیک ان کا (آخرت میں) کوئی حصہ اور اجر نہیں۔''

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعویزات وغیرہ کے حوالے سے کس قدر محتاط رویہ تھا۔ چونکہ ایسے کام زمانہ جاہلیت سے چلے آ رہے تھے اسلئے آپ ﷺ نے سختی سے ان امور سے منع فرمادیا۔

جواز: تعویذات لٹکانے کے جواز میں ابوداؤ۔ کتاب الطب اور جامع ترمذی میں ایک روایت موجود ہے جس کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سمجھدار لڑکوں کو دُعا (اعوذ بکلمات اللہ التامۃ......الخ) سکھاتے اور جو سمجھ نہیں سکتے تھے ان کے گلے میں ڈال دیتے''۔

اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں موجود محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

چند حقائق: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی مذکورہ روایت کے ضمن میں چند حقائق ملاحظہ کریں:

(i) آنحضور ﷺ سے کسی بھی قسم کا تعویز لٹکانا ثابت نہیں۔ چونکہ تعویز وغیرہ لٹکانے پر آپ ﷺ نے وعید فرمائی ہے۔ اس لیے جب تک سند کے اعتبار سے صحیح درجہ کی حدیث متابعت میں نہ ملے تعویذات پہننے کا جواز پکڑنا درست نہیں۔

(ii) اس کی سند میں موجود محمد بن اسحاقؒ گو ثقہ وصدوق ہے لیکن تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدلّس کی ''عن'' والی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک صحیح روایت سے اس کی تصدیق نہ ہوجائے۔

(iii) اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس روایت سے استدلال کرنا چاہے تو وہ بچے جو بول نہ سکتے ہوں ان کے لیے جواز نکلتا ہے جبکہ جو سمجھدار ہیں وہ دعائیں خود پڑھیں۔

اِس روایت کے علاوہ مصنف ابن شیبہ میں تابعین جیسے سید بن مصیب رحمہ اللہ اور عطا رحمہ اللہ کے اقوال

ملتے ہیں جن سے تعویذ کا جواز ملتا ہے لیکن تابعی کی رائے اگر صحابہ کرامؓ کی موافقت میں نہ آ رہی ہو تو حجت نہیں ہوتی۔ اِس کے علاوہ کچھ بعد کے لوگوں سے بھی قرآنی تعویذات کا جواز ملتا ہے۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور آئمۂ دین کا تعویزات پہننے کے حوالے سے بہت ہی محتاط رویہ ہے۔

چنانچہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد) فرماتے ہیں:

((کانوا یکرھون التمائم کلھا من القرآن و غیر القرآن)) (تیسیر العزیز، الحمید، ص:174)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام قسم کے تعویذوں مکروہ قرار دیتے تھے، خواہ وہ قرآنی آیات سے ہوں یا قرآن پاک کے علاوہ کسی اور چیز سے ہوں۔''

محترم ساتھیو! جو حقیقت تھی آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا جانوروں کی گردنوں سے پٹے وغیرہ کٹوانا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنے اہل وعیال کو اس سے پاک کرنا اور آپ ﷺ کا حکم عام جاری فرمانا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ محتاط رویہ اپنایا جائے۔ اس کے برعکس شفا کی غرض سے گھونگے، منکے، سپیاں اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک قرار دیا گیا ہے (واللہ اعلم)

شرعی دم وغیرہ اگرچہ جائز ہے اس کے باوجود بھی آپ ﷺ نے بغیر حساب کتاب جنت میں جانے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''میری اُمت سے ستر ہزار افراد بلا حساب جنت میں جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑ کرتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے تھے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الرقاق'' رقم:6541 ، صحیح مسلم ''کتاب الایمان'' رقم:522)

خلاصہ: دم وتعویذات

قرآن مجید کا بنیادی مقصد اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔ یہ بالخصوص روحانی امراض یعنی دل کے روگ اور غلط عقائد کے لیے شفاء ہے جیسے اللہ نے فرمایا:﴿وشفاء لما فی الصدور﴾۔ بہرکیف جسمانی امراض کی شفاء کے لیے مسنون طریقہ دم ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہر قسم کے تعویز خواہ وہ قرآنی ہوں یا غیر قرآنی لوگوں کو ان سے منع کرتے تھے۔ یہی صحیح اور بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویز لٹکانے کی عام ممانعت فرمائی ہے۔ قرآن اور غیر قرآن کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک میں تخصیص فرما کر غیر شرکیہ دم کو جائز قرار دیا ہے لیکن تعویذ کے سلسلہ میں ایسی تخصیص نہیں فرمائی۔ بہرکف قرآنی تعویذات کو شرک قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ ایسا کام ہے جو بعد کے لوگوں نے شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی خیر خواہ اور مشفق نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا اور علاج کے نسخے بیان فرمائے ہیں جو طب نبوی پر مشتمل کتب میں موجود ہیں لیکن ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی کوئی تعویذ کا نقشہ نہیں ملتا۔ افسوس کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نے ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے قرآن مجید کو تعویذی نقشے میں تبدیل کر ڈالا ہے اور ہر صورت کا الگ الگ تعویذ بنا دیا ہے۔ آج کل اکثر تعویذ شرکیہ کلمات، طلائم، الٹی سیدھی لکیریں، غیر مبہم کلمات وحروف، جن وشیاطین اور فرشتوں کی پکار پر مشتمل ہیں۔ یوں قرآنی تعویذات کی آڑ میں شرک کا چور دروازہ کھل چکا ہے۔ اسی لیے اسلام نے جب کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو اس کے اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ویسے بھی قرآنی تعویذ کو پاکی ناپاکی کی حالت میں لٹکائے رکھنا اور اسے پہن کر بیت الخلا میں داخل ہونا بے حرمتی کا سبب ہے۔

محترم ساتھیو! شکوک وشبہات والے طریقے نہ اپنائیں۔ امراض کی شفاء جائز وناجائز ہر طریقہ سے ممکن ہے۔ یہ زندگی چندروزہ ہے۔ صبر کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ہمیشہ مسنون طریقوں سے

استفادہ کریں۔شرک کی سنگینی کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ تعویذات کی بجائے مسنون طریقہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت یادم وغیرہ سے استفادہ کیا جائے۔

تعویذ اور دم کو حق کا معیار بنانا: بعض سادہ لوح بھائی قرآن وسنت کی بجائے اگر کسی کے دم یا تعویذ وغیرہ سے آرام آجائے تو اتنی سی بات کو حق کی دلیل بنا لیتے ہیں۔سب مکاتبِ فکر کو دیکھنے کے بعد جو بات مشاہدہ میں آئی ہے وہ یوں ہے کہ بریلوی، دیوبندی اور اہلِ تشیع مسلک کے اکثر لوگ دم اور تعویذ وغیرہ کرتے ہیں جن سے لوگ شفایاب ہوتے ہیں۔ اہلحدیث حضرات میں بھی بعض لوگ دم وغیرہ کرتے ہیں، ہمارے اسلام آباد میں دو تین لوگ بہت مشہور ہیں جن سے بہت زیادہ لوگوں کو شفا ملتی ہے۔اِس کے علاوہ غیر شرعی طریقوں سے بھی شفا ملتی ہے جس کی تفصیل باب: ۷ میں بیان کی گئی ہے۔بعض بے نمازی حضرات کے بارے معلوم ہوا ہے کہ وہ گائے بھینس وغیرہ جو دودھ نہ دے اسکے لئے آٹے پر دم کرتے ہیں جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اگر ان چیزوں کو دلیل بنایا جائے تو پھر سب فرقے بشمول نمازی وغیر نمازی حق پر ہوں گے۔یہ چیزیں ہرگز حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔دیکھنا یہ ہوگا کہ کسی کے اعمال وعقائد قرآن وسنت پر ہیں یا نہیں۔؟یاد رکھیں حتمی دلیل قرآن وسنت کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

عبادت کو حق کا معیار بنانا: لوگوں کی عبادت کو بھی حق پر ہونے کا معیار بنایا جاتا ہے۔اول تو ہم لوگوں کے لیے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالی انہیں شرک سے بچائے اور اُن کی عبادات قبول فرمائے لیکن اِس چیز کو کسی مکتبہ فکر کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔اس لیے کہ ہر مکتبہ فکر کے بعض لوگ بہت عبادت گزار ہوتے ہیں۔اہل سنت کے علاوہ شیعہ مذہب میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں بلکہ قادیانی معاملات،عبادات اور اعمال میں بہت بہتر ہوتے ہیں۔اگر یہ دلیل ہے تو پھر یہ سب کے لیے ہونی چاہیے اس ضمن میں آنحضور ﷺ نے واضح رہنمائی فرمائی ہے۔خوارجیوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

((قوم تحرقون صلاتکم مع صلاتھم یقرؤون القرآن لا یجاوز حلوقھم او حناجرھم)) (صحیح بخاری، کتاب المحاربین)

''ایسی قوم ہوگی کہ تم اپنی نماز کو اُن کی نماز کے سامنے حقیر جانو گے اور قرآن کی تلاوت بھی کریں گے۔ مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر جانور میں سے پار نکل جاتا ہے۔ (اس میں کچھ نہیں لگا رہتا)۔''

بلکہ وہ لوگ جنہوں نے نواسہ رسول سمیت انکا پورا خاندان کربلا میں بے دردی سے شہید کیا وہ بھی نماز روزہ کے پابند مسلمان ہی تھے۔ یزید جسکے دور حکومت میں یہ سب کچھ ہوا وہ بھی پکا نمازی تھا، اسی طرح مروان بن حکم بھی۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ خالی عبادات بھی حق کی دلیل نہیں جب تک سارے ضروری دین پر عمل پیرا نہ ہوا جائے۔ اور جب تک عقائد درست نہ ہوں اعمال قابلِ قبول نہیں کیونکہ خوارج کلمہ گو بھی تھے، عبادت گزار اتنے تھے کہ صحابہ کرامؓ اپنی نمازوں کو اُن کے سامنے حقیر خیال کرتے تھے۔ اِس کے باوجود ان پر سخت وعید ہے، جس کی بنیادی وجہ قرآن مجید کی غلط تاویلات تھیں۔ اِسی طرح شرک کے ارتکاب پر تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں فرمادیا:

﴿وَ لَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡھُمۡ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ٥﴾

''اگر بالفرض محال یہ (میرے محبوب پیغمبر بھی) شرک کرتے تو میں ان کے اعمال بھی برباد کردیتا۔''

اِس لیے اعمال فائدہ مند نہیں جب تک عقائد درست نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ ہمارے بھائیوں کے افعال وعقائد قرآن وسنت کے مطابق کردے۔ (آمین)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے مثال

بعض لوگ جہالت کی بنا پر اللہ ﷻ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں کہ جس طرح گورنر تک پہنچنے کے

لیے پہلے چپڑاسی، پھر کلرک......وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی اللہ تک جانے کے لیے۔
یقیناً اللہ کے بندے اللہ تک رسائی کا ذریعہ ہیں لیکن ایسی مثال کا مطلب اللہ کو بندوں پر قیاس کرنا ہے جو کہ گستاخی ہے۔ دنیا میں اگر گورنر خود آپ سے ملنا چاہے تو کیا آپ چپڑاسی کی طرف جائیں گے۔؟ اللہ نے اپنے لیے مثالوں سے منع فرمایا:

﴿فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سورۃ النحل، آیت:74)

”پس اللہ کے لیے مثالیں نہ بناؤ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

دنیا میں کسی شخص کے خلاف چار گواہ عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے دیں تو عدالت اس شخص کو مجرم قرار دے گی چاہے اس نے جرم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں چار شخص یا ساری کائنات کے لوگ کسی کے متعلق جھوٹی گواہی دیں تو کیا اللہ بھی اس شخص کو سزا دے گا اگرچہ اس نے جرم نہ کیا ہو؟ یقیناً آپکا جواب نفی میں ہوگا۔ معلوم ہوا اللہ کے لئے ایسی مثالیں پیش نہیں کی جا سکتیں۔

واجب الوجود اور مستقل بالذات وغیرہ کے حوالے سے اہم حقیقت

لوگوں میں شرک کے حوالے سے بہت سے اشکالات پیدا ہو چکے ہیں جیسے: اللہ کو ذات اور صفات میں یکتا، واجب الوجود اور مستقل بالذات وغیرہ تسلیم کر لینے سے انسان کا دامن شرک سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے فکر کی ضرورت نہیں۔

محترم بھائیو! اگر آپ اس کتاب کو پڑھ چکے ہیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ جو عقائد و افعال شرک میں داخل ہیں ان کو اللہ کے سوا کسی اور کی طرف مستقل بالذات یا غیر مستقل بالذات سمجھ کر منسوب کیا جائے تب بھی شرک کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ چند دلائل ملاحظہ کریں:

نمبر ۱ : سورہ توبہ آیت 31 کے مطابق بغیر دلیل کے حلال و حرام میں علماء و مشائخ کی پیروی کرنا انھیں رب کے درجے پر فائز کرنا قرار دیا گیا حالانکہ علماء مشائخ کو مستقل بالذات سمجھ کر ایسا نہیں کیا جاتا تھا۔

نمبر ۲: ان الفاظ کی ادائیگی پر ''جو اللّٰہ چاہے اور رسول ﷺ چاہے'' آپ نے فرمایا! ﴿جعلتنی لِلّٰہ مدا﴾۔ ''تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا'' حالانکہ کہنے والے نے آپ کو واجب الوجود نہیں سمجھا تھا۔

نمبر ۳: مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر قرآن مجید کی کئی آیات گواہ ہیں اور دوران طواف جب تلبیہ پڑھتے تو صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کرتے کہ یہ مستقل بالذات نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی صفات ذاتی ہیں بلکہ اللّٰہ کی طرف سے عطائی ہیں۔ دوران طواف یوں کہتے:

((قالو لبیك اللهم لبیك لبیك لا شریك لك اِلا شریکا هولك تملکه وما ملك)) (صحیح مسلم ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 2815)

''کہتے اے اللّٰہ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں''۔

نمبر ٤: سورۃ جاثیہ۔ آیت 23 کے مطابق خواہش نفس کی پیروی اس طرح کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پس پشت ڈال دیئے جائیں ایسا کرنا نفس کو خدا بنانا قرار دیا گیا حالانکہ اپنے آپ کو کوئی بھی واجب الوجود نہیں سمجھتا۔

نمبر ٥: ابوداؤد کتاب الایمان اور ترمذی کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((من حلف بغیر الله فقد اشرك))** ''جس نے اللّٰہ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا ﴿شرک خفی﴾'' حالانکہ قسم کھانے والا غیر اللہ کو واجب الوجود سمجھ کر قسم نہیں کھاتا۔

نمبر ٦: آنحضور ﷺ جب حدیبیہ میں تشریف لے گئے تو ایک رات بارش ہوگئی صبح کو آپ نے نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں کچھ نے ایمان لاتے ہوئے اور کچھ نے کفر اختیار کرتے ہوئے آج صبح کی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل و رحمت سے یہ بارش دی گئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور ستاروں کے تصرف کا انکاری ہو گیا اور جس نے یوں کہا کہ ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب سے بارش دی گئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لے آیا۔“

(بخاری: کتاب الاستسقاء نمبر 1038، مسلم کتاب الایمان نمبر 67)

جن لوگوں نے بھی یہ کہا انھوں نے ستاروں کو بالذات تسلیم نہ کیا اور نہ ہی یوں کہا کہ ستارے نے ہم پر بارش برسائی بلکہ محض بارش برسانے کا سبب قرار دیا جس پر کفر کا اطلاق کیا گیا کیونکہ کفار و مشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ بارش برسانے والا صرف اللہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ (سورۃ العنکبوت:63)

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا (بارش برسائی ہے) ہے، جس کے ذریعہ وہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے“۔

بات بالکل واضح ہو گئی کہ جو عقائد و افعال کفریہ یا شرکیہ ہیں محض مستقل بالذات، حادث و قدیم وغیرہ کا فرق کر لینے کے باوجود بھی شرکیہ / کفریہ ہی رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے اللہ کے اذن سے انہیں ذریعہ یا سبب سمجھنے سے شرک نہیں ہوتا کیونکہ ان پر دلیل موجود ہے۔ مگر جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ فلاں مزار پر یا بزرگ کے نام دودھ نہ چڑھایا تو بھینسوں کا دودھ خشک یا کم ہو جاتا ہے یا ان سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ کی وعید کا ان پر 100 فیصد اطلاق ہوتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ شرکیہ افعال شرکیہ ہی رہیں گے چاہے حقیقی معنی مراد لیے جائیں یا

مجازی۔ ہاں جن چیزوں میں اشتراک معنی کی اجازت دی گئی ہے ان کے لیے یہ قاعدہ درست ہے لیکن اس کا جواز عمومی طور پر ہر چیز کیلئے نہیں نکل سکتا۔ مثلاً کیا ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ فلاں اللہ کی عطاء سے الٰہ (معبود) کے درجے پر فائز ہے...............؟

ویسے بھی شرک کے خطرہ کے پیش نظر شک والی چیزوں سے بھی دور رہنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

اندھا دھند پیروی کا نتیجہ

چند روز پہلے ایک نامور مذہبی سکالر کی تقریر سننے کا موقع ملا جو بہت بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اولیاء کرام کی شان کے بارے آنحضور ﷺ کی حدیث سے یہ بات ثابت کررہے تھے کہ بروز قیامت 70 ہزار اولیائے کرام بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے اور ہر ولی ستر ہزار کو جنت میں لے کر جائے گا۔ آگے اولیاء ہوں گے پیچھے مریدین ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے قطار در قطار جنت میں جائیں گے اور یوں پیر مریدوں کو بخشوائیں گے۔

مذکورہ بیان کے حوالے سے صحیح مسلم۔ کتاب الایمان میں حدیث نمبر 520 سے 528 تک 9 روایات موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ بلا حساب کتاب جنت میں جانے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے اپنی امت کے ستّر ہزار افراد کے بغیر حساب کتاب جنت میں جانے کی خوشخبری دی تو صحابہ کرامؓ کے درمیان ان لوگوں کے بارے میں گفتگو ہوئی چنانچہ:

"بعض نے کہا شاید وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے۔ بعض نے کہا نہیں شاید وہ لوگ ہیں جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ بعض نے کہا کچھ اور اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: ﴿ھم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یتطیرون و علی ربھم یتوکلون﴾۔ "یہ وہ لوگ ہیں جو نہ منتر کرتے ہیں نہ منتر رکھتے ہیں، نہ منتر کراتے ہیں، نہ بدشگون لیتے ہیں اور (صرف) اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں"۔

"یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: آپ اللہ سے دُعا کیجیے کہ وہ

مجھ کوان لوگوں میں سے کر دے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان لوگوں میں سے ہے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: دُعا کیجیے اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کرے۔آپ نے فرمایا: عکاشہ رضی اللہ عنہ تجھ پر سبقت لے گیا''۔

(مسلم، کتاب الایمان حدیث نمبر 527، بخاری۔3410)

محترم ساتھیو! اُمید ہے آپ بات سمجھ چکے ہوں گے۔جن لوگوں کو یہ اعزاز واکرام ملنے والا ہے وہ تو جائز کام یعنی منتر (دم) نہ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اپنے رب پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ان 70 ہزار میں سے ہر ایک کی یہ خصوصیت ہوگی۔جس صحابی نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد دعا کرائی جب انھیں یہ مقام نہ مل سکا تو باقی مریدین کی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔حقیقت یہ ہے کہ علماء حضرات بھی گروہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں۔لوگ بھی دین سے لاتعلق ہو چکے ہیں، دنیا میں اپنے حصے کا کام خود سیکھتے ہیں اور خود کرتے ہیں جبکہ دین علماء کے حوالے کر کے آنکھیں بند کر کے انکی اندھا دھند پیروی کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث جس کے غلط مفہوم سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ رزق کی تقسیم کے لحاظ سے مخلوقات کو رازق کہنے میں حرج نہیں۔حالانکہ پوری حدیث پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث رزق کے متعلق نہیں علم کے متعلق ہے، چنانچہ:

سیدنا معاویہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین، وانما انا قاسم والله یعطی﴾ ۔''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے، میں تو صرف (علم) تقسیم کرنے والا جبکہ اللہ عطا کرتا ہے'' (بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر 71، مسلم، حدیث نمبر-2389)

فتنوں کے مقام کی نشاندہی

اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ فرما چکے ہیں تو یہ بات آپ پر آشکار ہو چکی ہوگی کہ اکثر چیزوں کی

حقیقت عام طور پر لوگوں کے افعال وعقائد کے برعکس ہوتی ہے۔ مذکورہ حوالے سے بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔

آنحضور ﷺ کی احادیث کی بنیاد پر علماء عرب کو نجدی کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بات آپ ﷺ پر جھوٹ افتراء ہے اسلئے حقیقت حال آپ پر واضح کی جارہی کہ آنحضور ﷺ نے کن لوگوں کے لئے نجدی ہونے کے حوالے سے بددعا کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے مقام کی نشاندہی کس طرح فرمائی ہے چند احادیث ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن میں برکت کے لیے دُعا فرمائی، صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے نجد کے لیے دُعا فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿هناک الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان﴾

(صحیح بخاری: کتاب الفتن، حدیث نمبر: 7094)

''وہیں تو زلزلے آئیں گے فتنے پیدا ہوں گے وہیں سے شیطان کی چوٹی نمودار ہوگی''۔

نمبر ۲: ((عن ابن عمر رضی الله عنهما انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مستقبل المشرق يقول: ((الا ان الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان)) (بخاری: کتاب الفتن، نمبر: 7093)

''ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (جس وقت) آپ مشرق کی طرف چہرہ (مبارک) کیے ہوئے تھے فرمایا فتنہ اِدھر سے نمودار ہوگا ادھر (یعنی مشرق) سے جہاں سے شیطان کی چوٹی نکلے گی''۔

نمبر ۳: ﴿حدثنا يسير بن عمرو قال: قلت لسهل بن حنيف هل سمعت النبی صلى الله عليه وسلم يقول فی الخوارج شيئا؟ قال: سمعته يقول <u>واهوى بيده قبل العراق:</u> ((يخرج منه قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون

من الاسلام مروق السهم من الرمیه))﴾

(صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، حدیث نمبر:6934)

''یسیر ابن عمرو نے کہا میں نے سہل بن حنیفؓ (بدری صحابی) سے پوچھا تم نے آنحضرت ﷺ سے خارجیوں کے باب میں کچھ سنا ہے۔انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔آپ ﷺ نے ہاتھ سے عراق کی طرف اشارہ کیا فرماتے تھے اس ملک سے کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن ان کی ہنسلیوں کے نیچے نہیں اُترے گا یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور کے پار نکل جاتا ہے''۔

نمبر ٤: عن سالم بن عبد الله بن عمر یقول یا اهل العراق ما اسالکم عن الصغیرۃ وارکبکم للکبیرۃ سمعت ابی عبد الله بن عمر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول ((ان لفتنة تجیء من ها هنا و اوما بیده نحو المشرق من حیث یطلع قرنا الشیطان)). (صحیح مسلم، کتاب الفتن: حدیث نمبر: 7297)

((سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے اے عراق والو! میں تم سے چھوٹے گناہ نہیں پوچھتا نہ اس کو پوچھتا ہوں کہ کبیرہ گناہ کرتے ہو۔میں نے سنا اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے وہ کہتے تھے میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے تھے فتنہ ادھر سے آوے گا اور اشارہ کیا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے پورب کی طرف جہاں شیطان کے دونوں قرن نکلتے ہیں))

یوں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ قرن الشیطان جہاں سے نمودار ہوگا وہ نجد عراق ہے''۔

نمبر ٥: ایک موقعہ پر نبی کریم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے:

((فغضبت قریش فقالوا یعطی صنادید نجد و یدعنا))

”تو قریش ناراض ہو کر کہنے لگے آپ ﷺ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیا“۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اُن کو اس لیے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے۔ پھر ایک شخص آیا جس کی داڑھی گھنی، گال اُبھرے ہوئے، آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں، ماتھا اُونچا اور سر مونڈھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا: ﴿اتق اللہ یا محمد﴾ اے محمد ﷺ اللہ سے ڈرو ﴿نعوذ اللہ﴾۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اُس کی اطاعت کرے گا؟ اُس نے مجھے امین بنایا ہے اور تُو مجھے امین نہیں مانتا۔ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ لوگوں کا خیال ہے وہ خالد بن ولیدؓ تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نسل میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن کریم پڑھے گی مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ مسلمانوں سے قتال کریں گے اور بُت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان کو پالیتا تو قومِ عاد کی طرح قتل کر دیتا۔
(صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، نمبر:6933)

احادیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آنحضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بے ادبی کرنے والے شخص کی خصوصیات یہ تھیں:

1۔ آنحضور ﷺ کے طریقہ تقسیم پر اعتراض کیا۔

2۔ اُس شخص کی اولاد قرآن پڑھے گی مگر حلق سے نیچے نہ اُترے گا یعنی قرآن کو سمجھنے اور اِس پر عمل پیرا ہونے سے محرومی۔

3۔ اِس کی نسل مسلمانوں کو قتل کرے گی لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دے گی یعنی شرک کرنے والوں کا ساتھ دے گی۔

اِس کے پیروکاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا یعنی یہ خوارج تھے۔

”جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِس کے قتل کا علم ہوا تو آپ نے نعرہ تکبیر بلند

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا‘‘ (مسلم، ابوداؤد)

اُمید ہے کہ آپ پر حقیقت بالکل واضح ہو چکی ہوگی کہ آنحضور ﷺ کے فرامین کے مطابق فتنے مشرق سے نکلیں گے اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں عراق کے الفاظ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ تمام جمہور علماء و محدثین کی رائے کے مطابق فتنوں کا مقام مشرق میں بالخصوص عراق ہے۔ جغرافیہ کی قدیم و مستند کتاب معجم البلدان اور لغت عرب کی مشہور کتاب تاج العروس میں نجد کی کل بارہ اقسام بیان کی گئی ہیں یعنی: نجد خال، نجد الشری، نجد برق، نجد عضر، نجد الحجاز، نجد الیمن.......... نجد العراق وغیرہ۔ یوں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ’’قرن الشیطان جہاں سے نمودار ہوگا وہ نجد عراق ہے‘‘۔

نجد عراق میں رونما ہونے والے فتنوں کی لمبی تفصیل ہے۔ اِن میں سے چند ایک یہ ہیں:

کوفہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت 61 ہجری، خوارج کے فتنوں کا ظہور 38 ہجری، بصرہ سے قدریہ اور معتزلہ کا ظہور، کوفہ سے سبائی فتنہ پیدا ہوا 35 ہجری، جنگ جمل اور جنگ صفین اِسی سرزمین پر ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں شہید کیا گیا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں دُنیا کی عظیم اسلامی سلطنت کی تباہی عراق میں ہوئی۔ ایران اور عراق کے مابین لمبے عرصے تک جنگ ہوتی رہی وغیرہ۔

محترم مسلمانو! افسوس کی بات ہے کہ ابلیس نے باہمی منافرت پھیلانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اِس غلط انداز میں تاویلیں کرائیں اور مسلمان بے سوچے سمجھے اِس کے پیچھے لگ گئے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین)۔

اہل تشیع حضرات کے متعلق ضروری وضاحت

اہل تشیع اور اہل سنت کے مابین بنیادی اختلافات درج ذیل باتوں میں ہے۔

(ا) مسئلہ امامت (اہل تشیع کے نزدیک بارہ اماموں کا معصوم ہونا)

(۲) دائمی نکاح کے ساتھ ساتھ متعہ کو جائز تسلیم کرنا

(۳) اہل تشیع کا موقف ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا جسکا خود جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنی حیات مبارک میں اعلان فرمایا لیکن وہ انہیں نہ مل سکا۔

(۴) رسوم عبادات میں فروعی اختلافات اور ماتم وغیرہ۔

(۵) بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں غصہ و ناراضگی کا اظہار

جہاں تک شیعہ کتب کا تعلق ہے ان میں ''شیعت کا مقدمہ'' تو بہت مہذب انداز میں لکھی گئی ہے جبکہ دیگر کتب میں بہت سختی پائی جاتی ہے۔ الحمداللہ شیعہ حضرات بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور توحید و رسالت سب سے بڑی دولت ہے۔جس طرح اہلسنت میں بعض لوگ اپنی اصل تعلیمات سے واقفیت نہ ہونے کی بنا پر شرکیہ افعال وعقائد میں ملوث نظر آتے ہیں اسی طرح شیعہ حضرات میں بھی ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جیسے اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا یعنی ان سے دعا کرنا، غیر اللہ کی نذر و نیاز، اندھی و جامد تقلید، حد سے تجاوز وغیرہ۔ان بنیادی مسائل کو''شیعت کے مقدمے''میں بھی زیر تحریر نہیں لایا گیا۔ہم نے بنیادی شرکیہ غلاظتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

(۱) قرآن مجید کی بنیاد پر (۲) سنت رسول ﷺ اور سلف صالحین اہل علم حضرات کی بنیاد پر۔

الحمداللہ شیعہ حضرات بھی اسی قرآن کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں جسے اہل سنت حضرات سوائے چند شیعہ علماء کے جو قرآن مجید میں تحریف کے کسی حد تک قائل ہیں۔اس لیے وہ تمام حضرات جو قرآن مجید کو اللہ کی آخری سچی کتاب تسلیم کرتے ہیں وہ ہماری کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے جو چیزیں قرآن مجید کی بنیاد پر پیش کی گئی ہیں ان سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔اس حوالے سے اگر ہمیں کسی معاملے میں غلطی پر پائیں تو ضرور ہماری رہنمائی کریں۔

اہل تشیع حضرات سے ہماری اہم گزارش!

اہل تشیع حضرات کا اختلاف ایک ہی بنیادی نقطے کی طرف مرکوز نظر آتا ہے کہ آنحضور ﷺ

کے بعد اہل بیت سے ناانصافی ہوئی جیسے: خلافت کے معاملے میں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین لڑائی جھگڑے اور دیگر معاملات میں۔

یہ حقیقت ہے کہ آل رسول کے ساتھ ناانصافی ہوئی اور بالخصوص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوا جس نے اہل اسلام کو دکھی کیا۔لیکن ہم یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ سارا وقت انہیں معاملات کی سپرد نہیں کر دینا چاہئے۔ ہمارا رب ہر ایک کو اسکے عمل کی سزا ضرور دے گا۔

اس حوالے سے قرآن مجید ہماری بڑے حکیمانہ انداز میں رہنمائی فرماتا ہے۔ چنانچہ جب لوگوں میں اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی بابت بعد میں آنے والے لوگوں میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (سورۃ البقرہ، آیت: 141)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمھارے لیے ہے اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا''

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اپنے اولوالعزم پیغمبروں کے متعلق دوٹوک الفاظ میں تنبیہ فرما دی ہے کہ وہ گزر چکے جو اعمال انہوں نے کیے ہیں وہ ان کے لیے ہیں اور جو تم کرو گے وہ تمھارے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے اور یہ فرما کر کہ ''جو انہوں نے کیا اسکے متعلق بعد والے لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا'' پس جو کام کرنے والا ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم نے اپنی آخرت کے لیے کیا کرنا ہے یعنی قرآن وسنت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا ہے۔

اس حوالے سے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ان اختلافات کے وقت ہم وہاں موجود نہیں تھے کہ ہمیں انکا سو فیصد صحیح ادراک ہو سکے۔ جو کچھ بھی ہوا ہو گا اسکا فیصلہ بروز قیامت ہمارا رب فرما دے گا۔ سابقہ واقعات کے کھوج میں زندگی کا بیشتر وقت لگا دینا نقصان ہے۔ باقی رہا حضرت امام حسین

رضی اللہ عنہ کی شہادت کا معاملہ تو وہ لوگ یقیناً ظالم ہیں جنہوں نے ایسا کیا کیونکہ آپؓ کا مقصد دین کی سر بلندی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں جنہوں نے اسلام بچایا اور عظیم قربانی کے ذریعے اسلام کی اصل روح کی سلامتی کا سبب بنے۔

ہم یہ نہیں کہتے انکا تذکرہ ہی نہیں ہونا چاہئے لیکن دین میں نسبت تناسب (Ratio Proportion) کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ واقعہ کربلا سے جو پیغام ملتا ہے یعنی ''دین کی سر بلندی کیلئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا اور غلط حکام کی بیعت کی بجائے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دینا'' اس پر غور ضرور کرنا چاہئے لیکن زندگی کا بیشتر وقت انہیں واقعات کی سپرد کرتے ہوئے باہمی خانہ جنگی کا شکار ہو جانا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری صحیح سمت میں رہنمائی فرمائے۔ (آمین)

قبر سے جسم کا سلامت نکلنا

یہ دیکھنے کے لئے ہم حق پر عمل پیرا ہیں یا نہیں ہمیں اسی چیز کو معیار بنانا چاہیئے تھا جسے بنیاد بنانے کا حکم دیا گیا ہے یعنی تعلیمات وحی کو۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ بعض ہمارے بھائی قرآن وسنت کو پیمانہ بنانے کی بجائے فوت شدہ لوگوں کے اجسام قبر میں سلامت ہونے کو دلیل بنایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں چند اہم باتیں پیش خدمت ہیں۔

چونکہ ہمیں تمام مکاتبِ فکر کے ساتھ وقت گزارنے کا موقعہ ملا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے واقعات سب میں موجود ہیں لیکن بعض انھیں عوام میں زیادہ بیان کرتے ہیں بعض کم۔ دعوتِ اسلامی میں بھی ایسے بہت سے واقعات بیان ہوتے ہیں اور کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح تبلیغی جماعت میں بھی ایسے غیر معمولی واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ اہل حدیث مکتب فکر میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔ چونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حدیث میں ایسے واقعات ظاہر نہیں ہوتے اسلئے اہلِ حدیث کے دو واقعات جن کی ہمیں باوثوق ذرائع سے تصدیق ہو سکی پیشِ خدمت ہیں۔

1۔ ابو عمر وٹو شہید جو بہاولنگر لاری اڈہ کے قریب قبرستان میں 2001ء میں دفن کر دیئے گئے۔

2006ء کی بارشوں میں ان کی قبر بیٹھ گئی جس کی بنا پر ان کی قبر کھودی گئی ان کا کفن بالکل سفید تھا، چہرہ اور جسم بالکل تر و تازہ تھا، جیسے ابھی دفنایا گیا ہو۔

2۔ بوسنیا اور سربیہ کی حالیہ جنگ کے دوران عرب مجاہد فہد القحطانی سربوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور لاش سربوں کے قبضہ میں آ گئی۔ ریڈ کراس کی مدد سے لاشوں کا تبادلہ ہوا۔ سربوں کی لاشیں جن کو قتل ہوئے ایک یا دو دن ہو گئے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ انتہائی مکروہ قسم کی بدبو اُٹھ رہی تھی جبکہ فہد القحطانی کی لاش اڑھائی ماہ گزرنے کے باوجود بغیر سرد خانے میں رکھے بالکل صحیح سلامت تھی جونہی تابوت کو کھولا گیا: چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور سیاہ ڈاڑھی باوقار لگ رہی تھی اور جسم میں مہک بھی تھی۔

(بوسنیا کے عرب شہداء: مولانا امیر حمزہ)

<u>چند قابلِ غور باتیں</u>

- عوام چونکہ دین کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو دین کے ساتھ مخلص ہوں اور شرک اور گستاخانہ عقائد سے بچ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام ان کا جسم سلامت کر دیا ہو۔
- یہ استدراج بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ابلیس اگر انسانی صورت میں محفلوں/اجتماعات میں آ کر جھوٹی احادیث سنا سکتا ہے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔
- ہوسکتا ہے فوت ہونے سے پہلے توبہ نصیب ہوگئی ہو۔
- اکثر واقعات بے بنیاد ہوتے ہیں۔ صرف سنی سنائی باتیں بیان کی جا رہی ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں: اگر حق پر ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر سب حق پر ہیں۔ قرآن وسنت میں کہیں بھی ان چیزوں کو دلیل بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ صرف اور صرف قرآن وسنت کا پابند کیا گیا ہے۔ سوائے قرآن وسنت کے بروز قیامت کسی اور چیز کو بطور دلیل کوئی اللہ کے سامنے پیش نہ کر سکے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے خود بھی قرآن وسنت پر عمل کیا، آپ کے جانثار ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد

تابعین، تبع تابعین، آئمہ ومجتہدین سمیت کسی نے بھی اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کے لیے ایسی چیزوں کو بطور سند پیش نہیں کیا۔اس لیے ان شبہات پر ہرگز دین کی بنیاد نہ رکھیں کیونکہ یہ زندگی بڑی قیمتی ہے۔اسے قرآن وسنت کے تابع رہ کرگزاریں جو قطعی علم ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

نہ جنت کی ضرورت نہ دوزخ کا ڈر

یہ بات اب اکثر لوگوں سے سننے کو ملتی ہے کہ ہمیں جنت سے کیا غرض اور دوزخ کا کیا ڈر۔اگر اللہ کی رضا دوزخ میں پھینکنے میں ہے تو وہ دوزخ میں پھینک دے۔یہ بات بڑھتے بڑھتے بہت خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔محترم ساتھیو! اللہ کی رضا کا پیش نظر ہونا بہت بڑی سعادت اور اصل کامیابی ہے لیکن افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے یقیناً وہی جو اللہ و رسول ﷺ کی طرف سے رہنمائی ملے۔ہمیں اپنی مرضی کرنے سے پہلے ان کی بات پر ضرور غور کرنا چاہیے جن کا ہم نے کلمہ پڑھا ہے۔قرآن وسنت سے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں اپنے خاص بندوں یعنی جو محسنین ہیں، جنھیں رب نے ''عبادالرحمٰن'' کے لقب سے نوازا ہے: ان کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝﴾ (سورۃ الفرقان: آیت 65-64)

''اور وہ جن کی راتیں گزرتی ہیں اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کی حالت میں اور وہ جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب دور ہی رکھیو، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔''

ان کا دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دوزخ کا خوف رکھتے ہیں۔ یاد رہے یہ مقام اللہ کے خاص بندوں کی صفات کے بیان کا نقطہ عروج ہے۔کیا اب بھی شک کی گنجائش باقی ہے؟

نمبر ۲: اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کی صفت یوں بیان کی:

﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo﴾ (سورہ السجدہ، آیت:16)

''ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

مفسرین کے نزدیک اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عتاب وغضب، مواخذہ وعذاب سے ڈرنا اور نعمتوں کے حصول کی امید کے ساتھ اللہ سے دُعا کرنا ہے۔ یہ صفت بھی اللہ کے خاص بندوں کی ہے۔

نمبر۳: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنه﴾

(سورۃ التوبہ۔آیت:111)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جانوں کے بدلے میں جنت کا سودا کیا ہے یعنی دنیا میں وہ جنت کے بدلے میں اپنی جانیں دیں گے۔

نمبر٤: اللہ جل جلالہ نے اہل ایمان کو حکم دیا:

﴿سَابِقُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِه﴾ (سورۃ الحدید۔آیت:21)

''(اے اہل ایمان!) دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے، تیار کی گئی ہے ان کے لئے جو اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

کیا سب سے سچی کتاب 'قرآن مجید' سے وضاحت کے بعد کسی مسلمان کیلئے شک کی گنجائش رہ سکتی ہے.....؟

<u>آنحضور ﷺ سے رہنمائی</u>

نمبر۱: رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے بارے میں فرمایا:

((اسأل اللہ الجنۃ واعوذ بہ من النار)) (ابوداؤد، رقم: 792، ابن ماجہ)

''میں اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے اسکی پناہ چاہتا ہوں''

اگر ہم بات تسلیم کرنا چاہیں تو آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان مبارک کے بعد ہمارے خودساختہ نظریات کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔

نمبر۲: مقام بدر پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کی مانند ہے۔ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: بہت خوب، بہت خوب! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ بات بہت خوب، بہت خوب، کہنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! صرف اس امید نے کہ میں بھی جنتیوں میں سے ہو جاؤں، آپ نے فرمایا: تم جنتیوں میں سے ہو۔'' (مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر: 4915)

نمبر۳: ایک آدمی (صحابی رسول رضی اللہ عنہ) کو آپ ﷺ نے یوں دُعا کرتے ہوئے سُنا: ''اے اللہ میں تجھ سے اتمام نعمت کا سوال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے پوچھا! کونسی چیز اتمام نعمت ہے؟ اس نے عرض کیا دُعا جس کے ذریعے میں خیر کی اُمید کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: اتمام نعمت تو جنت میں داخلہ اور جہنم سے خلاصی ہے (یعنی ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کی تلقین فرمائی) اِسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دُعا کرتے ہوئے سنا: ''اے اللہ میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اللہ سے مصیبت مانگی ہے اس سے عافیت کا سوال کرو''۔

(جامع ترمذی: کتاب الدعوات، رقم: 3527)

نمبر۴: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ حالت سفر میں سحری کے وقت دُعا کرتے:

''ہم جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''۔ (مسلم، کتاب الذکر و دعا، نمبر: 6900)

نمبر۵: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ''نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں پہنچادے اور جہنم سے الگ کردے......''۔

(ترمذی: کتاب الایمان نمبر 2616، ابن ماجہ: نمبر 3973، مسند احمد 231/5)

نمبر٦: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جنت کے عوض کنواں خرید کر مسلمانوں کو دیا۔

ہم ان چند دلائل پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں اس کثرت سے ہیں کہ ان پر الگ سے ایک کتاب درکار ہے۔

افسوس کہ ان ٹھوس دلائل پر تو ہمیں یقین نہیں آتا لیکن دیگر شخصیات چونکہ اس کے برعکس تصور دے چکی ہیں جس پر ہمیں پختہ یقین ہے۔ کیا یہ مسلمانی ہے؟

پیارے مسلمان بھائیو! آپ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی ہوگی کہ اللہ نے اپنے خاص بندوں کی صفت یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور جنت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس لیے اسی کا حکم دیا۔ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار ساتھیوں کا یہی طریق رہا اور آپ سے پوچھ پوچھ کر اعمال اور دُعائیں کرتے رہے جن کی بنا پر دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ہو۔ یقیناً صحابہ کرامؓ بعد میں آنے والے سب لوگوں سے افضل بھی ہیں۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ اپنے نظریات کے تحفظ کے لیے ضعیف روایات اور واقعات کی بنا پر غلط تاویلیں کی جائیں لیکن یاد رکھیں ایک دن سب نے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یہ تو سوچیں کہ محشر کے بعد وہ کون سی جگہ ہے جہاں اللہ کا دیدار ہوا کرے گا؟ جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کا پڑوس ملے گا؟ ظاہر بات ہے وہ جنت ہی ہے تو پھر ایسی جگہ کی خواہش کیوں نہ ہوگی۔ اپنے اعمال اللہ کی رضا کے لیے کریں ساتھ اللہ سے عافیت، آگ سے نجات اور ابدی راحتوں یعنی جنت میں داخلے کی دعا بھی کریں کیونکہ یہی طریقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

محترم بھائیو کاش ہم سوچیں!

اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑی:

(1)۔ اللہ نے بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا کہ قرآن سمجھنے کے حوالے سے بہت آسان ہے۔ لوگوں نے کہا بہت مشکل ہے۔ہم بھی لوگوں کے پیچھے لگ گئے اور ان کی بات پر یقین کر لیا۔

(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت پر رہنے کے لیے امت کو قرآن وسنت کے حوالے کیا الا ماشاء اللہ ہم نے اس کے الٹ پر عمل کیا۔

(3)۔ اللہ نے سختی کے ساتھ متشابہات کی تاویلوں سے منع فرمایا اس کے باوجود ہم نے دین کی بنیاد متشابہات پر رکھی۔

(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے سختی کے ساتھ موضوع احادیث سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اسکے باوجود ہم نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

(5)۔ غائب سے پکارنے کو دعا/ عبادت قرار دیا، لیکن پھر بھی ہم اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو پکارتے رہے۔

(6)۔ قبروں کو پکا کرنا، ایک بالشت سے اونچا کرنا، ان پر عمارت بنانا، ان پر چراغ جلانا وغیرہ سے سختی سے منع فرمایا اس کے باوجود یہ سارے کام ہم نے جائز قرار دے دیے۔

(7)۔ اللہ نے اپنی اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، آئمہ ومجتہدین نے بغیر دلیل اپنی پیروی سے سختی سے منع فرمایا اس کے باوجود ہم نے اس کا لحاظ نہ رکھا۔

(8)۔ جن جن شرکیہ افعال سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ان سب چیزوں کو لوگوں نے مختلف تاویلوں سے جائز قرار دے دیا اور ہمیں بھی لوگوں کی بات پر یقین آ گیا۔

تو پھر قصوروار تو ہم ہی ہوئے۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔(آمین)

گھبرایئے نہیں! اگر آپ کو حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے اور ندامت و شرمندگی کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو پھر پریشان نہ ہوں آپ کا ربّ فرماتا ہے:

﴿قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝﴾ (سورۃ الزمر۔آیت:53)

''اے نبی ! فرمادیجیے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا، بے شک اللہ تو معاف فرمادیتا ہے تمام گناہوں کو، بیشک وہ بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اُس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی جنگل یا بیابان میں اپنا اونٹ جس پر اُس کا ساز و سامان بھی لدا ہو گم ہونے کے بعد اپنی موت کا انتظار شروع کر دے کہ اچانک اُس گمشدہ اونٹ کو ساز و سامان سمیت دوبارہ پا لے۔''(صحیح مُسلم '' کتابُ التوبۃ'' حدیث نمبر 6955)

اگر احساس ہو گیا ہے تو دیر نہ کیجیے، زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اللہ کی بارگاہ میں سچے دِل سے توبہ کر لیں۔ وہ تو ایسا کریم ہے جو فرماتا ہے! ﴿یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ﴾ یعنی وہ بدل دیتا ہے گناہوں کو نیکیوں سے۔ بخشش کا یہ دروازہ موت تک کھلا ہے۔ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔ اللہ سب مسلمانوں کو معاف فرمائے۔(آمین)

<u>شرک کی آلودگیوں سے بچنے والا خوش نصیب:</u> یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ:

جونہی انسان جملہ اقسامِ شرک سے اپنا دامن صاف کر لیتا ہے اللہ ی رحمتیں اس پر سایہ فگن ہو جاتی ہیں، خوشیاں اور بہاریں اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں،

ذہنی سکون نصیب ہو جاتا ہے، فضائیں بھی معطر محسوس ہوتی ہیں، مال و دولت پاس نہ ہونے کے باوجود بھی خوش و خرم رہتا ہے۔ اللہ ہم سب کو توحید کی لذت سے آشنا فرمائے جو مومن کا اصل خزانہ ہے، جس پر نجات موقوف ہے، جو بنیادی حق ہے بندوں پر اللہ کا، جس کی محنت تمام انبیائے کرام نے کی اور نبی آخر الزمان ﷺ کے طریقے پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

✡✡✡✡✡

باب ۱۵

شرک کے ارتکاب کی وجوہات اوراسکی حقیقت

انسان کے من میں ایک منعم حقیقی کی محبت اور اس کی حمد وشکر کا جذبہ سب سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر راہ حق کی پہچان رکھ کر نیکی اور بدی کی تمیز کا شعور دے کر خوف وطمع اور نفسانی خواہشات کے بہت سے عقبات (گھاٹیاں، رکاوٹیں) ڈال کر دنیا میں بھیج دیا ہے تا کہ اس کے اختیار وآزادی کا امتحان کیا جائے اور ہر انسان اپنی صلاحیتیوں اور ہمت کے اعتبار سے اللہ کے ہاں مقام عزت حاصل کر سکے۔ یہی عقبات طالب صادق اور طالب خواہش کے مابین امتیاز کی کسوٹی ہیں۔ جو اہل ہمت اور مخلص ہوتے ہیں وہ ثابت قدم رہتے ہیں، وہ نہ تو خطرات کی پروا کرتے ہیں اور نہ ہی نفسانی خواہشات اور لالچ کی طرف ملتفت ہوتے ہیں۔ اسکے برعکس جو پست ہمت اور ادنی الفطرت ہوتے ہیں وہ دوران آزمائش کسی نہ کسی عقبہ کے سامنے ہمت ہار جاتے ہیں اور دنیاوی اغراض و مقاصد اور نفسانی خواہشات راہ ہدایت میں حائل ہو جاتی ہیں۔ یہی پست ہمتی اور ادنی الفطرت شرک کے ارتکاب کا بنیادی سبب بنتی ہیں۔

شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ پر نازل کردہ آخری ہدائت یعنی قرآن مجید میں نسل انسانی کے آغاز سے انجام تک، ہر ادوار میں رو پذیر ہونے والی شیطانی چالوں کو بے نقاب کیا ہے۔ قرآن مجید سے شرک پر مائل کرنے والے بنیادی شیطانی حجاب کو بے نقاب کیا جار ہا تا کہ اس

غلیظ نجاست سے بچنے والوں کیلئے رہنمائی کا سبب بن سکے:

اللہ تعالیٰ نے مشرک لوگوں کے شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ کو یوں بے نقاب کیا:

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنصَرُوْنَ ﴾ (سورہ یٰس:74)

''اور بنا لیے ہیں اِنہوں نے اللہ کے سوا کئی معبود، اس امید پر کہ اِن کی مدد کی جائے گی۔''

کائنات میں سارے شرک کے دھندوں کی یہی بنیادی وجہ ہے:

''مدد کی امید، یعنی: فوائد کا حصول اور مشکلات، مصائب و آلام سے نجات''

انسان جلد باز اور لالچی ہے، اسے فائدہ بہت عزیز ہے، اغراض و مقاصد: اولاد، مال و دولت، ثمرات کے حصول اور بیماریوں، تکلیفوں، پریشانیوں، مصیبتوں، مشکلوں سے نجات کیلئے جائز و ناجائز ہر طریقہ اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ شرک تک کا ارتکاب کر جاتا ہے۔ یہی کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہے کہ وہ اپنے خالق کا وفادر رہتے ہوئے، بگڑی بنانے یعنی فائدے کے حصول اور مشکلات کے رفع کیلئے جائز راہ اختیار کرتا ہے یا غلط راہ یا شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

غلط راہ اختیار کرتے ہوئے، اللہ کے سوا کسی سے بگڑی بنوانے کا یہ محض شیطانی دھوکا ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴾ (سورہ یٰس:75)

''نہیں کر سکتے وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی کوئی مدد، بلکہ یہ (مشرک) لوگ خود (الٹے) ان کیلئے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں۔''

شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ سے آگہی کے بعد، ایک اور بڑی وجہ بیان کئے دیتے ہیں، شاید کہ شیطان سے چھٹکارے کی راہ آسان ہو جائے۔

<u>ایک اور بڑی وجہ</u>: انسان کا تعلق ایک طرف خالق سے ہے تو دوسری طرف مخلوقات سے۔ شرک سے اجتناب کا تعلق خالق کی عائد کردہ حدود قیود کے دائرہ میں رہ کر مخلوقات سے تعلق استوار کرنے

میں ہے۔ چنانچہ جب انسان حدود قیود میں آنے پر آمادہ ہوتا ہے تو ابلیس وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے بلند مرتبہ مقربین حق کی شان و عظمت اور قدرت و تصرف پر حرف آئے گا۔ یوں لوگ شرک کو سمجھنے سے ہی غافل ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف ابلیس کی یہ کوشش بھی ہوگی کہ تفریط کی جائے اور جو چیزیں حدود و قیود کے اندر آتی ہیں شرک کی آڑ میں انکا بھی انکار کر دیا جائے جسکا براہ راست اثر اللہ کی عطا اور مخلوقات کی شان و عظمت پر آتا ہے۔

حل کیا ہے؟

اسکا بہترین حل یہی ہے کہ قرآن و سنت کو رہنما بنایا جائے، حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جن حدود و قیود کے تحت چیزیں بیان ہوئی ہیں انہیں کے اندر رہا جائے نہ اپنی طرف سے کمی کی جائے اور نہ بیشی۔ خوش دلی کے ساتھ شرک کی ہر نوع کو سمجھ کر اسکی تمام آلائشوں سے اپنا دامن پاک کیا جائے۔ اللہ کو سب سے بڑا تسلیم کیا جائے اور اس سے سب سے بڑھ کر محبت کی جائے اسکے بعد انبیاء و رسل علیہم السلام، پھر دیگر لوگوں سے محبت خدا کی محبت کی وجہ سے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (سورۃ البقرہ۔ آیت:165)

"اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ کے مد مقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور (اُنکے برعکس) جو (حقیقی) ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔"

یاد رکھیں! شرک کی معصیت اور ظلمت کی شدت کا یہ فطری نتیجہ تو نکل سکتا تھا کہ کوئی شخص مخلوقات کے ضمن میں: تصرف و اختیار، صفات و کمالات کے بارے میں بہت محتاط رویہ اپنا لیتا لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ قرآن و سنت کو تسلیم کرنے والا شخص حد سے تجاوز کر جاتا یا غافل رہتا۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس نے اپنے ساتھ ظلم کیا ہے۔ یہ وقت تو گزر ہی جانا ہے لیکن اگلا وقت بہت مشکل ہے۔ آپ

کے ہاتھ میں موجود اس تحریر میں افراط وتفریط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اگر آپ شرک کی نجاست سے بچنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت پر گامزن رکھے۔ (آمین)

بیماری کی مختلف اشکال

یہ مرض جن مختلف اشکال میں ظاہر ہوا ہے اور جس جس طرح اس نے انسان کو غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا کیا ہے اختصار سے اسکا مزید تذکرہ پیش خدمت ہے تا کہ ہم بیماری کو پہچان کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

(۱) طمع ورغبت کے عقبات:

طمع ورغبت نے انسان کو خواہشات کے جال میں اس طرح پھنسایا کہ خواہشات انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہو گئیں۔ اسے نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا گیا تا کہ ان سے مستفید ہوتے ہوئے اصل مقصد تک پہنچ جائے لیکن انسان نے انہی وسائل کو اصل مقصد بنالیا۔ بیوی بچوں کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ اللہ کے حکموں کو بھول گیا۔ کنبہ وقبیلہ کے طور طریقوں میں ایسا پھنسا کہ خدا و رسول ﷺ کے طور طریقوں کو پس پشت ڈال دیا۔ جس چیز کو نافع پایا اسے نعمت سمجھنے کی بجائے منعم کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ بیل گائے، سورج، چاند کو خدا بنالیا۔ اگر حکومت ملی تو زمین پر خدا کا قانون نافذ کرنے کی بجائے اپنا قانون چلانا شروع کر دیا۔ اسے اپنی قابلیت کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے تکبر کیا اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی روحانی برکتیں نازل فرماتے ہوئے اپنا پیغمبر بنایا، انہوں نے لوگوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دی۔ لیکن لوگوں نے ان کے دنیا سے جانے کے بعد انکی بندگی شروع کر دی۔ انکی محبت میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے انہیں خدا کی صف میں کھڑا کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر خدا اور رسول ﷺ کے مقابلے میں طاغوت کی پیروی کر لی۔

(۲) عقبات (رکاوٹیں) خوف:

دوسری چیز جو شرک کا سبب بنی وہ عقبات خوف ہیں۔ جس طرح کنبے قبیلے اور معاشرے

کے بڑے لوگ عقبات طمع و رغبت میں شرک کے ارتکاب کا سبب بنے اسی طرح ان کے رسم رواج اور طریقوں کو ترک کر کے خدا و رسول ﷺ کے طریقے کو اپنانے کا خوف بھی شرک کا بہت بڑا سبب بنا۔ مخلوقات میں جو چیزیں ہولناک اور خوفناک نظر آئیں انہیں بھی انسان نے خدا کی خدائی میں شریک کر لیا۔ مصائب و آلام اور بیماریوں سے انسان کی آزمائش کی گئی، انسان ثابت قدم رہتے ہوئے صبر کا دامن تھامتے ہوئے جائز اسباب اور خدا کی طرف رجوع کرنے کی بجائے دیگر مخلوقات کی دہائی دے کر پکار کرنے لگا۔ اگر کسی پتھر سے ٹھوکر لگی تو بجائے اس پتھر کو رستے سے ہٹانے کے بعض نے اسی جگہ مندر بنا کر پوجا شروع کر دی۔ عقبات خوف میں کم ہمت لوگوں نے فرعون، ہامان اور قارون کو خدا بنا لیا جبکہ باہمت لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے رستے کو اپنایا۔ خوف و دہشت میں اللہ پر توکل کرنے کی بجائے جنات، روحوں اور دیوتاؤں سے فریاد رسی شروع کر دی۔

(۳) تعلیمات وحی کی جگہ اندھی و جامد تقلید:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانیت کے نام اپنا پیغام وحی کی صورت میں اپنے خاص نمائندے انبیاء و رسل علیہم السلام کو دے کر بھیجا کہ لوگ اسے معیار بنا کر زندگی گزاریں۔ ہمیں یہ کام بڑا مشکل معلوم ہوا۔ چنانچہ ان تعلیمات پر غور کرنے کی بجائے ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو جس ڈگر پر پایا آنکھیں بند کر کے اسی کو عین حق قرار دیتے ہوئے خدا و رسول ﷺ کی پیروی کی بجائے اندھی اور جامد تقلید کے رستے کو اپنا لیا۔

(۴) تعلیمات وحی کی غلط تاویلات:

لوگوں نے جب قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنے خود ساختہ نظریات سے متصادم پایا تو اپنے اپنے مسالک اور فرقوں کے تحفظ کے لئے اپنا نقطہ نظر قرآن مجید پر مسلط کرتے ہوئے اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے غلط تاویلات سے خدا و رسول ﷺ کی تعلیمات کو اپنے موافق کر لیا۔ یوں انسان اللہ کا شریک بن گیا۔ ایسا کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا لیکن یہ

حقیقت ہے کہ ایسا ہوا ہے۔

(۵) <u>تعلیمات الٰہی کا غلط استعمال</u>:

تعلیمات الٰہی کو رہنما بنانے کی بجائے الفاظ کے جوڑ توڑ، آیات کے آخری حرف یا شروع کے حرف حذف کر کے پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات کے نسخے بنا لیے۔

شرک کے مرض میں مبتلا لوگوں کی اقسام

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے شرک میں مبتلا لوگوں کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کی ہیں تا کہ جو بچنا چاہتے ہیں وہ مرض کو پہچان کر اس سے چھٹکارے کی فکر کر سکیں۔

نمبر۔ ۱: کچھ تو ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو یکسر فراموش کر دیا ہوا ہے، وہ دن رات شرکاء ہی کی پرستش اور ان کو راضی رکھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ انہی سے مرادیں مانگتے ہیں اور باری تعالیٰ کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے گو عقلی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ممکنات کا سلسلہ وجود آخر کار ذات اقدس پر ختم ہوتا ہے اور وہ سب کائنات کی ایجاد اور تخلیق کا علت العلل (The first cause) ہے"

نمبر۔ ۲: بعض کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حقیقی مولا اور مدبر عالم اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس نے اپنے بندوں کو تصرف عنایت فرمایا ہے اور <u>دوسروں کے حق میں ان کی شفاعت کو رد نہیں فرماتا</u>۔ بالفاظ دیگر اسکے معنی یہ ہیں کہ اس نے <u>ان کو خلعت الوہیت سے سرفراز</u> فرمایا ہے۔ اسکی مثال وہ یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح ایک شہنشاہ کے ماتحت متعدد بادشاہ ہوتے ہیں اور ہر ایک صوبہ میں اسکی طرف سے ایک حاکم مقرر ہوتا ہے جس کو اندرون ملک میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ شہنشاہ اعظم بذات خود فقط بعض اہم معاملات میں تصرف کرتا ہے۔ <u>ان بزرگوں کو یہ لوگ عبد کہتے ہوئے</u> ان کی کسر شان سمجھتے ہیں۔ ۔۔۔۔۔ چنانچہ اپنے بچوں کا نام عبدالمسیح، عبدلعزیٰ؛ عبدالرسول اور عبدالحسین وغیرہ رکھتے ہیں۔ اکثر یہود اور نصاریٰ اور عامہ مشرکین اور اس امت مرحومہ کے بعض

غالی (حد سے تجاوز کرنے والے) منافقین اسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہیں‘‘

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص242-241، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے انکی جس خرابی کہ ’’وہ بزرگوں کو عبد کہتے ہوئے ان کی کسرِ شان سمجھتے ہیں‘‘ اسے ہمارے رب نے ہماری اصلاح کے لئے اپنی کتاب میں یوں ذکر فرمایا:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا﴾

(سورۃ النساء آیت: 172)

’’مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز کوئی عار نہ ہوگا اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار محسوس کرتے ہیں) اور جسے عار ہو اسکی بندگی سے اور جو تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا‘‘

افراط وتفریط سے بچتے ہوئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر ایک کی اسکے مقام کے حساب سے عزت وتوقیر ضروری چیز ہے لیکن جس بات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہی چیز رفتہ رفتہ انسان کو اس حد تک لے جاتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو انسانیت سے بھی بالاتر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی چیز شرک کے ارتکاب کا سبب بن جاتی ہے۔

✡✡✡✡✡

باب نمبر ۱۶

خلاصہ گفتگو

شرک سمیت دیگر معلومات کا نکات کی صورت میں خلاصہ پیش خدمت ہے۔ تفصیل اور دلائل کیلئے کتاب میں موجود مضامین سے استفادہ کریں:

(۱)۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جو اللہ ﷻ کے لیے نا قابلِ برداشت ہے۔ اِس جرم کا مرتکب خدانخواستہ بغیر توبہ فوت ہو گیا تو نہ تو اللہ اسے معاف کرے گا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ اُس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعائے شفاعت کریں گے۔

(۲)۔ تعلیمات الٰہی میں جو احکام بیان ہوئے ہیں انھیں تسلیم کرنے سے دل میں ناگواری ہونا کفر کی علامت ہے اور ان احکامات کو بخوشی تسلیم کرنے کی بجائے اپنا نقطہ نظر مسلط کرتے ہوئے انکی غلط تاویل کرنا اللہ تعالیٰ کے مدّ مقابل آنے کے مترادف ہے جو کہ بہت بڑا شرک ہے۔ مزید یہ کہ یہ تکبر کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ اِس ظلم میں ملوث ہوتے ہی اللہ انسان کی ہدایت سلب فرما لیتے ہیں اور دِل کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔

(۳)۔ کلمہ گو بھی شرک کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کی رُو سے اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اُمت مسلمہ (سوائے ایک گروہ) کے شرک میں ملوث ہونے کی پیشگی خبر دی ہے۔ شرک کا مطلب شراکت ہے جس میں اللہ کا انکار نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ کو بھی مانا جاتا ہے اور ساتھ شریک بھی ٹھرائے جاتے ہیں۔

(۴)۔ شرکیہ افعال و عقائد انسانی طبع کو بہت محبوب ہوتے ہیں اور شیطان کا اصل ہدف انسان کو

شرک میں ملوث کر کے ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی بھلائیوں سے محروم کراونا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں پہنچانا ہے اِسی لیے انسان شرکیہ افعال کو ترک کرنے میں بہت تکلیف محسوس کرتا ہے۔

(۵)۔ قرآن کی محکم آیات کی بجائے متشابہات آیات کے پیچھے پڑنا اور صحیح کی بجائے موضوع اور ضعیف احادیث کو بنیاد بنانا۔اسی طرح سنت کی بجائے بدعات کو اپنانا اور رسولوں (علیہم السلام) کی بجائے آباؤ اجداد (فرقے، مسالک، اکابرین، امام، علماء، پیر حضرات) کی اندھا دھند پیروی اختیار کرنا گمراہی کی بنیادی وجہ ہے اور ایسا کرنے والوں کو فتنہ انگیز قرار دیا گیا ہے۔

(٦)۔ توحید پر آنا دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت جبکہ توحید سے دور ہو کر شرک کی نجاست سے آلودہ ہونا دنیا و آخرت کی سب سے بڑی ہلاکت ہے۔

(۷)۔ یکسوئی کی دولت سے سیراب ہو کر زندگی کا مرکز و محور اللہ کو بنانا، ہمہ تن اسکی بندگی و یاد اختیار کرنے سے فرحت و خوشی محسوس کرنا۔ ہر تعلق اور ہر محبت کو اللہ ہی کی نسبت سے دیکھنا...... انبیاء علیہم السلام کا اسوہ مبارک ہے اور یہی شرک کی بیماری سے بچ کر توحید کی سعادت پر آنے کی علامت ہے۔اسکے برعکس اکیلے اللہ کے ذکر سے ناگواری ہونا یعنی جب تک اللہ کے ساتھ مخلوقات کے ذکر کو شامل نہ کیا جائے اس ناگواری کا دور نہ ہونا...... قرآن حکیم میں شرک کی بیماری لگنے کی بنیادی علامت بیان ہوئی ہے۔

(۸)۔ شراکت کی مختلف شکلیں: شرک فی الذات یعنی اللّٰہ کی ذات وصفات کے سوا مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کو اللّٰہ کی ذات کا حصہ سمجھنا۔شرک فی الصفات، اللہ کی صفات میں شراکت جن میں بالخصوص صفت علم اور صفت اختیار و اقتدار میں شرک ہوا ہے۔اور شرک فی الحقوق یعنی اللہ کے حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا جیسے: عبادات: نماز روزہ، پکار یعنی دعا، نذر و نیاز، حج، قربانی، طواف وغیرہ۔

(۹)۔ عالم الغیب (ما کان وما یکون: جو کچھ تھا، جو ہونا ہے اور جو کچھ ہوگا) یعنی ہر وقت کائنات کی ہر چیز کا علم ہونا اللہ کی صفت ہے اور یہ تفصیلی اور محیط کلی ہے۔مخلوقات کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا خدا کی صفت علم میں شراکت شمار ہوگا۔اسی طرح کائنات کی ہر چیز کا اختیار یعنی مختار کل اللہ کے سوا کسی اور کو تسلیم کرنا اللہ کے تصرف وقدرت میں شراکت ہے۔

(۱۰)۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ کی عطا اور اسکے قرب کے اعتبار سے اسکے دوست اور حزب اللہ ہیں لیکن اسکے ساتھ شراکت کے اعتبار سے من دون اللہ میں شامل ہیں۔اس اعتبار سے اللہ کی ذات وصفات کے سوا ہر چیز **من دون الله** یا **من دونہٖ** میں شامل ہے جس پر کثرت سے قرآن کی آیات موجود ہیں۔

(۱۱)۔ خرق عادت امور یعنی معجزہ یا کرامت وغیرہ اللہ کے مشیت وارادہ سے ظہور میں آتے ہیں جن کا ذریعہ مخلوقات بنتی ہیں۔یہ انسان کے کسب اور محنت پر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ جب اللہ چاہیں۔ان کے ظہور کا دائرہ کار بھی اللہ کے اذن کی حدود وقیود کے تحت متعین ہوتا ہے اپنی مرضی سے انسان اس میں عمل دخل نہیں کرسکتا۔بہرکیف قرآنی احکامات کی بجائے خرق عادت امور کو بنیاد بنانا ابلیس کا بہت بڑا داؤ اور انسانی ہلاکت ہے۔

(۱۲)۔ یہ عقیدہ کہ جسے اللہ نہ بخشنا چاہے اُسے شفاعت سے چھڑا لیا جائے گا عین شرک ہے۔

(۱۳)۔ شرکیہ افعال وعقائد کو کسی بھی عقیدہ سے بجالانا جیسے ذاتی وعطائی، مستقل بالذات وغیرہ کی تفریق کرنے کے باوجود بھی وہ شرکیہ ہی رہیں گے جیسے غیر اللہ کے نام کی نذر ومنت، اللہ کے سوا کسی کو پکارنا یعنی دعا کرنا وغیرہ۔

(۱۴)۔ بغیر ظاہری اسباب کے جو ہستی آپ کے سامنے موجود نہ ہو اُسے مشکل ومصیبت کے رفع کے لیے پکارنا دعا کہلاتا ہے اور یہ عبادت میں داخل ہے جو کہ صرف اللہ کا حق ہے۔یہ

بنیادی شرک تھا جس میں سابقہ مشرکین ملوث تھے جو کثرت سے قرآن مجید میں بیان ہوا۔

(۱۵)۔ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کے اختیارات اللہ کی طرف سے عطائی تسلیم کرتے تھے، اُنھیں مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے اور جب بھی کسی بڑی مصیبت میں پھنستے تو وہ کافر ہوتے ہوئے بھی خالص اعتقاد کے ساتھ صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے۔

(۱۶)۔ جن صالحین کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ بروز قیامت پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے۔

(۱۷)۔ قبروں کو پکا کرنے، ایک بالشت سے اونچا بنانے، اُن پر کسی بھی قسم کی عمارت بنانے، چراغ جلانے، اُنھیں عبادت گاہ بنانے کی ہمارے پیارے رسول ﷺ نے سخت ممانعت کی ہے۔ نیز اہلِ قبور سے حاجت روائی کرنا، یا اُن سے مدد طلب کرنا، یا اُن کو اپنا مشکل کشا ماننا شرک ہے۔

(۱۸)۔ جو لوگ شرکیہ افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اُن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور اُن کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔

(۱۹)۔ قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف کسی کی پیروی کرنا شرک فی الاطاعت ہے، اگر حلال وحرام میں ایسا کیا تو گویا اُسے رب بنالیا۔ بغیر دلیل کسی کی بات تسلیم کرنا شرک فی الاطاعت کے ارتکاب کی بنیادی وجہ ہے۔

(۲۰)۔ آئمہ دین اور سلف صالحین نے بغیر دلیل انکی بات تسلیم کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ وہ بری الذمہ ہیں اُس اندھی تقلید سے جو لوگوں نے اُن کی طرف منسوب کر رکھی ہے۔

(۲۱)۔ خواہشِ نفس، یا کوئی بھی ایسی چیز جو اللہ کے بڑے بڑے احکامات کے رستے میں رکاوٹ بن جائے اُسے مستقل طور پر اپنا لینا شرک ہوگا۔

(۲۲)۔ شرعی دم وغیرہ جائز و مستحسن ہے، تعویذات کے استعمال سے گریز کرنا بہتر ہے، منکے،

دھاگے اور گھونگے وغیرہ پہننا سخت ممنوع ہے کیونکہ یہ بالآخر شرک کا سبب بنتے ہیں۔

(۲۳)۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محاسبہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ہوگا کسی اور چیز کو دلیل نہ بنایا جاسکے گا۔

(۲۴)۔ جو لوگ اللہ ورسول ﷺ کے راستے کو نہ اپنائیں، تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کردینے والے امور کی طلب کریں اور انہیں بنیاد بنائیں یا حق واضح ہو جانے پر بھی اُسے قبول نہ کریں تو اللہ بطور تدبیر ان کی عقل سلب فرمالیتا ہے اور اُنھیں شیاطین کے سپرد کردیتا ہے۔

(۲۵)۔ شہداء اور انبیاء کرام علیہم السلام برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، لیکن وہ ایسی زندگی نہیں جیسی موت سے قبل تھی اور نہ قیامت کے دن کی زندگی ہے بلکہ قبر کی زندگی ایسی ہے جس کی حقیقت وکیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہمیں اُن کو پکارنے کی اجازت قطعاً نہیں دی گئی اور ایسا کرنا خسارے کا باعث ہوگا۔

آخری وسوسہ: کیا بزرگان دین غلط تھے؟

ابلیس آخری وسوسہ یہ دلائے گا کہ اگر اس کتاب میں واضح کئے گئے حقائق کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بہت سارے بزرگان دین غلط ثابت ہوجائیں گے۔

ازالہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ تسلیم کرانا ہمارا مقصد نہیں۔ ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ حق وباطل کی آمیزش کے اس دور میں حق اور باطل کو خدا ورسول ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد پر واضح کردیا جائے تاکہ جو سچائی کی پیروی کے متلاشی ہیں انکے لئے حق کی راہ واضح ہوجائے۔ باقی آپ نے تسلیم کرنا ہے تو بھی اپنے لئے اور نہیں کرنا تو بھی اپنے اعمال کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔

اگلی بات یہ کہ اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کرچکے ہیں تو یقیناً ابلیس کے پاس اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں رہ گیا ہوگا کہ آپ کو یوں ورغلائے کہ اس طرح تو بہت سارے بزرگان دین غلط

ثابت ہو جائیں گے۔ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔ چھٹکارہ کے لیے چند حقائق پیش خدمت ہیں:
اگر آپ غور وفکر کریں اس کتاب میں بیان کی گئی تفصیلات پر تو یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ:
(i) یہ عقائد قرآن مجید کے مطابق درست ثابت ہوں گے۔(ii) صحیح السند احادیث کے عین مطابق ہوں گے۔(iii) صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق ہیں۔ (iv) تابعین، تبع تابعین، آئمہ ومجتہدین یعنی پہلے 300 سال کے مسلمانوں کے نظریات سے مطابقت پائیں گے۔(v) بہت سارے بعد والے بزرگانِ دین کی رائے بھی یہی ہوگی۔

اگر یہاں تک بات درست نکل آئے تو ضرور سوچیے گا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں:
(i) صرف اور صرف قرآن وسنت کا پابند نہیں کیا؟ (ii) ناجی فرقہ کے متعلق ﴿ما انا علیہ و اصحابی﴾ ،یعنی جو میرے طریقے اور صحابہ کے طریقے پر ہوگا نہیں فرمایا؟(iii) پہلے 300 سال کے مسلمانوں میں سے اکثریت کے ہدایت پر ہونے کے متعلق قرآن وسنت میں خبر نہیں آئی؟(iv) کیا آنحضور ﷺ نے تین سو سال کے بعد دین کی بربادی، دین میں جھوٹ اور فریب کے داخل ہونے کی خبر نہیں دی؟(v) کیا بعد والے کئی بزرگانِ دین کے عقائد ونظریات مذکورہ کتاب کے مطابق نہیں؟ (vi) کیا قرآن وسنت کے علاوہ کسی اور شے کے محفوظ رہنے کی گارنٹی دی گئی ہے؟

اگر یہ حقیقت ہے تو پھر آپ ابلیس کی باتوں پر کیوں دھیان دے رہے ہیں۔ان چیزوں کے پیچھے لگ رہے ہیں جن کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں ہوئی،جن کے بارے میں ہم سے سوال بھی نہیں کیا جانا۔ بلکہ بروز قیامت لوگ چیخیں گے اور اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہماری تباہی کی بنیادی وجہ قرآن وسنت کی بجائے لوگوں کی پیروی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِی النَّارِ یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ۝ وَ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا ۝﴾

(سورۃ الاحزاب۔آیت:66)

’’جس دن لوگوں کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے وہ کہیں گے اے

کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور کہیں گے بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور بزرگوں کی پس اس وجہ سے ہم گمراہ ہوئے سیدھے رستہ سے۔''

اب مرضی آپ نے اپنی کرنی ہے۔ چاہے تو قرآن وسنت کے ان حقائق اور سلف صالحین کو بنیاد بنالیں یا وہ بزرگانِ دین جن کی تعلیمات مذکورہ دلائل کے مطابق نہیں ان کے پیچھے لگ جائیں۔ جب انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم نہ پہنچنے کی بنا پر بعض معاملات میں صحیح رائے قائم نہ کر سکے اور آنحضور ﷺ کی بات کی تصدیق ہوتے ہی رجوع کر لیتے تو بعد والے لوگوں کی ہر بات کو قرآن وسنت کا درجہ کیوں دے دیا جاتا ہے۔؟ مثال کے طور پر ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ کی ابتدائی زندگی کے اشعار اور آخری زندگی جب آپ رحمہ اللہ نے قرآن کو مرکز بنایا اس دور کے اشعار میں بڑا فرق ہے۔ یہ حقیقت بھی آپ پر واضح ہو چکی ہوگی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی رائے تبدیل کرتے رہتے ہیں علم آجانے کی بنا پر۔ اسی لیے بہت بڑی علمی شخصیت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے آخری وقت میں قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے برأت کا اظہار کر لیا تھا۔ اِسی طرح امام محمد غزالی رحمہ اللہ آخری عمر میں بخاری مسلم کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے تھے اور طلب حدیث کے لئے محدثین کے پاس وقت گزارنے لگے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(امام ذہبی کی کتاب: سیر اعلام النبلاء، جلد:19، ص: 326-325 اور البدایہ النہایہ، جلد:14، ص: 15، مصنف: حافظ ابن کثیر)

ہم نے تو اللہ کے فضل وکرم سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو انشاء اللہ ہر سلیم الفطرت شخص کے لیے بالکل واضح راہِ ہدایت متعین کر دے گا۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

ابلیس کا نیا انداز

قرآن وسنت کے دلائل جب لوگوں پر واضح ہو جاتے ہیں اور ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس

اب کوئی جواب نہیں رہا تو یہ کہہ کر کہ: ''باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن یہ فلاں فرقہ سے ملتی جلتی باتیں ہیں'' قرآن وسنت سے اعراض کر جاتے ہیں اور اُسی ڈگر پر زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں جس پر پہلے سے موجود تھے۔

محترم بھائیو! شیطان کے اس وسوسے کا شکار ہونے سے پہلے ذرا گہری بصیرت سے یہ بات ضرور سوچیے گا کہ جو کچھ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے یا کسی اور فرقہ کی طرف سے ہے۔ یہی صورت حال آنحضور ﷺ کو پیش آئی تھی لوگ آپ ﷺ کی دعوت پر بغیر غور وفکر کیے آپ ﷺ کو معاذ اللہ جادوگر کہہ کر تعلیمات وحی سے اعراض کر جاتے تھے۔

ایک اور اشکال کہ: جس سے اللہ تعالیٰ محبت کریں اُس کے بارے اعلان کرا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بات درست ہے لیکن یہ کسی شخص کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں، ہم نے سب فرقوں کو دیکھا ہے اور یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ اپنے اپنے اکابرین کی بہت عزت واحترام کرتے ہیں اور اُن سے محبت کرتے ہیں اگر اِس بات کو دلیل بنایا جائے تو یہ سب کے لیے ہونی چاہیے۔

عقائد واعمال کے معاملے میں عقل و بصیرت سے کام لیتے ہوئے ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ امت مسلمہ کی خرابی کی پیشگی خبر آنحضور ﷺ نے دے چکے ہیں:

''(میری اُمت میں سے) بہتّر (فرقے) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن میں یہ بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کا اثر کٹے ہوئے شخص کے رگ وریشے میں سرایت کر جاتا ہے''۔

(ابوداؤد: حدیث نمبر 4597، مسند احمد: 102/3، حدیث نمبر: 17061)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبے میں فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ زمین کی طرف دیکھا اور سبھی عرب وعجم والوں سے بیزاری

اور سخت ناراضگی کا اعلان کیا ہے ماسوائے چند اہل کتاب کے......الخ''۔

(صحیح مسلم: الجنۃ وصفۃ)

ان حالات میں بچت کی واحد صورت وہی ہے جو خود آنخضور ﷺ نے بتلائی کہ قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ انشاء اللہ وہی لوگ جنت کی ابدی راحتیں حاصل کریں گے جو قرآن وسنت کے خلاف کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مسلمانوں کا اتحاد

وہ سب سے طاقتور مصالحہ (Binder) جو منتشر انسانوں کو جوڑ کر ایک لڑی میں پروسکتا ہے وہ توحید ہے۔ اسی کی برکت سے تمام انبیاء کرام علیہم لسلام کی دعوت ایک ہے، اسی کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے۔ آج اگر ہم کلمہ توحید کو سمجھ کر اسے خوش دلی سے تسلیم کرلیں تو اس کی مدد سے ہم ایک امت ہی نہیں، ایک عظیم امت بن سکتے ہیں۔

اور اس توحید پر آنے کی راہ ''رسالت'' ہے۔ دیگر شخصیات کی پیروی کی بجائے مظبوطی سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی جائے۔ دیگر شخصیات کی بجائے آنخضور ﷺ کی ذات گرامی پر اکٹھے ہو کر دل وجان سے آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے سامنے اپنی خواہش نفس کو قربان کر دیں۔ آنخضور ﷺ کے علاوہ کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں جس پر سب لوگ اکٹھے ہوسکیں۔ یہاں تک کہ اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات بھی کی جائے گی تو ان پر بھی کچھ لوگ اختلاف کر جائیں گے۔ اِس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم سب اپنے اپنے مسالک اور فرقوں کی بجائے اگر اللہ کے دین کا فروغ چاہتے ہیں تو آنخضور ﷺ کی ذات پر اکٹھے ہو کر انکی بتلائی ہوئی ''توحید'' کی شاہراہ پر گامزن ہو کر دنیا و آخرت میں حقیقی معنوں میں نجات یافتہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اُمت مُحمّدیہ ﷺ کا ''ایک گروہ'' ہمیشہ حق پر رہے گا

رسول ُاللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

'' میری اُمت کا ﴿ایک گروہ﴾ ہمیشہ حق پر رہے گا، وہ غالب ہی رہیں گے، اور کوئی بھی مخالفت کرنے والا اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔''

[صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام'' حدیث نمبر 7312،صحیح مُسلم ''کتابُ الامارۃ'' حدیث نمبر 4955]

یقیناً اہلِ حق وہی ہوگا جس نے قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا ہو، یہی بات خدا اور رسول ﷺ نے فرمائی جسکا تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یوں کیا:

''میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ ﴿آخرت میں نجات پانے والا فرقہ﴾ وہ ہے جو عقیدہ اور عمل میں ظاہر کتاب اور سنت پر کاربند ہے۔ جملہ صحابہ اور تابعین اسی راستہ پر چلتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق نہ تو قرآن اور حدیث میں کوئی تصریح پائی جاتی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ان مسائل کا انحصار استنباط اور تفسیر مجمل اور ہیچو دیگر امور پر ہے، برخلاف اسکے غیر ناجی فرقے وہ ہیں جنہوں نے سلف صالحین کے عقیدہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا عقیدہ تراش لیا ہے، یا ان کا عمل ان کے عمل کے مخالف ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔''

(حجۃ اللہ البالغہ ص:26، حصہ اول، مترجم: الفیصل ناشران)

محترم ساتھیو!

اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو اللہ لاکھ لاکھ شکر ادا کریں، ہمارے حق میں بھی دُعا کریں، اور اپنے دوسرے مسلمان بھائی جو غفلت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اُن تک یہ پیغام پوری کوشش سے

پہنچائیں۔اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔(آمین)

اللہ کا کروڑ ہا شکر ہے جس نے ہم پر اپنا فضل وکرم فرمایا، شرک سے نفرت پیدا فرما کر توحید وسنت کے رستے پر گامزن کیا، ہدایت میں اضافہ فرمایا اور تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ جل جلالہ کے حبیب اور ہم پر ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق آقا ، امامِ اعظم ، امام کائنات ، سید الاولین والاخرین، سید الانبیاء و المرسلین، رحمة للعالمین ، **سیدنا مُحمد رسولُ الله** ﷺ پر جنہوں نے ہر نوع کے شرک سے آگاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس دلدل سے نکلنے کا راستہ بتلایا۔

اس تحریر میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو، اُسے اللہ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے اور جن بھائیوں نے تعاون فرمایا اُن کے علم وعمل اور درجات میں اضافہ فرمائے۔اس کاوش کا بہترین اجر میرے پیارے والدین بالخصوص پیاری والدہ محترمہ مرحومہ کو عطا فرمائے اور انکی بخشش اور درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔(آمین)

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ جل جلالہ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔''

((وما توفیقی الاّ باللّٰہ))

جلدی کریں!

ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اُس وقت کوئی زور، کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔ انسان بالکل بے سہارہ ہوکر اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوگا۔ قرآنی احکامات سے دور، خود ساختہ سوچ، فرقہ واریت اور مسلک پرستی کی بنا پر غلط عقائد و افعال پر گامزن، خواہشات کے رسیا، دنیا کی دلفریبیوں میں گم، آخرت سے غافل لوگ دائمی جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ صرف بچے گا وہ جس نے تعلیمات وحی کو من وعن سمجھا اور من وعن تسلیم کرلیا۔ اپنی سوچ، اپنے فرقے، گروہ، اپنے لیڈرز، اکابرین، امام، پیر اور بزرگ حضرات کو حقیقی معنوں میں اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات کے تابع کرلیا۔ جس نے صبر کے ساتھ اپنی خواہشات کو قابو کرتے ہوئے، خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا حساب کرلیا ہوگا۔

اسلئے مکار ابلیس کے فریب سے بچیں اور جلد از جلد حقیقت تسلیم کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بچالیں۔ جلدی کریں مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں:

"اور (اَے لوگو !) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللّٰہ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا کہنے لگے کہ اگر اللّٰہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیز گاروں میں شامل ہو جاتا۔ یا (قیامت کے دن) عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے اَے کاش ! کسی طرح مجھے (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیا جائے تو میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوسکوں۔ (اللّٰہ جل جلالہ فرمائے گا:) ہاں ہاں! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔"

(سورۃ الزمر، آیت: 59 - 55)

علماء حضرات سے اہم سوال!

علماء حضرات اور مذہبی رہنماؤں سے بالخصوص اور عوام سے بالعموم ہم یہ سوال کرتے ہیں: جب یہ حقیقت ہے کہ:

۔ خدا اور سول ﷺ کو سب سے زیادہ نفرت شرک سے ہے اور اسے سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا۔
۔تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد شجر توحید کی آبیاری اور شرک کی بیخ کنی پر رہی۔
۔بروز قیامت ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے لیکن شرک کی معافی نہیں۔
۔آنحضور ﷺ بھی شرک پر فوت ہونے والے کی شفاعت نہیں کریں گے۔
۔امت کے شرک میں بری طرح ملوث ہونے کی خبر خدا اور سول ﷺ نے خود دی۔
۔شرک خالق کے ساتھ سب سے بڑی بد دیانتی ہے۔
۔قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ شرک سے بچنے کی تاکید کی گئی۔

اتنے واضح حقائق کی موجودگی میں اکثر علماء حضرات اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی تحریروں اور تقاریر میں اولین ترجیح توحید کی آبیاری اور عام لوگوں کو شرک کے عظیم خطرے سے بچانے پر کیوں نہ دی............؟
عام لوگوں نے آنکھیں بند کیوں کیں............؟؟؟

جن لوگوں کو یہ بات سمجھ آئی انکی ترجیح شرک سے بچنا بنی۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ترجمہ: ''آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب اور کوئی آیت نہیں (جس میں اللہ نے فرمایا:) یقیناً اللّٰہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمائے گا......'' (جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ نساء)

اگر ہم راہ نجات کو اپنانا چاہیں تو مذکورہ فرمان میں ہمارے لئے پوری پوری رہنمائی موجود ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے کیا یہ حقیقت نہیں؟ اگر حقیقت ہے تو پھر ہر صاحب شعور کو اسکے متعلق بہت زیادہ سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اس چند روزہ دنیاوی زندگی میں تو آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں لیکن یہ حقیقت موت کے بعد کھل جائے گی۔ جن کی خاطر ہم نے حق سے صرف نظر کیا تھا ان میں سے کوئی کام نہ آئے گا۔

کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات

درج ذیل روایت سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات مسلمانوں کی ہدایت کے لئے پیش نہیں کی جاسکتیں، روایت یہ ہے:

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق جانتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان کو وہ مومنوں پر چسپاں کردیتے ہیں۔'' (صحیح بُخاری ''کتابُ استتابۃ المرتدین'')

اس روایت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات مسلمانوں کیلئے بطور تنبیہ و اصلاح بنیاد نہیں بنائی جاسکتیں بہت بڑی ہلاکت اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ حقیقت سے آگاہی کیلئے تفصیل پیش خدمت ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خارجیوں کو بُرا جاننے کی وجہ یہ تھی کہ وہ آیات میں کفار و مشرکین کی جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیتے اور قرآن مجید کی غلط تاویل کرتے جیسے:

(i) گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے۔

(ii) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے (نعوذ باللہ) کہ اُنھوں نے ایک دوسرے کے خلاف تلوار اُٹھائی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان و عمل ہماری طرح تو نہیں تھا کہ کلمے کا بھی اقرار ہے اور ساتھ ساتھ جھوٹ، ملاوٹ، بدعہدی، بد دیانتی، خیانت، شرک، بدعات سمیت ساری برائیوں پر بھی کار آمد ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں چونکہ یہ خرابیاں نہیں تھیں تو کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات جن میں کافروں کی خرابیوں کی نشاندہی کی جائے ان آیات کو صحابہؓ پر لگانا درست نہیں۔ لیکن کلمے کے باوجود ہمارے اندر کافروں والی ساری خرابیاں: شرک، بدعات، جھوٹ، ملاوٹ، بدعہدی، بد دیانتی، بے حیائی........ موجود ہوں اور بطور اصلاح آیات پیش کئے جانے پر خارجیوں کے نقش قدم پر چلنا قرار دے کر بدترین مخلوق قرار دینا شیطانی دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی اگر کسی کو ناپ تول میں کمی

سے باز کرنے کیلئے (ویل للمطففین)۔یعنی ''ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے''... سنانے والا بدترین ہوگا یا جو ان خرابیوں پر اصلاح نہ کرے وہ قابل ملامت ہوگا۔؟اسی طرح قرآن نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے۔اب اگر کوئی کلمہ گو ظلم و ناانصافی پر کاربند ہو تو اسکی اصلاح کیلئے ظلم پر قرآن سے وعید (الا لعنة الله علیٰ الظالمین ۔سن رکھو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) اسی طرح جھوٹوں پر لعنت کی وعید....... سنانے والا کیا بدترین مخلوق ہوگا......؟اسی طرح شرک سمیت دیگر بے شمار خرابیوں میں ملوث مسلمانوں کو ہلاکت کی دلدل سے نکالنے کیلئے قرآن سے اصلاح کرنے والے کیا بدترین مخلوق ہوں گے.........؟ شیطان کے ان طاقتور دھوکوں میں آکر حقیقت سے دور رہنے والے بدنصیبوں کو تو موت کے وقت ہی سمجھ آئے گی۔اس وقت وہ روئیں گے چلائیں گے کہ کاش انہیں کوئی متنبہ کر دیتا...........!

قرآن مجید میں کفار میں پائی جانے والی برائیوں کو واضح کیا گیا ہے تا کہ جو اپنی اصلاح کرنا چاہے وہ کر سکے۔نجاست نجاست ہی رہے گی خواہ کسی ٹھیکرے میں ہو یا ریشم میں لپیٹ دی جائے۔جن عقائد وافعال (شرک، بدعات، جھوٹ، خیانت، بدعہدی، ملاوٹ، دھوکہ دہی، ظلم، قتل و غارت، جادو...........) پر عمل پیرا ہونے کی بنا پر کفار کے لئے سخت وعیدیں نازل ہوئی ہیں وہی کام اگر کلمے کے اقرار کے ساتھ کیا جائے (جو کہ کیا جا رہا ہے) تو کیا ہم مجرم قرار نہ پائیں گے.....؟بطور اصلاح ہمیں ان غلط کاموں پر تنبیہات پر مبنی آیات سے عبرت پکڑنی چاہئے یا یہ کہہ کر ان آیات سے چشم پوشی کرنی چاہئے کہ یہ تو کافروں کیلئے ہیں۔؟ یوں تو قرآن کا تھوڑا سا حصہ ہمارے لئے رہ جائے گا کیونکہ زیادہ تر حصہ کفار و مشرکین کے حق میں ہی نازل ہوا ہے تا کہ انکی خرابیوں کو واضح کر کے اہل ایمان کو بچایا جا سکے۔اسی لئے قرآن پاک کا خطاب کفار مکہ کے ساتھ ساتھ پوری نسل انسانی کے لیے قیامت تک کے لیے ہے،جس کی صداقت پروردگار نے خود یوں فرمائی:

☆ ﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴾

(سورۃ الفرقان، آیت:1)

''نہایت ہی بابرکت ہے وہ اللّٰہ جس نے یہ فرقان (حق اور باطل میں فرق کرنے والا

مجموعہ) اپنے بندے پر اتارا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے خبر دار کر دینے والا ہو“

☆ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (سورہ التکویر، آیت:27)

”یہ (قرآن) تو تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے“

☆ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کا واقعہ قرآن مجید میں بیان کرنے کے بعد اسے بیان کرنے کا مقصد بھی بیان فرما دیا تا کہ جو کوئی بھی اسے سنے وہ اس پر غور فکر کر کے اپنی اصلاح کرے، ارشاد ہوا:

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف، آیت:176)

”سو اسکی مثال ہوگئی مانند کتے کی، اگر بوجھ لادو اس پر تب بھی زبان لٹکائے اور چھوڑ دو اسے تب بھی زبان لٹکائے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیات کو، سو بیان کرو انکے سامنے یہ قصہ (احوال) شاید (لوگ) غور وفکر کریں“

فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھتے ہوئے اپنے ذہن ومسلک کے خلاف آنے والی قرآن کی آیات سے اعراض، انکی غلط تاویل وتحریف کرنے والے کلمہ گو لوگوں کی تعداد کوئی کم تو نہیں....؟ کیا ان کے لئے اس آیت کریمہ میں سبق نہیں؟ ہر آیت ہمارے لئے ایک آئینہ ہے جس کے سامنے ہمیں اپنے آپ کو پیش کر کے اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

ان روشن آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی تمام آیات خواہ وہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہوں عبرت ونصیحت کے اعتبار سے وہ مسلمان اور کفار سب کے لیے ہیں۔ یہ غلط فہمی مکار ابلیس نے صرف اس لیے پیدا کی ہے تا کہ لوگ ناکام ہو کر دنیا سے چلے جائیں۔ بات کو سمجھنے کے لئے کئی آیات میں سے صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے جو خالصتاً کفار کے حق میں نازل ہوئی، اور سب مسلمان اسے اپنی تقاریر کی بنیاد بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

”(اے نبی) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم

سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا''۔(آل عمران۔آیت:31)

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جسکے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے زبانی دعویٰ محبت کو آپ ﷺ کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا۔اس سے اگلی آیت میں بات کو مزید واضح کیا گیا چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

''(اے نبی) انکوفرماؤ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا''(آل عمران۔آیت:32)

یعنی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کفار کی روش ہے۔اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہماری حفاظت فرمائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آیت جو صریحاً کفار کے حق میں نازل ہوئی، جسکے مخاطب یہود و نصاریٰ تھے۔فی زمانہ علماء حضرات جب مسلمانوں کو مخاطب کر کے اس آیت پر گھنٹوں تقاریر کرتے ہیں تو اس وقت انہیں خارجیوں پر وعید والی مذکورہ روایت کیوں یاد نہیں رہتی؟ اور جب انکی غلطیوں کی نشاندی والی آیات آتی ہیں تو ان سے چشم پوشی کر جاتے ہیں کہ یہ کفار کیلئے ہیں......؟

نوٹ: قابلِ غور بات یہ ہے کہ(صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام' حدیث نمبر 3456) کے تحت آنحضور ﷺ یہ خوفناک پیشگی خبر دے چکے ہیں کہ سابقہ اقوام بالخصوص یہود و نصاریٰ میں پائی جانے والی تمام خرابیاں امت مسلمہ میں بھی پائی جائیں گی۔اسکے تحت قرآن کی ساری آیات بطور نصیحت تمام مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہیں۔تاہم ہمیں کسی کو ذاتی طور پر نشانہ بنائے بغیر قرآن کی آیات سے رہنمائی لینی چاہیئے۔

اُمید ہے مذکورہ حوالے سے آپ بات سمجھ چکے ہوں گے کہ قرآن مجید کی وعیدیں ہم سب کی ہدایت کے لئے ہیں۔

﴿حق کی کاوش میں: بطورنمونہ چند علماء حضرات سے ملاقات کی لسٹ﴾

نمبر شمار	عالم کا نام	مکتبۂ فکر	تاریخ
1	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	95,96,98, 2001
2	مولانا محمد الیاس قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	1999 - 2000
3	پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب	اہلسنت	2003, 2004
4	پیر محمد زاہد صاحب	اہلسنت (بریلوی)	2006, 2007
5	مفتی محمد علیم الدین صاحب	اہلسنت (بریلوی)	16-12-2006
6	مفتی منیب الرحمٰن صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
7	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
8	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب	اہلسنت (داعی تحریک خلافت)	2007،2008
9	پیر نصیر الدین نصیر صاحب	اہلسنت (بریلوی)	3-08-2007
10	مفتی محمد طیب صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Aug. 2007
11	مولانا جمشید صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Nov. 2007
12	مفتی انصر باجوہ صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	2008
13	انجینئر آصف قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	25-01-2008
14	مولانا مظہر اللہ غلام قمر سیالوی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	Mar. 2008
15	علامہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن حفیظ صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
16	علامہ حافظ زبیر علی زئی صاحبؒ	اہلسنت (اہلحدیث)	May 2008
17	ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	Feb. 2009
18	علامہ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر صاحب	اسلام (قرآن وسنت)	2010
19	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2011
20	جناب ثاقب اکبر صاحب	اہل تشیع	2012
21	مولانا اسحاق صاحب	اسلام (اتحاد امہ)	2012
22	ابو یحییٰ صاحب	اسلام	2017
23	جاوید احمد غامدی صاحب	اسلام	2017

☆ سوشل میڈیا کے ذریعے علماء حضرات سے استفادہ تادم زندگی جاری ہے۔

حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔تفہیم البخاری	غلام رسول سعیدی صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی،مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحیدِ خالص	الشیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی،فتوح الغیب	پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابو القاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔مقالات،رسائل الحدیث	حافظ زبیر علی زئی صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابو الحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔حقیقت التقلید	ابو محمد امین اللہ الپشاوری صاحب
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن ،روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تیجانی سماوی صاحب
38۔المراجعات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ

ہماری اہم تحاریر

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور ہدایت کیسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکمیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	ہمارا اخلاقی زوال: (زوال کی بنیادی وجوہات اور نجات کا یقینی حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہِ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس وشیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجودِ خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد: (اتحاد و یکجہتی اور فرقہ واریت کی نحوست پر انتہائی اہم تحریر)		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر و نواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الا اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد وعورت کیلئے قرآن وسنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا وآخرت کی کامیابی کیلئے پیغامِ حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ‌ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت:159)

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

دین کے تین بڑے موضوعات : آخرت، رسالت اور توحید ہیں۔ باقی سارا دین انہیں کے تحت ہے۔انہیں اولین فرصت میں قرآن حکیم کے مطابق سمجھنے اور اپنانے کے بغیر نجات ممکن نہیں۔انہیں کی راہ میں تین بڑی گھاٹیوں :(۱)۔آخرت کے مقابلے میں دنیا پرستی ،(۲)۔رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی ، اور (۳)۔توحید کے مقابلے میں شرک ہے۔ان تین عظیم حقائق (آخرت، رسالت اور توحید) کوٹھیک ٹھیک سمجھے بغیر مراد کو پانے کا تصور محض دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔اس تحریر میں انسانیت کی ہلاکت میں حائل سب بڑی گھاٹی یعنی ''شرک'' کے تمام پہلوؤں کو اعتدال پر رہتے ہوئے تعصب وتنگ نظری اور فرقہ واریت کی نحوست سے بچتے ہوئے پوری جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ تحریر انشاء اللہ نجاست شرک سے دامن پاک کر کے بھولے ہوؤں کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ حقیقی معنوں میں مضبوط بنیادوں پر جوڑنے کا باعث بنے گی۔

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

www.khidmat-islam.com
khidmat777@gmail.com

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161